قل انما انا بشر مثلکم کی بحق تفسیر او صحیح تفہیم

خیر بشر کی نوری بشریت

مصنف:

مناظر اسلام ماہر رضویات علامہ عبدالستار ہمدانی "مصروف" برکاتی نوری

شبیر برادرز

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

کی جامع تفسیر اور صحیح تفہیم

خیر البشر کی نوری بشریت

مصنف

مناظر اسلام ماہر رضویات علامہ عبدالستار ہمدانی
معروف بہ برکاتی نوری

شبیر برادرز
۴۰- اردو بازار- زبیدہ سنٹر ○ لاہور

صَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَآلِهٖ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ

نام کتاب -------- خیر بشر کی نوری بشریت
تصنیف -------- علامہ عبدالستار ہمدانی برکاتی نوری
تصحیح -------- ارشد علی جیلانی "جان" جبل پوری
تحریک -------- مولانا حافظ نصیر احمد ہزاروی
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
طباعت -------- مئی 2004ء
کمپوزنگ -------- افضل حسین
ناشر -------- شبیر برادرز لاہور
قیمت -------- [redacted] روپے

ملنے کے پتے

شبیر برادرز 40 اُردو بازار لاہور

ادارہ پیغام القرآن 40 اُردو بازار لاہور

شرفِ انتساب

میں اپنی اس کاوش کو اپنے آقائے نعمت،

تاجدارِ اہلِ سنت، شہزادہ سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت،

ہم شبیہِ غوثِ اعظم، نائب امامِ اعظم، مظہرِ مجددِ اعظم،

سیدی وسندی وملاذی وملجائی

حضور مفتیِ اعظمِ عالم حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں قبلہ

بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کی ذاتِ بابرکات سے منسوب کرتا ہوں۔ جن کی ایک توجہ نے میری دنیا بدل دی اور مجھے وہابیت کی گمراہی کے دلدل میں غرق ہونے سے بچا کر ایمان کی لازوال دولت عطا فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کے بے شمار گل ان کے مرقدِ مقدس پر تاقیامت نازل ہوتے رہیں اور ان کے فیوض وبرکات سے ہم ہمیشہ مستفیض ومستفید ہوتے رہیں۔

آمین! بجاہ سیدالمرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم.

دُعاگو

خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ اور

خانقاہ نوریہ رضویہ بریلی شریف کا ادنیٰ سوالی

عبدالستار ہمدانی "مصروف" برکاتی نوری

مرکزِ اہلِ سنت، برکاتِ رضا

امام احمد رضا روڈ، پوربندر، گجرات۔

گلہائے ناشر

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہا بار شکر جس نے ناچیز کو اپنے پسندیدہ دین کی اشاعت کا شرف عطا فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے پیارے رسول مختار دو عالم نبی مکرم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں لاکھوں درود و سلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن کی نگاہِ رحمت نے قدم قدم پر سہارا دیا اور ہمارا ''اشاعتی ادارہ'' شبیر برادرز لاہور آج ایک مرکز اشاعت سے مشہور و معروف ہے۔ (الحمد للہ تعالیٰ)

''شبیر برادرز'' نے اشاعتی محاذ پر قدم رکھتے ہی علمائے اہل سنت کی نہایت مستند علمی، تحقیقی، تاریخی، اصلاحی، تبلیغی اور معیاری کتب کو اعلیٰ اور عمدہ طباعت سے آراستہ و پیراستہ کرنے کی طرح ڈالی۔ کاغذ، ٹائیٹل، جلد بندی وغیرہ سے ہر کتاب کو دیدہ زیب بنایا گیا۔ جس کے باعث خاص و عام نے اپنی توجہ مبذول فرمائی اور قبولیت کا بڑی عمدگی سے مظاہرہ کیا۔ نیز دیگر اداروں کی بہ نسبت قیمت کو نہایت مناسب سطح پر رکھا تاکہ ہر ایک اپنی استطاعت کے مطابق کتاب بآسانی خرید سکے۔

ہمارا اشاعتی پروگرام اس تیزی سے ترقی نہ کرتا اگر ہمیں ممتاز علماء کرام کی سرپرستی حاصل نہ ہوتی جن میں درج ذیل محسنین اسلام وسنیت خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

☆ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ

(بانی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، شیخوپورہ)

☆ محقق عصر شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ
بانی مکتبہ قادریہ لاہور

☆ ادیب شہیر حضرت علامہ مولانا محمد منشا تابش قصوری
صدر شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

☆ محترم المقام حضرت الحاج محمد مقبول احمد قادری ضیاء مدظلہ
بانی رضا اکیڈمی لاہور

اور اب حضرت علامہ مولانا مفتی صاحبزادہ محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی مدظلہ شیخ الحدیث جانشین مفتی اعظم پاکستان و ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی سرپرستی میسر ہے۔ جن کی وساطت سے ادارہ کو قابل قدر اور لائق اشاعت کتابیں وصول ہوتی رہیں گی۔ جنہیں طباعت واشاعت سے آراستہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔

موصوف کے وسیلہ سے پیش نظر نہایت جامع اور تحقیقی کتاب "خیر بشر کی نوری بشریت" حاصل ہوئی جسے ملت اسلامیہ کی نامور مذہبی شخصیت محترم ومکرم جناب حاجی محمد رفیق صاحب برکاتی قادری دامت برکاتہم العالیہ نے عطا فرمائی جو برکاتی فاؤنڈیشن کراچی کے بانی وسربراہ ہیں۔

ہم موصوف کی اس شفقت وکرم نوازی پر تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے ملتمس ہیں کہ صحیح عقائد ونظریات پر مبنی تصانیف عنایت فرماتے رہا کریں۔ انشاء اللہ العزیز ہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کرم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اشاعت کے سلسلہ میں مایوس نہیں ہونے دیں گے۔ اب ہماری طباعتی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع وکشادہ ہوتا جا رہا ہے۔ ہم نے عزم صمیم کر رکھا ہے کہ چھوٹی چھوٹی کتابوں کے علاوہ بڑی بڑی کتب کو بھی اہل علم وقلم اور شائقین مطالعہ کی خدمت میں پورے اعتماد سے پیش کرتے رہیں ابھی حال میں مندرجہ ذیل کتابوں کو شائع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی چند ایک کے نام ملاحظہ فرمایئے۔

جامع الاحادیث (کامل چھ جلد) (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ)

فتاویٰ حامدیہ

فتاویٰ بریلی شریف

فتاویٰ فیض الرسول (کامل تین جلد)

فتاویٰ برکاتیہ

امام احمد رضا اور علم حدیث (کامل ۳ جلد)

نفحات الانس ' بہار شریعت کامل (۲۰ حصے)

سنہری عبادت ترجمہ کیمیائے سعادت

زینت المحافل ترجمہ نزہۃ المجالس

اور ان کے علاوہ سینکڑوں کتابیں جو مسلک حق اہل سنت و جماعت کی ترجمانی و پاسبانی پر مبنی ہیں' شائع ہو چکی ہیں۔

سیّدین نمبر:

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور نے اپنی اشاعتی تاریخ میں خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف کی دو عظیم شخصیتوں کے احوال و آثار کو اس شان سے مرتب کر کے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے کہ اس سے پہلے کسی سنی مجلہ و جریدہ نے اتنا عظیم اور ضخیم نمبر شاید ہی پیش کیا ہو۔ یہ نمبر تقریباً چودہ صد صفحات پر مشتمل خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف کی نہایت جامع اور مستند تاریخ ہے جہاں سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ ایسے مجدد وقت نے بھی فیضان کا وسیع ذخیرہ اپنے دامن میں سمیٹا اور پھر پوری دنیا میں تاحین حیات تقسیم کرتے رہے۔

پاکستان میں پہلی بار "سیدین نمبر" کو اشاعتی لباس پہنانے کی ہم طرح ڈال چکے ہیں۔

بس دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ ہمارے مقاصد حسنہ کو شرف قبول سے نوازے۔ آمین

زیر نظر کتاب "خیر بشر کی نوری بشریت" کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اس کے عالی

مرتبت مصنف علامہ عبدالستار ہمدانی مصروف برکاتی نوری مدظلہٗ عالم اسلام میں نہایت مقبول ومنظور ہیں۔ ۱۰۰ سے زائد کتابیں لکھ چکے ہیں اور موصوف کی ہر کتاب تحقیق پر مبنی ہے۔ زیب مطالعہ کتاب کو ہی لیجئے اور پڑھنے کے بعد فیصلہ کیجئے۔ یقیناً آپ کہیں گے کہ مصنف نے تحقیق کا حق ادا کردیا۔

فقط والسلام

ملک شبیر حسین

بانی ادارہ شبیر برادرز لاہور

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ / ۳ مئی ۲۰۰۴ء پیر

''خیرِ بشر کی نوری بشریت''

فہرستِ عنوانات

قابلِ غور و فکر حقیقت ۳۲۶

حضورِ اقدس کو بشر کہنے کے متعلق شرعی حکم ۳۷۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا مسئلہ شروع سے لے کر آج تک ہر دور میں زیر بحث رہا ہے۔ خصوصاً موجودہ زمانہ کے منافقین اپنے گستاخانہ جذبے کو تسکین دینے کے لیے انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی ذواتِ مقدسہ کو صرف "بشر" یا "اپنے مثل بشر" کہتے ہیں اور اپنے اس فاسد نظریہ کی تائید میں قرآن مجید کی آیت کریمہ "**قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ**" کے معنی اور مفہوم کو من گھڑت طور پر دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں اور عوام الناس کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔

بے شک تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر ہیں، لیکن ان کی بشریت عام انسانوں کی طرح نہیں، ان کی بشریت اور عام انسان کی بشریت میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ اس عظیم فرق کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس کتاب کو اول تا آخر بغور مطالعہ فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کی بشریت کا معاملہ روز روشن کی طرح صاف اور عیاں ہو جائے گا۔ اس مسئلہ کی تفہیم اور توضیح کے سلسلہ میں ہماری ہر ممکن کوشش ہوگی کہ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور ائمہ دین و بزرگان ملت کے اقوال و ارشادات معتبر کتابوں کے حوالوں سے ہی پیش کیے جائیں۔

"بشر یعنی کیا؟"

مختلف زبانوں کے لغات کا جائزہ لینے سے "بشر" کے لغوی معنی میں ⊙ آدمی ⊙ انسان ⊙ منش ⊙ مانوی ⊙ مانس ⊙ حیوان ناطق یعنی بولنے والا حیوان ⊙ پرانی ⊙ وکتی ⊙ Mankind ⊙ Mortals ⊙ شخص ⊙ بنی آدم وغیرہ ہوتے ہیں۔ المختصر! بشر یعنی انسان والی بات ذہن نشین رکھ کر اس بحث کو آگے بڑھائیں۔

اس دنیا میں جس کسی نے بھی بطور انسان جنم (پیدا ہونا) لیا ہے وہ چاہے مرد ہو، عورت ہو یا پھر مرد اور عورت کے درمیان کا طبقہ یعنی خنثیٰ یعنی مخنث (ہیجڑا) ہو، اس کو بشر کہا جائے گا یعنی انسان یا آدمی کہا جائے گا۔ اس دھرتی پر پیدا ہونے والا یعنی ماضی میں جو بھی انسان پیدا ہوا ہے اور مستقبل میں تا قیامت پیدا ہونے والا ہر انسان یعنی بشر مخلوق ہی ہے خالق نہیں۔ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ہی خالق ہے۔ وہی کائنات کا خالق اور معبود یعنی عبادت کے لائق ہے۔

نسل انسانی کا آغاز خلیفۃ اللہ فی الارض ابو البشر حضرت سیدنا آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوا ہے۔ حضرت سیدنا آدم نوع انسانی کے والد ہونے کی وجہ سے "ابو البشر" کے لقب سے ملقب کیے جاتے ہیں۔ تمام انسان آپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے "آدمی" کہے جاتے ہیں۔ انسان کی پیدائش کا سلسلہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہوا ہے اور قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

نوع انسانی خصوصاً دو قسم پر ہے (۱) مرد اور (۲) عورت۔ علاوہ کچھ خنثیٰ اور ان دونوں کے درمیانی طبقے کے بھی ہوتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت ہی قلیل بلکہ نہ ہونے کے برابر ہی ہوتی ہے لہٰذا ان کو الگ شمار کرتے ہوئے یہ مسئلہ حل طے شدہ ہے کہ جس کسی نے بھی بطن مادر سے پیدا ہونے کا شرف حاصل کیا ہے پھر چاہے وہ مرد ہو یا عورت اسے آدمی یعنی انسان یا بشر کہا جائے گا۔

آدمی، انسان یا بشر کی بھی کئی قسمیں ہیں، بے شمار اقوام، ذات، گوت، گوتر قبیلے، خاندان نسل، حسب نسب، گھرانے، فرقے وغیرہ میں انسان منقسم ہیں۔ ان تمام اقسام کا انفرادی تذکرہ نہ کرتے ہوئے صرف اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کو دو اقسام میں منقسم کریں یعنی (۱) مؤمن اور (۲) غیر مؤمن۔ قسم اوّل میں ایمان والے، موحد، مسلمان، مطیع، فرمانبردار اور اللہ و رسول کے احکام کو تسلیم کرنے والے افراد کا شمار ہوگا۔ اور قسم دوم یعنی غیر مؤمن میں کافر، مشرک، یہودی، نصاریٰ، مجوسی، غیر موحد، مرتد، منافق، اور دیگر ادیان باطل کے متبعین کا شمار ہوگا۔ المختصر! مؤمن یعنی اللہ اور رسول اور اس کی کتابوں اور احکام کو ماننے والا اور غیر مؤمن یعنی انکار کرنے والا۔

ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی ہدایت اور بھلائی کے لیے انبیاء و مرسلین علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے۔ ہر نبی یا رسول کے زمانہ میں مؤمن اور غیر مؤمن دو قسم کے لوگ تھے۔ مؤمن اپنے نبی کو اللہ کا رسول تسلیم کر کے ان کی ہر بات اور حکم کو مانتا تھا۔ جب کہ غیر مؤمن انکار کرتا تھا۔ ابو البشر حضرت سیدنا آدم سے لے کر سید المرسلین، محبوب رب العالمین، رحمۃ العالمین، خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کے زمانہ اقدس تک کم و بیش ایک لاکھ، چوبیس ہزار (1,24,000) انبیائے کرام دنیا میں تشریف لائے۔ وہ تمام کے تمام انسان ہی تھے۔ ان میں کا ایک بھی نبی فرشتہ یا جنات میں سے نہیں تھا۔ کیونکہ نبوت کا تاج کرامت و شرافت صرف انسان کو ہی عطا ہوا ہے۔ اشرف المخلوقات یعنی انسان کے سوا کوئی بھی مخلوق نبوت و رسالت سے سرفراز نہیں کی گئی۔ علاوہ ازیں وہ تمام مقدس انبیائے کرام ''مرد کامل'' تھے۔ کسی بھی عورت کو نبوت عطا نہیں کی گئی۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کسی بھی عورت کو نبوت نہیں ملی تو اس کا حاصل کلام یہ ہوا کہ نوع انسانی میں سے صرف مردوں کو ہی نبوت ملی ہے۔ لہٰذا ہماری اس بحث سے نوع انسانی کی قسم ثانی یعنی عورت کو ہم مستثنیٰ کر کے اور خواتین کو پردہ میں مستور کر کے اب صرف ''مرد'' کے تعلق سے ہی گفتگو کریں گے۔ لہٰذا اب جہاں کہیں بھی لفظ ''انسان'' آئے گا اس سے مراد ''انسان مرد'' ہوگا۔ اس نقطہ کو محترم قارئین کرام ذہن نشین رکھیں۔

انسان چاہے جس ملک کا بھی ہو، اس کے اعضاء جسمانی کی تخلیق مساوی ہی ہوتی ہے۔ دو ہاتھ، دو پاؤں، دو آنکھ، ایک ناک ایک سر، وغیرہ وغیرہ حالانکہ ملک ومقام کے تفاوت کے اعتبار سے قد وقامت، جسامت، رنگ وروپ میں ضرور فرق ہوتا ہے لیکن اصل تخلیق میں باعتبار اعضاء جسمانی تمام انسان مساوی ہوتے ہیں۔ آج تک اس سرزمین پر کروڑوں بلکہ اربوں کی تعداد میں انسان پیدا ہوئے ہیں۔ انسانوں کی اس کثیر تعداد میں سے صرف چند انسان یعنی کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار "مقدس انسان" ہی بطور نبی یا رسول اس دنیا میں مبعوث ہوئے۔ بحیثیت نبی یا رسول مبعوث ہونے والے مقدس حضرات انسان ہی تھے لیکن وہ تمام حضرات عام سطح کے انسانوں کی طرح نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور چنے ہوئے "خاص انسان" تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن حضرات کو بے شمار خصوصیات عنایت فرمائی تھیں اور سب سے بڑی خصوصیت یہ عطا فرمائی تھی کہ انہیں نبوت ورسالت کے تاج کرامت سے نوازا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے مبعوث فرمائے ہوئے "مخصوص انسان" یعنی انبیاء ومرسلین کا مقصد حیات لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہونچانا، لوگوں کو صرف ایک ہی اللہ واحد القہار کی پرستش وعبادت اور توحید خالص کی تعلیم وہدایت کرنا، برائی سے روکنا اور نیکی وبھلائی کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔ ہر نبی پر وحی یعنی خدا کا پیغام آتا تھا۔ ان حضرات پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو حکم (وحی) نازل ہوتا تھا اُسے بعن وعن لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ اس فریضۂ تبلیغ میں وہ حضرات کسی قسم کی کوتاہی یا کاہلی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ کامل طور سے فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ادا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو احکام الٰہیہ کی تعمیل کی تاکید، توثیق، اور ترغیب میں حد درجہ کوشش فرما کر لوگوں کو اعمال صالحہ پر عمل پیرا فرماتے تھے۔

لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والے جو انبیائے کرام تھے وہ انسان ہی تھے اور جن لوگوں (اُمت) تک اللہ کا پیغام پہنچایا جاتا تھا، وہ تمام لوگ بھی انسان ہی تھے۔ یعنی اللہ کے کچھ خاص انسان اللہ کا پیغام اللہ کے عام انسانوں تک پہنچاتے تھے۔ ان خاص انسان اور عام انسان کے جسمانی [illegible] تک۔ باعتبار مراتب و

درجات ان میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ عظیم فرق تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے مبعوث فرمودہ ''خاص انسان'' یعنی انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کا حکم اپنی قوم (اُمت) تک پہنچانے میں کسی قسم کا ڈر، خوف، غم، یا جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ بلکہ بلا خوف لومۃ لائم لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دیتے تھے۔ ان حضرات قدسیہ نے کبھی بھی یہ پرواہ نہیں کی کہ یہ پیغام الٰہی لوگوں کو پسند آئے گا یا نہیں؟ بلکہ انہوں نے صاف لفظوں میں لوگوں کو اللہ کا پیغام سنا دیا کہ اے لوگو! اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام مت کرو۔ نیکی اختیار کرو اور برائی سے پرہیز کرو۔ ہدایت کا راستہ اپناؤ اور گمراہی کی راہ پر چلنے سے اجتناب کرو۔ الغرض! انبیائے کرام نے ہمیشہ اپنی اُمت کو نیکی، بھلائی اور اخلاقی محاسن کی ہی تعلیم وتلقین فرمائی ہے۔ لیکن ان انبیائے کرام کے تمام اُمتیوں کو ان کی اخلاقی محاسن پر مشتمل تعلیم وتربیت پسند نہ آتی۔ کیونکہ ان کی قوم کے اوباش، لوفر، فساق، فجار، جرائم پیشہ، بت پرست، کفار، مشرک، اور مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے افراد کو انبیائے کرام کی دعوت حق سے بڑی تکلیف ہوئی اور ان مجرمانہ اور مشرکانہ ذہنیت رکھنے والے افراد کو اپنا ذاتی اور مالی خسارہ نظر آیا۔ مثال کے طور پر بت پرستی کا پیشہ کرنے والے کو جب اطلاع ہوئی کہ ہماری قوم کے نبی نے بت پرستی کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ تو اس کو اپنا ذاتی مفاد خطرہ میں محسوس ہونے لگا کیونکہ بت پرستی کے پیشہ میں بتوں پر جو چڑھاوا، بھینٹ، بلی، وغیرہ رسوم کے ذریعہ جو مستقل اور کثیر آمدنی ہوتی تھی وہ یک لخت بند ہو جانے کا اندیشہ نظر آنے لگا۔ باپ دادا کے زمانہ سے ہونے والی اور چلی آتی آمدنی کا سلسلہ اب منقطع ہو جائے گا۔ اس خیال سے وہ تلملا اُٹھے۔ آرام وراحت سے بسر ہونے والی زندگی اب مشقت وپریشانیوں سے دوچار ہوگی۔ اس تصور نے انہیں مضطرب کر دیا۔ ہائے! اب کیا ہوگا؟ بیوی بچوں کی پرورش اور خاندان کے لیے ذریعۂ معاش کا کیا انتظام ہوگا؟ اب کونسا کاروبار کروں گا؟ کونسی تجارت شروع کروں گا؟ نہ جانے وہ تجارت نفع بخش ہوگی یا نہیں؟ عرصۂ دراز سے آرام سے بیٹھ کر حرام کی روٹیاں کمائی ہیں، اب محنت ومشقت کس طرح ہو سکے گی؟ اگر قوم نے اپنے نبی کی باتوں کو تسلیم کر لیا اور بت پرستی چھوڑ دی تو میرا تو دیوالیہ نکل جائے گا۔

امیری اور تونگری کے دن رخصت ہو کر غریبی اور مفلسی کے ایام شروع ہوں گے۔ لہذا اب کچھ کرنا چاہئے۔ لوگوں کو نبی کی بات تسلیم کرنے سے روکنا چاہئے۔

صرف بت پرستی کے پیشہ آور ہی نہیں بلکہ جوا، شراب، طوائف کی دیوثی وغیرہ جیسے قبیح اور مذموم پیشہ آور بھی اسی طرح کی ذہنی الجھن میں پڑے ہوئے تھے کیونکہ ان کی قوم کے نبی نے پرستش اصنام کے ساتھ ساتھ زنا، شراب، جوا وغیرہ جیسے قبیح افعال کی بھی ممانعت فرما دی تھی۔ لہذا قوم کے ان اوباش اور بدمعاش افراد نے متحدہ محاذ کی شکل اختیار کی۔ سب کو اپنے اپنے ذاتی اور معاشی مفاد کی فکر لگی ہوئی تھی۔ قریب کے مستقبل میں پیش آنے والی غربت اور مالی خسارہ کا بھیانک منظر نگاہوں کے سامنے ابھر آیا تھا۔ اس آنے والی آفت کی روک تھام کے لیے کونسی تدبیر کارآمد ہوگی اس مسئلہ پر گہری سوچ وفکر میں پڑے ہوئے تھے۔ یہ کہنے کی ہمت اور حوصلہ کسی میں نہ تھا کہ چاہے خدا کا حکم ہے مگر میں اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤں گا۔ ایسا کہنے سے قوم کی نظروں میں ذلیل وخوار ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ خدا کے حکم کی کھلم کھلا مخالفت کرنا ممکن نہیں۔ لہذا انہوں نے ایک متفقہ تدبیر سوچ نکالی کہ قوم کو اپنے نبی کی بات ماننے سے روکنے کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ ہم قوم کے سامنے یہ اعلان کردیں کہ:-

"خدا کا حکم ماننے سے ہمیں انکار نہیں۔ خدا کے حکم کے سامنے ہمارا سر تسلیم خم ہے لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ خدا نے ہی یہ حکم دیا ہے، اس کا ثبوت کیا ہے؟ اگر یہ جواب ملا کہ خدا نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے اور خدا کے نبی نے خدا کا حکم ہم کو سنایا ہے تو ہم یہ کہہ کر ان کی بات کا رد کردیں گے کہ یہ غلط ہے۔ ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ نبی تو ہمارے جیسے بشر ہیں۔ اگر خدائے تعالیٰ ہم تک کوئی حکم پہنچانا چاہتا تو ضرور کسی فرشتہ کو ہم تک بھیج کر اپنا حکم پہنچا دیتا۔ ان نبیوں میں ایسی کون سی خصوصیت ہے کہ ان کے ذریعہ ہم تک اپنے احکام پہنچائے؟ کیوں کہ خدا کا حکم ہم کو سنانے والے نبی تو ہمارے جیسے ہی بشر ہیں۔ یہ نبی خدا کا حکم ہم کو سنانے کے بہانے ہم پر فضیلت اور فوقیت حاصل کرکے قوم کے سردار اور رہبر بننا چا[illegible]ں۔"

مذکورہ بالا تجویز وتدبیر کو اپنا آئین مقصد بنا کر قوم کے اوباش افراد نے ایک اتحادی منظم سازش کے تحت انبیائے کرام کی بات سے لوگوں کو متنفر اور منحرف کرنے کی غرض فاسد سے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ ہم کو خدا کا حکم ماننے سے قطعاً انکار وتردد نہیں لیکن جو نبی ہم کو خدا کا حکم سنا رہے ہیں، وہ تو ہمارے جیسے بشر (انسان) ہیں۔ ان کی بات پر ہم اعتماد اور بھروسہ کیسے کریں؟ کفار، مشرکین اور دیگر رذیل افراد کے "غیر مؤمن" گروہ نے انبیائے کرام کی بات تسلیم کرنے سے لوگوں کو روکنے کے لیے توہین وتنقیص انبیائے کرام کے لیے "بشر" ہونے کا بہانہ ہاتھ پر دھرا اور ہر بات کا انکار کرنے کے لیے صرف "بشر" ہونے کا بہانہ پیش کرنے لگے۔

الختصر! ہر نبی اور رسول کے دور میں انبیائے کرام کے دشمنوں اور گستاخوں نے "بشر" ہونے کا معاملہ اُٹھا کر یکساں سلوک کیا ہے۔ نبی کو بشر کہنے کی ذہنیت ان کو ان کے مقتدا اور گرو گھنٹال ابلیس لعین نے دی ہے کیونکہ سب سے پہلے نبی کو بشر کہنے والا شیطان ہے۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کا بین ثبوت موجود ہے۔ جس کی تفصیلی بحث ہم انشاءاللہ اگلے صفحات میں زیورِ گوش سامعین اور مُبصرِ چشم ناظرین کی غرض سے پیش کریں گے۔

قرآن مجید میں نبی ورسول کے مخالفین یعنی کفار، مشرک، مرتد، ومنافق گروہ کی اس "بشر" والی بولی کا متعدد مقام پر تذکرہ ہے۔ جن میں سے چند آیات کریمہ پیش خدمت ہیں:-

"حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کے کافروں نے اپنے جیسا "بشر" کہا"

حضرت سیدنا نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو بت پرستی اور دیگر افعال رذیلہ وقبیحہ سے روکتے ہوئے فرمایا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ بتوں کو پوجنا چھوڑ دو اور نیکی اور

بھلائی کی راہ اختیار کرو۔ تب حضرت نوح کی قوم کے کافروں نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً

حوالہ:- پارہ: ۱۸، سورۃ المؤمنون، آیت: ۲۴

ترجمہ:- "تو اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا بولے یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی، چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے اُتارتا۔"

(کنزالایمان)

اس آیت میں ایسا ذکر ہے کہ حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے اپنے جیسا بشر کہا۔ مزید برآں حضرت ممدوح کی شان میں تنقیص وتوہین کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ہم کو اللہ کا پیغام سنانے کے بہانے وہ ہمارا رہبر اور سردار بننا چاہتا ہے۔ اگر اللہ کو ہم تک کوئی پیغام بھیجنا تھا تو اس "بشر" (انسان) کے بجائے کسی فرشتہ کو بھیج دیتا۔

اس آیت سے ایک بات یہ ثابت ہوئی کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہنے والے کافر تھے۔ کیونکہ آیت میں "قَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" کے الفاظ وارد ہیں اور جس کا ترجمہ "جن سرداروں نے کفر کیا وہ بولے" ہوتا ہے۔ نبی کے لیے لفظ "اپنے جیسا بشر" کا استعمال کرنا زمانہ قدیم کے کافروں کا طرز عمل ہے۔

"حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کے کافروں نے اپنے جیسا بشر کہا"

حضرت ہود علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو توحید خالص کا پیغام دیا اور لوگوں کو اصنام پرستی یعنی بتوں کی پوجا کرنے اور بتوں کو اپنا معبود ماننے سے روکا اور صرف ایک اللہ واحد القہار کی عبادت کرنے کی نصیحت فرمائی تو ان کی قوم کے کافروں نے قوم کے لوگوں کو

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات تسلیم کرنے سے روکنے کے لیے قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ ان کی بات مت مانو، یہ تمہاری طرح بشر ہیں۔ تمہاری طرح کھاتے پیتے ہیں۔

علاوہ ازیں قوم نوح اور قوم عاد کے کافروں نے بھی اپنے اپنے نبی کے متعلق یہی بات کہی تھی۔ جس کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ:۔

"مَاهٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ۔ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ"

(پارہ:۱۸، سورۃ المؤمنون، آیت:۳۳، اور ۳۴)

ترجمہ:۔ "کہ یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی، جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے پیتا ہے۔ اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو، جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو۔" (کنز الایمان)

مندرجہ بالا آیت میں قوم نوح، قوم ہود، اور قوم عاد کے کفار کا مقولہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے نبی کی شان وعظمت گھٹانے کے لیے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ نبی تم جیسے ہی بشر ہیں اور جو تم کھاتے پیتے ہو یہ بھی وہی کھاتے پیتے ہیں اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی فرمانبرداری کی تو تم ضرور گھاٹے یعنی نقصان میں ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قوم نوح، قوم ہود اور قوم عاد کے کافروں نے "بشر" ہونے کا سبب اور بہانہ جتا کر اپنی قوم کو انبیائے کرام کے خلاف ورغلانے اور اُکسانے کی کوشش کی اور قوم کو دھمکی بھی دی کہ اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت کی تو تم کو بہت بڑا نقصان اُٹھانا پڑے گا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ قوم نوح، قوم ہود اور قوم عاد کے کافروں نے بھی اپنے اپنے نبی کو اپنے جیسا بشر کہا تھا اور ان کے انسان ہونے، کھانے پینے اور بتقاضائے بشری کے افعال کو دلیل بنا کر ان کو اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کی سعیٔ ناکام کی تھی۔ معلوم ہوا کہ جو مؤمن نہیں ہوتا، وہی اپنے نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے کی گستاخی کرتا ہے۔ اور بشر ہونے کا بہانہ پیش کر کے نبی کا تقرب إلی اللہ، نبی کا تصرف کن اللہ، نبی کی وجاہت عند اللہ، اور نبی کے اختیارات من

جانب اللہ کا انکار کرنے کی کوشش کر کے تنقیص و توہین انبیائے کرام کے ارتکاب کا جرم عظیم کرتا ہے۔ لیکن جو سچا مؤمن ہوتا ہے وہ ان گستاخوں کی توہین آمیز گفتگو کا قطعاً اثر نہیں لیتا بلکہ ان کی دھمکیوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا اور نبی کی عظمت و صداقت کا صدق دل سے قائل ہوتا ہے۔

"حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کے کافروں نے اپنے جیسا بشر کہا"

حضرت صالح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی قوم کو برائیوں سے روکا اور خدا کے عذاب سے ڈرایا، تو ان کی قوم نے ان کے پیغام کو جھٹلانے کے لیے "بشر" ہونے کا ہی بہانہ پیش کیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ:۔

"كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝" پھر چند آیتوں کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ "مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ"
(پارہ: ۱۹، سورہ الشعراء، آیت: ۱۴۱، اور آیت: ۱۵۴)
ترجمہ:۔ "ثمود نے رسول کو جھٹلایا" ۝ "تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو، تو کوئی نشانی لاؤ، اگر سچے ہو۔" (کنز الایمان)

اس آیت میں صاف ارشاد ہے کہ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے سے لوگوں کو روکنے کے لیے یہ بات ہی اٹھائی کہ تم تو ہماری طرح بشر (آدمی) ہو۔ حضرت صالح کو بشر کہنے کا ان کا مقصد صرف یہی تھا کہ حضرت صالح کو ہمارے جیسا بشر کہہ کر ان کی شان و عظمت گھٹائی جائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت و تعظیم جمنے نہ پائے۔ حضرت صالح کو بشر کہہ کر ان کی صداقت کو بھی چیلنج کیا اور یہاں تک کہا کہ اگر تم اپنے

نبی اور رسول ہونے کی دعوے میں سچے ہو، تو کوئی نشانی (معجزہ) پیش کرو۔

''حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اصحاب الایکہ نے اپنے جیسا بشر کہہ کر جھٹلایا''

حضرت شعیب علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "اصحٰب الْاَیْکَۃ" یعنی ''بن والوں'' نے اپنے جیسا بشر کہہ کر جھٹلایا۔ یہ بَن (صحرا) مدین کے قریب واقع تھا۔ جس میں کثیر تعداد میں درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ جیسا کہ اہل مدین کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص:۶۷۳) اصحاب مدین اور بَن والوں میں یہ خرابی تھی کہ وہ ناپ تول میں بے ایمانی کرتے تھے۔ اور کم تولتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ رہزنی یعنی لوٹ مار اور ڈکیتی کا پیشہ کرتے تھے اور لوگوں کو لوٹ لیتے تھے اور ان کی کھیتیاں تباہ و برباد کر دیتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اللہ کا ڈر سنایا اور ان افعال رذیلہ و قبیحہ سے باز آنے کی نصیحت فرمائی۔ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رُشد و ہدایت پر مشتمل باتوں کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا لہٰذا انہوں نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت سے لوگوں کو روکنے کے لیے وہی ''بشر'' ہونے کا بہانہ پیش کیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ:-

> "قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّکَ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ ۝"

(پارہ:۱۹، سورۃ الشعراء، آیت:۱۸۵و۱۸۶)

ترجمہ:- بولے تم پر جادو ہوا ہے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی اور بے شک

ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ .... (کنزالایمان)

"قوم ثمود اور دیگر اقوام کے کافروں نے بھی اپنے نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہا"

کفار قوم ثمود نے بھی قوم نوح اور قوم عاد کی طرح اپنے نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے کی گستاخی کر کے لوگوں کو ان کی رسالت و نبوت کا انکار کرنے پر ابھارنے کی رذیل حرکت کی تھی۔ قرآن مجید میں ہے کہ:۔

"اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ، وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۝ ....
قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا، تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

(پارہ: ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت: ۹، اور ۱۰)

ترجمہ:۔ "کیا تمہیں ان کی خبریں نہ آئیں جو تم سے پہلے تھی نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے۔ بولے تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے باز رکھو، جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے آؤ۔" (کنزالایمان)

تفسیر:۔ "جس سے تمہارے دعوے کی صحت ثابت ہو۔ یہ کلام ان کا عناد اور سرکشی سے تھا۔ اور باوجود کہ انبیاء آیات (نشانیاں) لا چکے تھے۔ معجزات دکھا چکے تھے۔ پھر بھی انہوں نے نئی سند مانگی اور پیش کیے ہوئے معجزات کو کالعدم قرار دیا۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۳۶۴)

اس آیت میں صاف بیان ہے کہ قوم ثمود، قوم نوح، قوم عاد اور بعد کی دیگر اقوام کے کافروں نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے کھلم کھلا کہا کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو۔ تم ہم کو ہمارے باپ دادا کے دین سے منحرف کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم واقعی اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہو، تو اپنے نبی ہونے کے ثبوت میں کوئی روشن دلیل پیش کرو۔ تاکہ تمہاری نبوت کا دعویٰ سچ ثابت ہو۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جن انبیائے کرام سے ان کی نبوت کے ثبوت میں کافروں نے دلیل طلب کی تھی۔ ان انبیائے کرام نے بہت سی روشن دلیلیں پیش فرمادی تھیں لیکن ان کی قوم نے بغض، عناد، سرکشی اور ہٹ دھرمی کی بنا پر جدید دلیل طلب کی تھی اور اب تک کے پیش کردہ معجزات کا انکار کردیا تھا۔ الحاصل! ان کافروں نے انبیائے کرام کی رسالت کا انکار کرنے کے لیے بشر ہونے کا بہانہ پیش کیا تھا۔

"نبی کو بشر کہنے والے کافروں کو انبیائے کرام نے کیا جواب دیا تھا؟"

جب قوم نوح، قوم ہود، قوم عاد، ثمود اور دیگر اقوام کے کافروں نے اپنے اپنے نبی کو "اپنے جیسا بشر" کہہ کر ان کی شان اور عظمت گھٹا کر ان کے منصب تبلیغ اور پیغام توحید کی وقعت و اہمیت کم کر کے لوگوں کو ان کی بات ماننے سے روکنے کی کوشش کی اور بشر ہونے کا مسئلہ زور و شور سے چھیڑا اور نبی کی رُشد و ہدایت پر مشتمل باتیں کاٹنے کے لیے ہر بات میں بشر، بشر اور بشر کی راگنی آلاپنی شروع کی، تب ان کو جواب دیتے ہوئے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

"قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

(پارہ: ۱۳، سورۂ ابراہیم آیت: ۱۱)

ترجمہ:- "ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔"

(کنزالایمان)

تفسیر:- "یعنی نبوت اور رسالت کے ساتھ برگزیدہ کرتا ہے اور اس منصب عظیم کے ساتھ مشرف فرماتا ہے۔"

(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۴۶۳)

اس آیت میں انبیائے کرام کے جواب کا بیان ہوا ہے۔ انبیائے کرام نے اپنی قوم کے ان

کافروں کو جواب دیا ہے جو نبی کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ان کی تحقیر اور تذلیل کرتے تھے۔ انبیائے کرام نے ان بشر کہنے والوں کو ایسا جامع اور مانع جواب مرحمت فرمایا ہے کہ اگر ان کافروں میں ذرہ برابر بھی فہم و عقل ہوتی تو وہ انبیائے کرام کے صرف ایک جملے پر مشتمل جواب سے اپنے زعم باطل اور اعتقاد فاسد کا رد بلیغ اور دنداں شکن جواب محسوس کرتے۔ انبیائے کرام نے نبی کو بشر کہنے والے کافروں کو جو جواب دیا ہے اس کے جملے پر قارئین کرام خاص توجہ فرمائیں۔ کافروں نے کہا کہ انبیاء ہماری طرح بشر ہیں۔ انبیائے کرام نے کافروں کو جواب دیا کہ ہم ہیں تو تمہارے جیسے بشر لیکن اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اے کافرو! ہم صرف ظاہری صورت میں تمہاری طرح ہیں لیکن ظاہری صورت کی مساوات سے دھوکہ کھا کر ہم کو اپنے جیسا قیاس مت کرو کیونکہ "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ" یعنی "اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرما کر ہمیں نبوت و رسالت کا تاج کرامت عنایت فرما کر ہمیں تم سے افضل اور برگزیدہ فرمایا ہے اور ہم کو نبوت و رسالت کا جو منصب

عطا فرمایا اس منصب عالی کی وجہ سے تمہارے اور ہمارے درمیان باعتبار مراتب فرق عظیم ہے۔ ہم تمہاری مثل نہیں

اور نہ تم ہماری مثل ہو اور نہ ہو سکتے ہو۔

''فرعون اور فرعونیوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو اپنے جیسا بشر کہا''

کافروں، مشرکوں، منافقوں اور مرتدوں نے انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کو ''اپنے جیسا بشر'' کہنے کا سلسلہ ہر دور میں جاری رکھا۔ انبیائے کرام کی رشد وہدایت پر مشتمل باتوں اور ان کے اظہر من الشمس معجزات کا جب ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تب انہوں نے دلیل کے میدان سے راہ فرار اختیار کر کے ذاتیات پر حملہ (Personal Attack) کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔ انبیائے کرام کی مذہبی، سماجی، ثروتی، اقتصادی، روایاتی، ازدواجی، معاشرتی، اخلاقی بلکہ ذاتی اور نجی زندگی کے ہر پہلو کو ٹٹولا کہ شاید کوئی ایسی بات مل جائے کہ جس کو تختۂ مشق بنا کر ان کے دامن عصمت پر کیچڑ اُچھالا جائے لیکن ان کو ناکامیابی اور مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کو ''معصوم ومحفوظ'' بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ جن سے کسی قسم کے گناہ، بدتہذیبی، یا باعث تنفر کسی فعل کے صدور کا امکان ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ تمام حضرات علم وعمل، حلم وحکمت، رشد وہدایت، نیکی وبھلائی، تواضع وانکساری، ہمدردی وغمگساری، تقویٰ وپرہیزگاری، صبر وبردباری، جود وسخا، ہر اعتبار سے اخلاقی محاسن کے پیکر جمیل تھے۔ ان کے خلاف آواز اُٹھانے اور لوگوں کو ان سے منحرف کرنے کے لیے ایسی کوئی بات دستیاب نہ ہوئی۔ جس کو پیش کر کے ان کے خلاف نفرت پھیلانے کی مہم

چلائی جائے۔ البتہ! لے دے کر ان کے پاس صرف ایک ٹوٹا پھوٹا ہتھیار باقی تھا اور وہ بشریت کا ہتھیار تھا۔ انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم والصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہر دور کے کافروں نے ''بشر'' ہونے کا رونا روکر اپنا سینہ پیٹا ہے۔ زمانہ ماضی کے کفار کے نقش قدم پر چل کر فرعون لعین نے بھی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے خلاف بھی بشر ہونے کا معاملہ اٹھایا تھا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام نے قوم بنی اسرائیل کو اللہ کے دین کی طرف بلایا اور فرعون اور اس کے درباریوں کو ''دعوتِ حق'' دی، تو فرعون اور اس کے ہم نواؤں نے جو جواب دیا اس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ:۔

"ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا"
(پارہ:۱۸، سورۃ المؤمنون، آیت:۴۵ تا ۴۷)
ترجمہ:۔ ''پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی آیتوں اور روشن سندوں کے ساتھ بھیجا، فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف، تو انہوں نے غرور کیا اور وہ لوگ غلبہ پائے ہوئے تھے۔ تو بولے کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو آدمیوں پر۔'' (کنز الایمان)

''حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو حواریوں کو کافروں اور مشرکوں نے اپنے جیسا بشر کہا''

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دو حواری (صحابی) کو ملک شام

(Syria) کے دارالسلطنت انطاکیہ (Antioch) بھیجا تا کہ وہ وہاں کے بت پرستوں کو اللہ تعالیٰ کے وحدانیت کی طرف بلائیں اور ان کو شرک و کفر سے باز رکھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جن صحابہ کو ملک شام دعوتِ حق کا فریضہ انجام دینے کے لیے ارسال فرمایا تھا، ان کے اسمائے گرامی صادق اور مصدق ہیں۔ ایک روایت میں ان کے نام یوحنا اور بولس وارد ہیں۔ بہرحال حضرت عیسیٰ کے دونوں صحابہ بنی اسرائیل کے اولیائے عظام میں سے تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے بیماروں کو اچھا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ خرق عادت تصرفات اور کرامات سے نوازا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرستادہ مذکورہ بنی اسرائیل کے اولیائے عظام جب ملک شام کے شہر انطاکیہ گئے اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے لوگوں کو مسخر کر کے ان کو ضلالت اور گمراہیت کی راہ سے موڑ کر رشد و ہدایت کی راہ پر گامزن کرنے لگے اور بت پرستی اور دیگر افعال رذیلہ اور عقائد باطلہ و فاسدہ سے تائب کرا کر توحید اور رسالت پر ایمان لانے کی تعلیم دینے لگے، تو ملک شام کے کافروں اور یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حواریوں کے متعلق کہا کہ:-

"قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ۝

(پارہ:۲۲، سورۂ یٰس، آیت:۱۵)

ترجمہ:- "بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی اور رحمٰن نے کچھ نہیں اُتارا۔ تم نرے جھوٹے ہو۔ (کنز الایمان)

اس آیت سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ کفار، مشرکین، منافقین، یہود اور نصاریٰ نے انبیائے کرام کی شان و عظمت گھٹانے کے لیے ان کو "اپنے جیسا بشر" کہا۔ اسی طرح اولیائے عظام کی شان و عظمت گھٹانے کے لیے اولیاء کو بھی اپنے جیسا بشر کہا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معتقد حواری (صحابی) یعنی حضرت صادق اور مصدق یا

بروایت دیگر حضرت یوحنا اور حضرت یولس اجلۂ اولیاء بنی اسرائیل سے تھے۔ ان کے متعلق بھی سرکشوں نے یہی کہا کہ مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا یعنی "تم ہمارے جیسے آدمی ہو" ان سرکشوں کے نقش قدم پر چل کر دورِ حاضر کے منافقین بھی انبیاء اور اولیاء کو اپنے جیسا بشر کہتے اور لکھتے ہیں۔

"اولوالعزم انبیائے کرام کو بشر کہا گیا"

"وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۝

(پارہ ۷، سورۃ الانعام، آیت: ۸۴ تا ۹۱)

ترجمہ:- اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا کیے، ان سب کو ہم نے راہ دکھائی، اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی، اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو، اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو ⊙ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو، یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں ⊙ اور اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو، اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی ⊙ اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو، اور ہم نے انہیں چُن لیا اور سیدھی راہ دکھائی ⊙ یہ اللہ کی ہدایت ہے کہ اپنے بندوں میں جسے چاہے دے اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا اکارت جاتا ⊙ یہ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی، تو اگر یہ لوگ اس سے منکر ہوں، تو ہم نے اس کے لیے ایک ایسی قوم لگا رکھی ہے، جو انکار والی نہیں ⊙ یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی، تو تم اُنہیں کی راہ چلو، تم فرماؤ میں قرآن پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا، وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہاں کو ⊙ اور یہودیوں نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی، جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اُتارا ⊙'' (کنزالایمان شریف)

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے برگزیدہ اور عظیم المرتبت انبیاء ومرسلین کا ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات میں جن انبیاء کا ذکر فرمایا گیا ہے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت اسحٰق (۲) حضرت یعقوب (۳) حضرت نوح (۴) حضرت داؤد (۵) حضرت سلیمٰن (۶) حضرت ایوب (۷) حضرت یوسف (۸) حضرت موسیٰ (۹) حضرت ہارون (۱۰) حضرت زکریا (۱۱) حضرت یحییٰ (۱۲) حضرت عیسیٰ (۱۳) حضرت الیاس (۱۴) حضرت اسمٰعیل (۱۵) حضرت یسع (۱۶) حضرت یونس اور (۱۷) حضرت لوط (علیٰ نبینا وعلیہم افضل الصلوٰۃ والسلام)

مذکورہ مقدس انبیائے کرام کے علاوہ ان کے آباء واجداد، اولاد اور بھائیوں میں سے بھی کچھ حضرات کا ضمناً اور اشارۃً ذکر فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ آیت نمبر ۸۷ میں ہے کہ "وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ" یعنی اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے۔"

مذکورہ نفوس قدسیہ کا مذکورہ آیات میں ذکر فرما کر ان کی شان عظمت اور فضیلت کا اظہار فرماتے ہوئے رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔

- ہم نے ان کو راہ دکھائی
- ان نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔
- وہ ہمارے قرب کے لائق ہیں۔
- ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی۔
- ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی۔
- ہم نے ان کو کتاب دی۔
- ہم نے ان کو حکم دیا۔
- ہم نے ان کو نبوت عطا فرمائی۔
- ہم نے ان کی ہدایت فرمائی۔

انبیائے کرام کے مندرجہ بالا فضائل وخصائص قرآن مجید میں اس لیے بیان فرمائے گئے ہیں کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ انبیائے کرام اور دیگر عباد صالحین، اللہ کے پیدا کیے ہوئے انسان اور اللہ کے بندے ہونے کے باوجود کثیر فضیلتوں اور خصوصیتوں کے حامل ہونے کی وجہ سے وہ تمہاری طرح عام انسان نہیں ہیں یعنی "بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" نہیں ہیں۔ ظاہری صورت بشری سے دھوکہ کھا کر ان کو اپنے جیسا قیاس مت کرنا۔ وہ عام انسانوں کی طرح نہیں بلکہ ان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "وَاجْتَبَيْنٰهُمْ" یعنی "ہم نے انہیں چن لیا ہے" یعنی یہ حضرات عام انسانوں کی طرح اور تمہاری مثل نہیں بلکہ ہمارے خاص اور چنے ہوئے بندے ہیں۔ ان کی عظمت اور شان رفعت کا ہم تمہارے مقدس کلام یعنی قرآن مجید میں بیان فرما کر تمہیں آگاہ

و متنبہ کرتے ہیں کہ خبردار! ان حضرات کو اپنے جیسا بشر نہ سمجھنا بلکہ ان کے جن اوصاف کا ہمارے مقدس کلام میں تذکرہ کیا گیا ہے، ان اوصاف کو ہمہ وقت ملحوظ خاطر رکھ کر ان کی عظمت و رفعت کے مقر اور معترف رہنا۔ لیکن! سرکشوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس حکم عالی کو بھی لاابالی پن اور بے اعتنائی سے پس پشت ڈال دیا اور بغض و عناد کے جذبہ کے تحت عمداً اور قصداً انبیائے کرام کو اپنے جیسا بشر کہا اور اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام اور حکم کی بے قدری اور بے وقعتی کرنے کا جرم عظیم کیا۔ جس کا بیان بھی مندرجہ بالا آیات میں ہے کہ:-

"وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ" یعنی "اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی۔"

اللہ تعالیٰ ان منکرین عظمت انبیاء کی خوئے بد اور خصلت نافرمانی کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی۔ جس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے ارشاد اور فرمان کی قدر نہ کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ اور چنے ہوئے بندے یعنی انبیائے کرام اور عباد صالحین کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کو اُس کے وقت میں فضیلت دی، ان کو ہمارے قرب کے لائق بنایا وغیرہ وغیرہ لیکن سرکشوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہ مانا اور فرمانِ الٰہی کی قدر نہ جانی اور کیا کہا؟

"اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ" یعنی "جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اُتارا" یعنی انبیائے کرام کو بشر کہا، اور بشر کہنے کی آڑ اور پردہ میں ایمان لانے کا انکار کیا۔

ثابت ہوا کہ جو بے ایمان ہوتے ہیں، وہی نبی اور رسول کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے والے اللہ کے حکم کو بھی جھٹلاتے ہیں۔ ارتکاب جرم توہین انبیاء کے ساتھ ساتھ شانِ الوہیت کا بھی انکار کرتے ہیں کیونکہ:-

- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے مقدس بندے انبیائے کرام نیکوکار ہیں، ہدایت یافتہ ہیں، ہمارے قرب کے لائق ہیں، ہم نے ان کو فضیلت دی، ہم نے ان کو چن لیا، ہم نے ان کو کتاب، حکم اور نبوت عطا فرما کر برگزیدہ کیا۔

لیکن .... !!!

- سرکش لوگ کہتے ہیں کہ نبی ہمارے جیسے بشر ہیں۔فرمان الٰہی کے متضاد بولی بول کر سخت اور قبیح جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

''اگلی امتوں کے کفار انبیائے کرام کو بشر کہہ کر کافر ہوئے''

قرآن مجید میں ارشاد رب تبارک وتعالیٰ ہے کہ:

"اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا"
(پارہ:۲۸،سورۃ التغابن،آیت:۵و۶)
ترجمہ:۔''کیا تمہیں ان کی خبر نہ آئی جنہوں نے تم سے پہلے کفر کیا اور اپنے کام کا وبال چکھا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۝ یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لائے تو بولے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے۔تو کافر ہوئے اور پھر گئے۔'' (کنزالایمان)
تفسیر:۔''یعنی انہوں نے بشر کے رسول ہونے کا انکار کیا اور یہ کمال بے عقلی اور نافہمی ہے،بشر کا رسول ہونا تو نہ مانا اور پتھر کا خدا ہونا تسلیم کرلیا۔''

(تفسیر خزائن العرفان، ص:۱۰۰۱)

اس آیت کریمہ کے الفاظ اور ترجمہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں، صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ متعدد مرتبہ اس کی تلاوت فرمائیں اور بہ نظر عمیق غور وفکر کریں تو آپ کی فہم سلیم میں یہ حقیقت پتھر کی لکیر کی مانند منقش ہو جائے گی کہ:۔

اگلی اُمتوں میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور دردناک عذاب کے مستحق ہوئے ان کافروں کے کفر کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنے نبی کو بشر کہا تھا۔ اس آیت شریف کے جملہ کے الفاظ کی ترتیب ملاحظہ فرمائیں کہ ان کافروں نے کہا کہ یہ بشر کیا ہمیں راہ بتائیں گے؟ ان کا یہ مقولہ نقل فرمانے کے بعد فوراً ارشاد ہوتا ہے کہ "فَكَفَرُوْا" یعنی "تو کافر ہوئے" ثابت ہوا کہ نبی کی شان گھٹانے کے لیے نبی کو صرف "بشر" کہنے والے کو قرآن کافر کہہ رہا ہے تو جو لوگ نبی کو صرف "بشر" نہیں بلکہ "اپنے جیسا بشر" اور "عاجز بندہ" کہتے ہیں، ان کے لیے کیا حکم نافذ ہوگا؟ اس کا فیصلہ اور فتویٰ قارئین کرام اپنے دل سے ہی طلب فرمائیں۔

"حضور اقدس ﷺ کو بھی کفار، مشرکین، منافقین، یہود اور نصاریٰ نے اپنے جیسا بشر کہنے کی گستاخی کی تھی"

کفار اور مشرکین نے زمانہ قدیم سے یہ اصول بنا رکھا تھا کہ لوگوں کو انبیائے کرام پر ایمان رنے سے روکنے کا سب سے سہل اور آسان طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے دماغوں میں یہ بات ڈال دی جائے کہ تم جن کو نبی یا رسول مان کر، ان پر ایمان لا کر، ان کی پیروی کرنا چاہتے ہو وہ تم جیسے ہی بشر ہیں۔ جب یہ تمہاری طرح بشر ہیں تو ان میں کوئی خصوصیت نہیں۔ ان

پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا عقل و دانش سے بعید ہے۔ کفار اور مشرکین نے ہر دور میں یہی ہتھکنڈا آزمایا اور ہر دور کے نبی اور رسول کو اپنے جیسا بشر کہنے کی گستاخی کی۔

اوراق سابقہ میں انبیاء سابقین کو ان کے دور کے منکروں نے اپنے جیسا بشر کہنے کی جو رذیل حرکتیں کیں تھیں اس کا تفصیلی بیان آیات قرآنی کی روشنی میں گوش گزار کیا گیا۔

قرنا بعد قرن جب سید الانبیاء والمرسلین محبوب رب العالمین، رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ اقدس آیا اور آفتاب رسالت و ماہتاب نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے "نور حق" کی ضیاباری سے عالم کائنات درخشاں اور تاباں ہو رہا تھا اور بنی آدم گمراہی اور ضلالت کی تاریکی سے نکل کر ہدایت و نور کی روشنی سے فیض یاب ہو رہے تھے اور اسلام کا پرچم آب و تاب سے لہرانے لگا تو کفار، مشرکین، یہود اور نصاریٰ کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے اور لوگوں کو گروہ در گروہ اور جوق در جوق داخل اسلام ہوتے دیکھ کر ان کی آنکھوں سے چنگاریاں اڑنے لگیں۔ اسلام کے اُمنڈتے اور بڑھتے ہوئے سیلاب کی روک تھام کے لیے انہوں نے کئی حربے آزمائے اور ان میں کا ایک حربہ وہی گھسا گھسایا اور پرانا حربہ، جو ان کے آباء و اجداد بلکہ ماضی کے کفار و مشرکین سے وراثت میں ملا تھا اور وہ حربہ یہ تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ماضی کے انبیائے کرام کی طرح "اپنے جیسا بشر" کہہ کر ان کی شوکت کے پھریرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کی جائے۔ بشری تقاضوں کے تحت ان سے جو افعال صادر ہوتے ہیں مثلاً کھانا پینا، چلنا پھرنا، وغیرہ کو پیش کر کے ان کو اپنے جیسا بشر کہہ کر لوگوں کو ان پر ایمان لانے سے روکا جائے۔ اس منصوبہ کے تحت کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ نے متحدہ و منظم سازش شروع کی اور حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عظمت و رفعت گھٹانے کے فاسد ارادہ سے "بشر" ہونے کا شور اور واویلا مچانا شروع کیا اور لوگوں کو بہکانے کے لیے کہنے لگے کہ ان کی بات مت مانو، ان پر ایمان مت لاؤ، ان کو اللہ نے رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ یہ تمہاری مثل ایک "بشر" ہی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

منکرینِ رسالت کی "بشر والی بولی" کا قرآن مجید میں متعدد مقام پر تذکرہ ہے چند

آیت مقدسہ کی تلاوت کا شرف حاصل کریں۔

⊙ قرآن مجید میں ہے کہ:۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ
(پارہ:۱۸، سورۃ الفرقان، آیت ۷)
ترجمہ:۔ "اور بولے اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ کیوں نہ اتارا گیا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کہ ان کے ساتھ ڈر سناتا" (کنز الایمان)

اس آیت میں منکرین رسالت کا مقولہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے لوگوں کو روکنے کے لیے حضور اقدس کو بشر ثابت کرنے کے لیے لوگوں سے کہا کہ دیکھو دیکھو، تم جس کو اللہ کا رسول سمجھ کر ان کے لائے ہوئے دین میں داخل ہو رہے ہو۔ وہ رسول تو ہماری تمہاری طرح کھاتا پیتا ہے اور چلتا پھرتا ہے۔ اگر واقعی یہ اللہ کے رسول ہوتے تو ان کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو ہم کو اللہ کا حکم سنا کر ڈراتا لیکن ان کے ساتھ نہ تو کوئی فرشتہ ہے علاوہ ازیں وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہیں لہذا وہ ہماری طرح بشر ہیں۔ ثابت ہوا کہ کافروں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان و عظمت گھٹانے کے لیے ہی "بشروالی بولی" کا استعمال کیا۔ اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ نضر بن حارث نام کے سردار کفار مکہ نے یہ کہا تھا کہ یہ رسول کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہیں۔
(بحوالہ:۔ تفسیر خزائن العرفان، ص:۶۴۸)

⊙ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

(پارہ:۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۳)

ترجمہ:- ''ان کے دل کھیل میں پڑے ہیں اور ظالموں نے آپس میں خفیہ مشورت کی کہ یہ کون ہیں؟ ایک تم ہی جیسے آدمی تو ہیں۔''

(کنزالایمان)

تفسیر:- ''یہ کفر کا ایک اصول تھا کہ جب یہ بات لوگوں کو ذہن نشین کر دی جائے گی کہ وہ تم جیسے بشر ہیں تو پھر کوئی ان پر ایمان نہیں لائے گا۔ حضور کے زمانے کے کفار نے یہ بات کہی اور اس کو چھپایا لیکن آج کل کے بعض بیباک یہ کلمہ اعلان کے ساتھ کہتے ہیں اور نہیں شرماتے۔''

(تفسیر خزائن العرفان، ص:۵۷۹)

اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ زمانۂ اقدس کے کفار اور مشرکین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہمارے تمہارے جیسے بشر کہنے کی جو مہم چلائی تھی اس کا منشا اور مقصد صرف یہی تھا کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹانا چاہتے تھے تاکہ لوگوں کے دلوں سے آپ کی عظمت ومحبت کم ہوجائے اور لوگ آپ پر ایمان لانے سے باز رہیں۔ علاوہ ازیں مذکورہ آیت کے مقدس الفاظ "وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی" یعنی'' آپس میں خفیہ مشورت کی'' سے اس حقیقت کا بھی پتا چلتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے کی پالیسی کفار اور مشرکین کی ''خفیہ مشورت'' (Concealed Policy) تھی اور اس خفیہ مشورت کا مقصد اصلی یہی تھا کہ لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرادی جائے کہ جس رسول کی محبت کا تم دم بھرتے ہو وہ رسول تمہاری طرح بشر ہیں۔

زمانۂ ماضی کے کفار ومشرکین کے نقش قدم پر چل کر اور ان کے طرز عمل کو مشعل راہ بنا کر دور حاضر کے منافقین بھی انبیائے کرام اور خصوصاً سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہہ کر عوام المسلمین کے دلوں سے آپ کی عظمت ومحبت کم کرنے کی سازش کرتے ہیں اور اس سازش کو ایک منظم جماعتی حیثیت سے رائج کرتے ہیں اور علی الاعلان کرتے ہیں کیونکہ اپنے اس فاسد اعتقاد کو زیور طباعت سے آراستہ کرکے شائع کرتے ہیں۔ ماضی کے

کفار اور دورِ حاضر کے منافقین کا نبی کو بشر کہنے کا نظریہ یکساں ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ ماضی کے کفار اپنا یہ فاسد نظریہ خفیہ طور پر پھیلاتے تھے لیکن دورِ حاضر کے منافقین زمانۂ ماضی کے کفار و مشرکین سے دو نہیں بلکہ چار قدم آگے ہیں۔ کیونکہ جو بات علی الاعلان کہتے ہوئے ماضی کے کفار و مشرکین جھجکتے تھے اور چھپ چھپ کر خفیہ طور پر جو بات کہتے تھے، وہی بات دورِ حاضر کے منافقین علانیہ طور پر کہہ کر اپنی بیباکی، بے حیائی، بے شرمی، شقاوت قلبی اور سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

الختصر! حضورِ اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عظمت و رفعت کو گھٹانے کی غرض سے زمانۂ اقدس کے کفار و مشرکین نے ''بشر'' ہونے کے معاملہ کو غلو کی حد تک اُچھالا اور اُبھارا اور ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ جہاں دیکھو وہاں ''بشر'' والا معاملہ زیرِ بحث تھا۔ انکارِ نبوت کے لیے ان کفار کے پاس صرف ''بشر'' کا معاملہ ہی سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ اس معاملہ کے ضمن میں انہوں نے شور و غل اور واویلا مچا رکھا تھا۔ کفار و مشرکین کے اس ہنگامہ کا رد بلیغ اور مسکت جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آیت کریمہ نازل فرمائی کہ:-

"قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝"
(پارہ: ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۹۳ و ۹۴)
ترجمہ:- ''تم فرماؤ، پاکی ہے میرے رب کو، میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا، جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا۔'' (کنز الایمان)

تفسیر:- ''رسول کو بشر ہی جانتے رہے اور ان کے منصب نبوت اور اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے کمالات کے مقر اور معترف نہ ہوئے۔ یہی ان کے کفر کی

اصل تھی اور اسی لیے وہ کہا کرتے تھے کہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔"

(تفسیر خزائن العرفان، ص:۵۲۶)

اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جب کفار و مشرکین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق "بشر" ہونے کا غوغا مچایا اور "بشر" ہونے کا بہانہ پیش کر کے لوگوں کو ایمان لانے سے روکنے کی تحریک کو فروغ دیا اور معاملہ حد سے بڑھ گیا، تب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ "قُلْ" یعنی "اے محبوب! تم فرمادو" کیا فرمادو؟ "سُبْحَانَ رَبِّیْ" یعنی "پاکی ہے میرے رب کو۔" قارئین کرام خاص توجہ دیں اور اس آیت کریمہ کے انداز بیان کی خوبیوں سے لطف اندوز ہوں اور بارگاہ رب العزت جل جلالہ میں اپنے رؤف و رحیم آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجاہت اور قدر و منزلت کا اندازہ لگائیں کہ کفار و مشرکین نے اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہا تھا۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ دے رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا ہے اس کا انداز بیان ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے کہ "قُلْ" یعنی "اے محبوب! تم فرماؤ"۔ آیت میں سب سے پہلا لفظ "قُلْ" وارد ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے وہ ہم اگلے صفحات میں آیت کریمہ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ" الخ کے ضمن میں تفصیل سے بیان کریں گے۔ یہاں صرف اتنی بات ذہن نشین کریں کہ اللہ تعالیٰ منکرین بارگاہ رسالت کو جو جواب مرحمت فرما رہا ہے وہ اپنے محبوب کی زبانی مرحمت فرما رہا ہے لیکن وہ جواب مرحمت فرمانے سے پہلے اپنے محبوب کو حکم فرماتا ہے کہ کافروں نے تم کو اپنے جیسا بشر کہا ہے۔ ان کا جواب دینے سے پہلے تم ہماری پاکی بیان کرو اور فرماؤ کہ "سُبْحَانَ رَبِّیْ" یعنی "پاکی ہے میرے رب کو۔" کافروں کو جواب دینے سے قبل اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے میں کیا حکمت ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

"پاکی ہے میرے رب کو" جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میرا رب ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ اس کی قدرت و حکمت غیر متناہی اور ہر چیز کو محیط ہے۔ اس کی قدرت و حکمت کے اسرار و رموز ہر عیب و نقص سے پاک ہیں۔ میرا رب ایسا قادر مطلق ہے کہ اس کی تمام صفات

میں عیب ونقصان کا وہم وگمان وامکان ہی نہیں ہوسکتا بلکہ مکمل "سبحان اور سبحان" یعنی پاکی اور پاکی" کے جلوے ہی ہیں۔ اس رب سبحان عظیم نے اپنے پیدا کیے ہوئے بے شمار انسانوں میں سے چند مخصوص اور چنے ہوئے انسانوں کو نبوت ورسالت کے منصب عالی سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس پاک رب قدیر نے انسانوں ہی میں سے اپنے مخصوص بندوں کو جب نبی اور رسول کی حیثیت سے چنا ہے تو رب قدیر کا یہ چننا اور پسند فرمانا بھی عیب ونقص سے پاک ہے۔ ان انبیاء ومرسلین کا انسان ہونا کوئی عیب یا نقص نہیں بلکہ رب سبحان عظیم کی حکمت کاملہ کے اسرار ورموز کا مخزن ہے۔ لہذا اے نافہمو! اے بے عقلو! اگر تمہارے زعم وخیال میں نبی ورسول کا انسان ہونا عیب ہے تو تم رب کی قدرت اور اس کی شان سبحان عظیم میں عیب جوئی کرتے ہو۔ اگر نبی اور رسول کا انسان ہونا عیب یا نقص ہوتا تو وہ پاک رب اپنے مخصوص بندوں کو یعنی نبوت ورسالت کے عالی منصب پر فائز ہونے والے مقدس حضرات انبیاء کو بشریت کے عیب ونقص سے مُنقصت نہ کرتا۔

اب وہ جواب ملاحظہ فرمائیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کے بتانے کے مطابق کفار ومشرکین کو سنایا "هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" یعنی "میں کون ہوں، مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔" کفار ومشرکین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "بشر" کہا تھا۔ آپ کو بشر کہنا ان کی عقل کا فتور وفساد تھا۔ ان کی نافہمی اور بے عقلی کا ہی نتیجہ تھا کہ اپنے پر قیاس کرکے یہ نازیبا بات کہی تھی۔ لہذا ان کی عقلوں کے معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ جواب دیا گیا کہ تم میرے متعلق بشر ہونے کی بات پھیلاتے ہو، اور میرے بشر ہونے کے معاملہ کو اہمیت دیتے ہو، تو اب مجھ سے سنو، ہاں! ہاں! میں بشر (آدمی) ہی ہوں لیکن صرف بشر ہی نہیں بلکہ "بَشَرًا رَّسُوْلًا" یعنی "اللہ کا بھیجا ہوا آدمی (بشر) ہوں۔ میں تمہاری طرح عام سطح کا انسان نہیں ہوں بلکہ اللہ کا مخصوص، چنا ہوا اور منصب رسالت سے سرفراز رسول ہوں۔ مجھے صرف بشر مت سمجھو۔ اپنی بشریت پر میری بشریت کو قیاس مت کرو، کیونکہ میں "بَشَرًا رَّسُوْلًا" ہوں۔ تمہارا مجھے بشر کہنا تمہاری گمراہی وضلالت کا سبب ہے۔ جو تمہیں ایمان لانے سے روکتا ہے۔ "وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ

بَشَرًا رَّسُوْلًا یعنی "اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا، جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر یہ کہ بولے اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا؟" یعنی میں تمہارے پاس رُشد وہدایت کا پیغام توحید لے کر آیا ہوں۔ تا کہ تمہیں کفر وشرک کی ضلالت وگمراہی کی تاریکی سے نکال کر نور ایمان کی دولت سے مالا مال کردوں لیکن تم میرے بشر ہونے کے معاملہ کو اُٹھاتے ہو اور دولت ایمان سے محروم رہتے ہو اور میرے رسول ہونے میں شک کرتے ہوئے یہ کہتے ہو کہ کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ تم میرا بشر ہونا ہی دیکھتے ہو لیکن میرے منصب نبوت اور اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ کمالات نہیں دیکھتے۔ ہاں! ہاں! سن لو! میں بشر ہوں تو کیا ہوا؟ میرا بشر ہونا تمہاری طرح نہیں۔ میں "بَشَرًا رَّسُوْلًا" ہوں۔ مجھے عام بشر کی مانند گمان کر کے ایمان سے کیوں محروم رہتے ہو؟۔

اس بحث کو مزید طول نہ دیتے ہوئے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کفار ومشرکین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصب نبوت ورسالت، تصرفات وکمالات، خصوصیات وصفات، فضائل وکمالات اور دیگر محاسن طیبہ عالیہ کا اقرار واعتراف نہ کیا اور آپ کو صرف بشر ہی جانتے رہے اور یہی بات ان کے کفر کی اصل تھی۔ نبی کو اپنے جیسا بشر کہہ کر کافر کے کافر ہی رہے۔

ایک اہم نکتہ کی طرف بھی قارئین کرام کی توجہات ملتفت کرنا ضروری ہے کہ اس آیت میں "بَشَرًا رَّسُوْلًا" کا جو جملہ ہے وہ جملہ حضور اقدس کی زبانی ادا کیا گیا ہے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان فیض ترجمان سے کفار ومشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "قُلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" یعنی "میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔" حضور اقدس نے خود اپنی زبان مقدس سے اپنے لیے "بَشَرًا رَّسُوْلًا" کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ اللہ نے اپنے محبوب کے لیے نہیں کہا کہ میرا محبوب "بَشَرًا رَّسُوْلًا" ہے بلکہ اللہ نے اپنے محبوب سے فرمایا کہ اے محبوب! "قُلْ" تم کہہ دو! اس میں کیا حکمت وراز ہے اس کی تفصیلی وضاحت بھی آئندہ صفحات میں "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ الخ" آیت کے ضمن میں کی گئی مفصل بحث [illegible]

"سب سے پہلے ابلیس نے نبی کو بشر کہا ہے"

یہاں تک کی تمہیدی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ ہر نبی اور رسول کے زمانے کے کافروں اور مشرکوں نے ان کو "بشر" اور "اپنے جیسا بشر" کہا۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ ہے لیکن ہم نے یہاں صرف اکتیس (۳۱) آیات تلاوت کیں ہیں۔ ان ۳۱/ آیات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ مندرجہ ذیل انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کے زمانے کے کفار و مشرکین نے اپنے جیسا بشر کہا تھا۔

- حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ:۱۸، سورۃ المؤمنون، آیت:۲۴
- حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ:۱۸، سورۃ المؤمنون، آیت:۳۳و۳۴
- حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ:۱۹، سورۃ الشعراء، آیت:۱۴۱و۱۴۵
- حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ:۱۹، سورۃ الشعراء، آیت:۱۸۵و۱۸۶
- حضرت نوح، حضرت ہود وغیرہ علیہم الصلوٰۃ والسلام = حوالہ: پارہ:۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت ۹و۱۰
- حضرت موسیٰ وہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ:۱۸، سورۃ المؤمنون، آیت:۴۵تا۴۸
- حضرت عیسیٰ کے دو حواری صادق ومصدق = حوالہ:- پارہ:۲۲، سورۂ یٰس، آیت:۱۵
- حضرت اسحٰق، ابراہیم، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ وہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ الیاس، اسمٰعیل، یسع، یونس، اور لوط علیٰ نبینا وعلیہم افضل الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ:۷، سورۃ الانعام، آیت:۸۴تا۹۱
- عظیم المرتبت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام = حوالہ:- پارہ:۲۸، سورۃ التغابن، آیت:۵و۶
- حضور اقدس ... سورۃ الفرقان، آیت:۷

⊙ حضور اقدس سید المرسلین ﷺ = حوالہ:- پارہ:۱۷، سورۃ الانبیاء آیت:۳

⊙ حضور اقدس سید المرسلین ﷺ = حوالہ:- پارہ:۱۵، سورۂ بنی اسرائیل آیت:۹۳و۹۴

المختصر! ہر نبی کے دور کے کفار و مشرکین نے اپنے زمانے کے نبی پر ایمان لانے سے لوگوں کو روکنے کے لیے اپنے نبی کو "اپنے جیسا بشر" کہا۔ اور اپنے اس کہنے سے نبی کی شان میں توہین و تنقیص ہی مراد لی تھی۔

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا مذکور انبیائے کرام کے زمانہ میں طویل فاصلہ تھا۔ بہت کم انبیائے کرام ایسے ہوئے ہیں کہ جن کا زمانہ کسی دوسرے نبی کے زمانے سے ملحق ہو۔ بلکہ اکثریت یہی پائی جاتی ہے کہ ایک نبی کا زمانہ دوسرے نبی کے زمانے سے بہت بعد میں تھا۔ مثلاً:

⊙ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان تقریباً اٹھارہ سو (۱۸۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔

⊙ حضرت ابراہیم کا زمانہ حضرت عیسیٰ سے دو ہزار، تین سو (۲۳۰۰) سال پہلے ہے۔

⊙ حضرت سیدنا نوح اور حضرت عیسیٰ کے درمیان چار ہزار ایک سو (۴۱۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔

⊙ حضرت زکریا کا زمانہ حضرت یعقوب کے زمانہ سے دو ہزار (۲۰۰۰) سال بعد میں ہے۔

⊙ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار نو سو (۱۹۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔

⊙ حضرت یعقوب اور حضرت داؤد کے درمیان تقریباً بارہ سو (۱۲۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔

⊙ حضرت ہارون اور حضرت الیاس کے درمیان تقریباً چھ سو (۶۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔

⊙ حضرت عیسیٰ اور حضورِ اقدس کے درمیان تقریباً پانچ سو (۵۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔ (علیٰ نبینا وعلیہم والصلوٰۃ والسلام)

لیکن تمام انبیائے کرام کے زمانہ کے کفار و مشرکین نے صرف ایک ہی نعرہ لگایا تھا کہ "بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمِثْلُکُمْ" یعنی "ہمارے اور تمہارے جیسے بشر" زمانہ بدلتا گیا، انبیائے کرام کی بدلیاں ہوتی رہیں، انبیائے کرام کے دشمن بھی تبدیل ہوتے رہے لیکن تمام انبیائے کرام کے خلاف ہر زمانہ میں صرف ایک ہی نعرہ بلند کیا گیا کہ یہ تو ہمارے اور تمہارے جیسے بشر ہیں۔ کسی بھی نبی کے خلاف اس کی عمر، تجارت، صنعت، پیشہ، خاندان، حسب و نسب، منصب، قومیت، وغیرہ وجوہات کی بناء پر علم بغاوت بلند نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہر نبی کے خلاف ہر دور میں "بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمِثْلُکُمْ" یعنی "ہمارے اور تمہارے جیسے بشر" کا نعرہ ہی بلند کیا گیا۔ کفار و مشرکین کو "بشر" ہونے کے علاوہ اور کوئی بہانہ ہی نہ ملتا تھا حالانکہ وہ بہت سے معاملات کو وجہ و سبب بنا کر مخالفت کر سکتے تھے۔ مثلاً:-

✪ عمر کا معاملہ:- انبیائے کرام کی ظاہری حیات کی عمریں متفرق ہوئی ہیں:-

⊙ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر شریف ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال ہوئی ہے۔
⊙ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو پچھتر (۱۷۵) سال ہوئی ہے۔
⊙ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو اسّی (۱۸۰) سال ہوئی ہے۔
⊙ حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو سینتالیس (۱۴۷) سال ہوئی ہے۔
⊙ حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو بیس (۱۲۰) سال ہوئی ہے۔
⊙ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف صرف تینتیس (۳۳) سال ہوئی ہے۔
⊙ حضرت اقدس علیہ السلام کی عمر شریف صرف ترسٹھ (۶۳) سال ہوئی ہے۔

حالانکہ کفار و مشرکین عمر کے فرق پر اعتراض کر سکتے تھے لیکن انہوں نے عمر کے فرق پر کوئی اعتراض نہ کیا اور صرف "بشر" ہونے کا ہی اعتراض کیا۔

✪ پیشہ و تجارت کا معاملہ:- انبیائے کرام نے مختلف پیشے اختیار کیے تھے۔ مثلاً:-

⊙ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کاشتکاری (کھیتی) کرتے تھے۔

⊙ حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کپڑے سیتے تھے۔

⊙ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام لوہے کی زرہیں اور ہتھیار بناتے تھے۔

⊙ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بکریاں چراتے تھے اور ایک عرصہ دراز تک ملازمت بھی کی ہے۔

⊙ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا کی عظیم سلطنت کے بادشاہ تھے۔

⊙ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملازمت اور مصر کی بادشاہت بھی فرمائی ہے۔

⊙ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجارت فرمائی ہے، ملک شام کا تجارتی سفر بھی فرمایا ہے۔

الغرض! ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں ضرورت کے پیش نظر جائز کاروبار کر کے ذریعۂ معاش و کسب حلال کے لیے محنت و مشقت فرمائی ہے۔ ملازمت کی ہے۔ تجارت کی ہے، مزدوری کی ہے، درزی اور لوہار کا کام کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ علاوہ ازیں تمام انبیائے کرام صرف ایک ہی قوم، ایک ہی خاندان یا ایک ہی ملک کے نہ تھے۔ حاصل کلام یہ کہ کسی بھی نبی کے حسب، نسب، خاندان، شہر، ملک، زبان، قومیت، تجارت، پیشہ، حکومت، عمر شریف وغیرہ کسی بھی معاملہ پر کفار و مشرکین نے کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن ہر نبی پر صرف "بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمِثْلُكُمْ" یعنی "ہمارے اور تمہارے بشر" کا اعتراض ہر زمانہ میں ہوا ہے۔

حضرت سیدنا آدم سے حضور اقدس رحمت عالم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تک تقریباً دس ہزار (۱۰،۰۰۰) برس کا زمانہ گزرا ہے۔ دس ہزار برس کا فاصلہ کوئی قلیل فاصلہ نہیں بلکہ بہت ہی طویل فاصلہ ہے۔ اور اس دس ہزار سال کے فاصلہ کے درمیان بہت سی تبدیلیاں ہوئیں، جدید ایجادیں ہوئیں، پرانے طرز عمل کے بجائے نئے نئے طور و طریقے آئے۔ لیکن انبیائے کرام کی شان و عظمت گھٹانے کا کفار و مشرکین کا جو طریقہ تھا اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ ہر دور میں ایک ہی مساوی نعرہ تھا۔ اور وہ ہے یعنی "ہمارے تمہارے جیسے بشر" کا نعرہ۔ اس نعرہ میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی و ترمیم نہیں ہوئی بلکہ ہر دور میں یہ نعرہ اپنے اصلی حال پر رہا۔ زمانہ ماضی کے کفار و مشرکین [illegible] حاضر کے منافقین

ہوں، تمام اسلام دشمن عناصر انبیائے کرام کی شان و عظمت گھٹانے کے لیے ہمیشہ ہمارے اور تمہارے جیسے بشر والا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ تو کیا ہر دور کے منافقین، مشرکین، کفار، یہود و نصاریٰ کی ایک ہی پالیسی (Policy) وروش کسی مخصوص سربراہ و لیڈر کی ذہنیت کا ہی نتیجہ تھا؟ زمانہ قدیم میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک خبریں آسانی سے نہیں پہنچتی تھیں کیونکہ اس زمانہ میں اخبار و اطلاعات کی نشر و اشاعت کے کوئی وسائل و ذرائع مہیا نہ تھے۔ لہٰذا ایک مقام کی خبریں زمانہ دراز تک دوسرے مقام تک ارسال نہ ہوتی تھیں لیکن نبی کو "ہمارے تمہارے جیسے بشر" کا "نعرہ" ایک مقام سے دوسرے مقام تک فوراً پہنچ جاتا تھا بلکہ وہ نعرہ ہر مقام اور ہر زمانہ میں "مساوی نعرہ" (Equal Clamour) کی حیثیت سے کفار و مشرکین کے مابین عام و رائج تھا۔ ہر زمانہ اور ہر مقام کے کفار و مشرکین اپنے اپنے نبی کو "اپنے جیسا بشر" کہہ کر ان کی ہدایت و نصیحت قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر زمانے اور ہر مقام کے کفار و مشرکین کو نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے کی ذہنیت کس نے سکھائی؟ جواب صاف ہے کہ وہی ہو سکتا ہے جس نے نبی کو بشر کہا ہو۔ اب یہ جانچ کریں کہ نبی کو سب سے پہلے بشر کس نے کہا؟ اس سوال کا جواب ہم اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام یعنی قرآن مجید سے حاصل کریں۔

⊙ شیطان نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس وجہ سے سجدہ نہ کیا؟

قرآن مجید میں کئی مقام پر مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوّل انسان، ابوالبشر، حضرت سیدنا آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب پیدا فرمایا تو تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمام فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا لیکن ابلیس لعین نے سجدہ نہ کیا۔ اور سجدہ نہ کرنے کے جرم کی پاداش میں اس کی لاکھوں برس کی عبادت و ریاضت اکارت و برباد ہو گئی اور وہ اللہ کے مقرب بندہ کے عہدہ سے معزول ہو کر مردود اور ملعون بن گیا۔

ابلیس جس کو ہم شیطان کہتے ہیں اس کا نام "عزازیل" تھا۔ عزازیل بہت ہی بڑا عابد

اور عالم تھا۔ علم اور عبادت میں تمام فرشتوں سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ یہاں تک کہ وہ معلم الملکوت یعنی فرشتوں کا استاذ تھا۔ عزازیل نے حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے بڑے بڑے کام بھی انجام دیئے تھے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے ساٹھ ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آسمان میں اور جنات کو زمین میں بسائے اور آباد کیے تھے۔ زمین میں آباد ہونے کے سات ہزار سال کے بعد جنات میں آپسی اختلافات کی ابتداء ہوئی۔ یہ اختلافات رفتہ رفتہ بغض وحسد اور سخت عداوت کی حد تک پہنچ گئے اور نتیجتاً جنات میں آپس میں جنگ وجدال اور خونریزی تک نوبت پہنچی۔ تب اللہ تعالیٰ نے عزازیل (ابلیس) کو حکم دیا کہ فرشتوں کی جماعت اپنے ساتھ لے کر زمین پر جاؤ اور جنات کو زمین سے نکال کر پہاڑوں اور جزیروں میں آباد کردو۔ حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے عزازیل نے یہ خدمت بخوبی انجام دی اور جنات کو پہاڑوں اور جزیروں میں بھگا دیے۔ عزازیل نے اپنے ساتھ آئے ہوئے فرشتوں کو زمین میں آباد کردیے۔ تب سے فرشتوں کے دو حصے ہوئے۔ زمین والے فرشتے اور آسمان والے فرشتے۔ عزازیل کو جنات کی سرکوبی کی خدمت انجام دینے کے انعام میں زمین اور پہلے آسمان کی بادشاہت عطا فرمائی گئی اور جنت کے خزانے بھی عنایت کیے گئے۔ عزازیل (ابلیس) کبھی زمین میں، کبھی آسمان میں اور کبھی جنت میں مقبول بارگاہ رب العزت کی حیثیت سے آمد ورفت اور عبادت کرتا رہتا تھا۔ (بحوالہ:۔ تفسیر نعیمی، جلد:۱، ص:۲۲۸، ۲۳۰ و ۲۲۷)

عزازیل (ابلیس) جو زبردست عالم وعابد تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کرتا تھا۔ جنات کو زمین سے نکالنے کی مہم میں اس نے نمایاں خدمت انجام دی تھی۔ اور حکم الٰہی کی بجاآوری میں قابل تحسین رول ادا کیا تھا۔ اس عزازیل کو کیا ہو گیا تھا کہ اللہ کے حکم سے ایک سجدہ کرنے سے باز رہا اور مردود ہو گیا۔ ایک ذرا سا معاملہ تھا کہ اللہ کے حکم کو سرآنکھوں پر لے کر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے جھکنا تھا لیکن وہ نہ جھکا بلکہ اکڑا اور بارگاہِ الٰہی سے مردود ہو کر نکلا۔

قرآن شریف میں ہے کہ:۔

"فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ ... الآ

سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ (پارہ ۱۴، سورۃ الحجر، آیت ۲۹)

ترجمہ:۔ ''تو جب میں اسے ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں تو اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا ۝ تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدہ میں گر پڑے ۝ سوا ابلیس، اس نے سجدہ والوں کا ساتھ نہ مانا۔'' (کنز الایمان)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعظیم کا سجدہ کیا لیکن شیطان اکڑا اور اس نے سجدہ کرنے میں فرشتوں کا ساتھ نہ دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ جب کہ سجدہ کرنے کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیا تھا۔ وہ ابلیس جس نے لاکھوں سال عبادت کر کے کروڑوں کھربوں سے بھی زیادہ سجدے کیے تھے، اُسے صرف ایک سجدہ کرنے سے کیا اعتراض تھا؟ اور اعتراض وانکار بھی اس سجدہ سے کیا، جس سجدہ کے کرنے کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیا تھا۔ تفسیر کی کتابوں میں ہے کہ جب فرشتے حضرت آدم کو سجدہ کرنے گرے تو شیطان حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو گیا۔ فوراً اس کی صورت مسخ ہو گئی۔ حالانکہ شیطان شکل وصورت میں بہت ہی خوبصورت تھا لیکن سجدہ کرنے سے انکار کرنے کی وجہ سے اس کا جسم خنزیر کا اور چہرہ بندر کا ہو گیا۔ (بحوالہ:۔ تفسیر نعیمی، جلد:۱، ۲۷۴)

اب ہم ہماری گفتگو کے مقصد کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعظیم کا سجدہ نہ کیا۔ اس کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا، تو اس نے کیا جواب دیا؟ وہ دیکھیں:۔

قرآن مجید میں ہے کہ:۔

"قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَالَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ لَمْ اَكُنْ

لِاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

(پارہ: ۱۴، سورۃ الحجر، آیت ۳۲ تا ۳۵)

ترجمہ:۔ "فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں سے الگ رہا ۝ بولا مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے سے تھی ۝ فرمایا تو جنت سے نکل جا کہ تو مردود ہے ۝ اور بے شک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔ ۝" (کنزالایمان)

قارئین کرام! اس آیت کو اور اس کے ترجمہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن مجید نے صاف فیصلہ فرما کر یہ بات ظاہر فرمادی کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "بشر" ہونے کی وجہ سے ہی سجدہ نہ کیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بے باکی سے یہ جواب دیا کہ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ یعنی "مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں۔" ابلیس نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بشر کہا اور بشر ہونے کی وجہ سے ہی تعظیم کرنے یعنی تعظیم کا سجدہ کرنے سے صاف انکار کیا۔ ثابت ہوا کہ بہ نیت توہین نبی کو بشر کہنے والا سب سے پہلا فرد شیخ نجدی یعنی ابلیس تھا۔ بشر ہونے کی وجہ سے نبی کی تعظیم نہیں کرنی چاہیے یہ نظریہ سب سے پہلے ابلیس نے قائم کیا ہے اور ابلیس کے نقش قدم پر چل کر ہر زمانہ کے کفار و مشرکین نے اور دور حاضر کے منافقین نے انبیائے کرام کی شان و عظمت گھٹانے کے لیے ابلیس کی بولی بولنا اختیار کیا اور نبی و رسول کو بشر کہا۔ بلکہ ابلیس سے بھی دو قدم آگے سبقت لے گئے کیونکہ ابلیس نے تو حضرت آدم علیہ السلام والصلوٰۃ کو صرف "بشر" ہی کہا تھا لیکن کفار و مشرکین اور منافقین نے انبیائے کرام کو "بَشَرٌ مِّثْلُنَا و مِثْلُكُمْ" یعنی "ہمارے تمہارے جیسے بشر" کہہ کر توہین و تنقیص انبیاء میں ابلیس سے بھی بڑھ گئے۔

اب اس آیت کے اہم نکات کی طرف توجہ دیں۔

❶ شیطان نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ نہ کیا، تو سجدہ نہ کرنے پر فوراً نہیں نکالا گیا بلکہ اس سے سجدہ نہ کرنے کا سبب دریافت کیا گیا اور اس نے جو سبب بتایا اس سبب کی وجہ سے ہی اسے مردود بنا کر نکالا گیا اور وہ سبب تھا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حقیر جان کر انہیں "بشر" کہنا۔ اللہ کے مقدس نبی کو "بشر" کہنا اتنا بڑا جرم ثابت ہوا کہ اس کی لاکھوں برس کی عبادت اکارت ہو گئی اور اس کے تمام مناصب و درجات سلب کر لیے گئے۔ ثابت ہوا کہ سجدہ نہ کرنے کا جو سبب تھا یعنی حضرت آدم کو بشر کہنا وہ سبب ہی اس کے لیے مہلک ثابت ہوا اور جب اس نے سجدہ نہ کرنے کا سبب ظاہر کر دیا تو فوراً اس پر عتاب نازل ہوا کہ "قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ" یعنی "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو جنت سے نکل جا کہ تو مردود ہے۔" اللہ کے مقدس نبی کو بشر کہنے کے جرم کی سزا میں ابلیس کو مردود بنا کر جنت سے نکال دیا گیا۔ جنت کا باشندہ نبی کو بشر کہنے کی وجہ سے ذلیل و خوار ہو کر جنت سے باہر نکال دیا گیا اور ہمیشہ کے لیے مردود اور لعنت کا حقدار ہو گیا۔ تو جنہوں نے دنیا میں رہ کر نہ جنت کو دیکھا ہے، نہ جنت کا داخلہ حاصل کیا ہے بلکہ جنت کی ہوا تک بھی انہیں نہیں لگی۔ وہ دور حاضر کے منافقین شیخ نجدی ابلیس لعین کے نقش قدم پر چل کر انبیائے کرام کو صرف بشر نہیں بلکہ اپنے جیسا بشر کہہ کر کس منہ سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم جنت کے حقدار ہیں۔ ابلیس لعین کہ جو جنت میں تھا وہ نبی کو بشر کہنے کی بے وقوفی کی وجہ سے جنت سے باہر پھینک دیا گیا اور ابلیس کے چیلے نبی کو اپنے جیسا بشر کہہ کر جنت میں جانے کی تمنا کر کے کتنی بڑی بے وقوفی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

❷ شیطان نے جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا کہ "قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَالَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ" ترجمہ: فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں سے الگ رہا۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ دریافت فرمائی۔ اس سوال کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اللہ تعالیٰ کو ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ معلوم نہ تھی؟ بے شک اللہ تعالیٰ کو ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ

معلوم تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔ دلوں کی بات بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔
قرآن مجید میں ہے کہ:۔

"وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ"
(پارہ:۴، سورۂ آل عمران، آیت:۱۵۴)
ترجمہ:۔ ''اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُسے کھول دے اور اللہ تعالیٰ دلوں کی بات جانتا ہے۔'' (کنز الایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے۔ دل میں خیال پیدا ہوتا ہے اسے بھی جانتا ہے بلکہ دل میں جو خیال پیدا ہونے والا ہوتا ہے اسے بھی جانتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ شیطان نے حضرت آدم کو کیوں اور کس وجہ سے سجدہ نہیں کیا۔ تو جب اللہ تعالیٰ کے علم میں شیطان کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ تھی تو پھر شیطان کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شیطان سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ دریافت نہ فرماتا اور اپنے علم میں اس کی وجہ ہونے کی وجہ سے اسے مردود و لعین بنا کر نکال دیتا تو اس وقت سے لے کر قیامت تک کے وقت تک ہونے والوں کو صرف اتنا ہی معلوم ہوسکتا کہ شیطان نے اللہ کا حکم نہ مان کر سجدہ نہ کیا، اس لیے وہ مردود ہو گیا اور یہ راز کسی پر نہ کھلتا کہ شیطان نے اللہ کے برگزیدہ نبی کی تعظیم سے انکار کرتے ہوئے اور انہیں حقیر جانتے ہوئے انہیں "بشر" کہنے کی وجہ سے راندۂ درگاہِ الٰہی ہوا ہے۔

شیطان سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ دریافت کرنے میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ قیامت تک ہونے والے انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے نبی کو "بشر" کہہ کر اور جان کر سجدہ سے انکار کرنے کی وجہ سے شیطان "کافر" ہوا ہے۔ شیطان کے کافر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ کے نبی کو "بشر" کہا۔ ثابت ہوا کہ اللہ کے نبی کو "بشر" کہنے کی ابتداء شیطان نے کی ہے اور اللہ کے نبی کو بشر کہنا شیطان کا طریقہ ہے۔

''انبیائے کرام کو اپنے جیسا بشر کہنے والوں کو شیطان نے ہی یہ ذمہ داری دی ہے''

جب شیطان تعظیم نبی کا منکر ہو کر مردود ہوا تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہوئے جو کہا اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ

" قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا " ○

(پارہ: ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۶۲)

ترجمہ:- ''بولا دیکھ تو جو یہ تو نے مجھ سے معزز رکھا اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو ضرور میں اس کی اولاد کو پیس ڈالوں گا مگر تھوڑا۔''

(کنز الایمان)

یعنی شیطان نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے اللہ تو نے حضرت آدم کو مجھ سے معزز یعنی زیادہ عزت والا بنایا اور اس کو سجدہ کرا کر مجھ پر فضیلت دی اور معزز کیا لیکن اگر تو نے مجھے قیامت تک کی مہلت دی تو میں آدم کی اولاد کو گمراہ کروں گا اور پیس کر رکھ دوں گا۔ شیطان کو معلوم ہو چکا تھا کہ میری لاکھوں لاکھوں سال کی عبادت رائیگاں گئی ہے اور جنت کے خزانے، زمین اور پہلے آسمان کی بادشاہت مجھ سے چھین لئے گئے ہیں میرا راندا ماندا اور مردود بننا، قیامت تک کے لیے میری گردن میں لعنت کا طوق پڑنا یہ سب حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو ایک سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ہوا ہے میری ان تمام سزاؤں کا سبب

حضرت آدم ہیں۔ لہٰذا میں بھی انتقام لے کر رہوں گا۔ حضرت آدم کی اولاد کو گمراہ کر کے، ان کے ایمان چھین کر ان کو گمراہیت کی چکی میں پیس کر رکھ دوں گا۔ حضرت آدم کو تعظیم کا سجدہ نہ کر کے میں دوزخ اور عذاب کا مستحق ہوا ہوں، لہٰذا اس سزا کا بدلہ لیتے ہوئے حضرت آدم کی اولاد کے بے شمار لوگوں کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جاؤں گا۔

تمام انسان کے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور تمام انسان حضرت آدم کی ذریت یعنی اولاد ہیں۔ شیطان کے دل میں حضرت آدم سے انتقام لینے کی آگ شعلہ زن ہے لہٰذا وہ بنی آدم (انسان) کو اپنے ہتھکنڈوں سے گمراہ کرتا رہتا ہے۔ شیطان یہ بات کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا کہ میری تباہی اور بربادی کا سبب حضرت آدم کی تعظیم سے انکار کرنا اور ان کو بشر کہنا ہے۔ میں نے صرف ایک مرتبہ ہی حضرت آدم کو بشر کہا تو میری لاکھوں برس کی عبادت اور ساتھ میں میرا ایمان بھی ضائع و برباد ہو گیا۔ تو اگر میں اولاد آدم یعنی انسانوں کو بھی نبی کو بشر کہنے کی ذہنیت دے دوں، تو ان کی عبادت کی بساط کتنی ہے؟ بیس سو، پچاس یا پانچ سو برس کی عبادت ہوگی۔ میں نے تو اللہ کے نبی کو صرف ایک مرتبہ صرف "بشر" کہا ہے۔ آدم کی اولاد کو نبی کو بشر کہنے کی تسبیح پڑھا دوں۔ بلکہ "اپنے جیسا بشر" کہلوا دوں۔ صرف کہلوا کر ہی دم نہ لوں بلکہ ان سے کتابیں لکھوا دوں تاکہ پل بھر میں ان کے ایمان تباہ و برباد ہو جائیں۔ ہر زمانے اور ہر مقام کے لوگوں کو نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے کی ذہنیت دے دوں اور ان کے ایمان چھین کر ان کو جہنم میں دھکیل کر اپنا بدلہ لے لوں۔

چنانچہ ہر زمانہ اور ہر مقام کے لوگوں کو شیطان نے انبیائے کرام کو ⊙ بشر ⊙ اپنے جیسا بشر ⊙ تمہارے جیسا بشر ⊙ عاجز بندے ⊙ ہمارے بڑے بھائی وغیرہ کہنے کی ذہنیت دی اور ان کو گمراہ کیا، ان کے ایمان چھینے، ان کے عمل برباد کیے، ان کو جنت سے محروم کیا اور جہنم کے حقدار بنا دیے۔

''انبیائے کرام کے خلاف کی جانے والی ہر سازش میں شیطان شریک ہوتا ہے''

اوراق سابقہ میں سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر۳ "لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوا هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کی تلاوت کا ہم نے شرف حاصل کیا ہے۔اس کا ترجمہ یہ ہے ''ان کے دل کھیل میں پڑے ہیں۔اور ظالموں نے آپس میں خفیہ مشورت کی کہ یہ کون ہیں ایک تم ہی جیسے آدمی تو ہیں۔'' (کنزالایمان)

اس آیت شریف میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ کفار اور مشرکین خفیہ مشورت کرتے ہیں یعنی Secret Meeting کرتے ہیں اور اس میٹنگ میں نبی کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ان کی عظمت وشان گھٹانے کی سازش کرتے ہیں۔اس میٹنگ میں شیطان بھی شامل ہوتا ہے اور میٹنگ میں شریک ہونے والے نمائندوں کو نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے کی ترغیب اور ذہنیت دیتا ہے۔

شیطان لعین کے ہتھکنڈے اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ اچھے اچھے اس کے دام فریب میں پھنس کر اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔خصوصاً انبیائے کرام کی عظمت گھٹانے اور ان کی توہین وتنقیص کے معاملہ میں شیطان ہمیشہ پیش پیش رہتا ہے اور اپنے مشورے دیتا ہے۔جیسا کہ:-

⦿ دارالندوہ کی میٹنگ میں شیطان بصورت شیخ نجدی حاضر تھا:-

حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذ اللہ شہید کرنے کی سازش کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے کفار مکہ نے ''دارالندوہ'' نام کے کمیٹی گھر میں ایک میٹنگ کا انعقاد کیا

اور کفار قریش کے ہر قبیلہ کے سردار اور دانشمند برائے مشورہ جمع ہوئے تھے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ:۔

"وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ؕ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ"
(پارہ:۹، سورۃ الانفال، آیت:۳۰)
ترجمہ:۔ "اور اے محبوب! یاد کرو، جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے۔ اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔" (کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ:۔

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کفار قریش دار الندوہ (کمیٹی گھر) میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت مشورہ کرنے کے لیے جمع ہوئے اور ابلیس لعین ایک بڈھے کی صورت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں شیخ نجد ہوں۔ مجھے تمہارے اس اجتماع کی اطلاع ہوئی تو میں آیا ہوں۔ مجھ سے کچھ نہ چھپانا۔ میں تمہارا رفیق ہوں اور اس معاملہ میں بہتر رائے سے تمہاری مدد کروں گا۔ انہوں نے اس کو شامل کر لیا اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق رائے زنی شروع ہوئی۔

ابوالبختری نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو پکڑ کر ایک مکان میں قید کر دو اور مضبوط بندشوں سے باندھ دو اور دروازہ بند کر دو۔ صرف ایک سوراخ چھوڑ دو جس سے کبھی کبھی کھانا پانی دیا جائے اور وہیں وہ ہلاک ہو کر رہ جائیں۔ اس پر شیطان لعین جو شیخ نجدی بنا ہوا تھا۔ بہت ناخوش ہوا اور کہا کہ نہایت ناقص رائے ہے۔ یہ خبر مشہور ہوگی اور ان کے اصحاب آئیں گے [illegible] سے چھڑا لیں

گے۔لوگوں نے کہا شیخ نجدی ٹھیک کہتا ہے۔

پھر ہشام بن عمرو کھڑا ہوا۔اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ان کو (یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو) اونٹ پر سوار کر کے اپنے شہر سے نکال دو۔ پھر وہ جو کچھ بھی کریں اس سے تمہیں کوئی ضرر نہیں۔ ابلیس نے اس رائے کو بھی ناپسند کیا اور کہا کہ جس شخص نے تمہارے ہوش اُڑا دیے ہیں اور تمہارے دانشمندوں کو حیران بنا دیا ہے اس کو تم دوسروں کی طرف بھیجتے ہو؟ تم نے اس کی شیریں زبانی اور سیف کلامی اور دلکشی نہیں دیکھی ہے؟ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ دوسری قوم کے قلوب کو تسخیر کر کے ان لوگوں کو ساتھ لے کر تم پر چڑھائی کر دیں گے۔اس پر اہل مجمع نے کہا کہ شیخ نجدی کی رائے ٹھیک ہے۔

اس پر ابوجہل کھڑا ہوا اور اس نے اپنی رائے دی کہ قریش کے ہر خاندان سے ایک ایک عالی نسب جوان منتخب کیا جائے اور ان کو تیز تلواریں دی جائیں۔ وہ سب یکبارگی حضرت پر حملہ آور ہو کر قتل کر دیں تو بنی ہاشم قریش کے تمام قبائل سے نہ لڑ سکیں گے۔ غایت یہ ہے کہ خون کا معاوضہ دینا پڑے گا وہ دے دیا جائے گا۔ ابلیس نے اس تجویز کو پسند کیا اور ابوجہل کی بہت تعریف کی اور اسی رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ گزارش کیا اور عرض کیا کہ حضور اپنی خواب گاہ میں شب کو نہ رہیں اور اللہ تعالیٰ نے اِذن دیا ہے کہ مدینہ طیبہ کا عزم فرمائیں۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب میں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔ (حوالہ تفسیر خزائن العرفان: ۳۲۵)

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے خلاف کی جانے والی سازش میں ابلیس لعین ضرور شریک ہوتا ہے اور اپنے مشورے پیش کرتا ہے اور لوگوں کے ایمان برباد کرتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان کسی قوم کو اخلاق سے گرے ہوئے افعال قبیح میں ملوث کر دیتا ہے۔ مثلاً:-

⊙ قوم لوط کو لواطت کا فعل قبیح شیطان نے سکھایا ہے:-

لواطت (Sodomy) کی قباحت اور نحوست سے دنیا کے تمام انسان انجان و بے خبر تھے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مرد اپنی شہوت کسی مرد کے ساتھ بدفعلی کرکے پوری کرے۔ دنیا میں لواطت کی ابتداء قوم لوط نے کی ہے۔ قوم لوط سے پہلے کسی نے بھی لواطت کی بدفعلی نہیں کی تھی۔

قرآن مجید میں ہے کہ:-

"وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ⊙ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ"
(پارہ: ۸، سورۃ الاعراف، آیت: ۸۰و۸۱)
ترجمہ:- "اور لوط کو بھیجا، جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا وہ بے حیائی کرتے ہو، جو تم سے پہلے جہان میں کسی نے نہ کی ⊙ تم تو مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر، بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے۔" (کنز الایمان)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ لواطت کی بے حیائی قوم لوط سے پہلے کسی نے نہ کی تھی۔ لواطت کی ابتداء قوم لوط نے کی ہے۔ اور قوم لوط کو لواطت کرنا شیطان نے سکھایا ہے۔ شیطان نے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کو لواطت کس طرح سکھائی؟ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

"حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام بن ہاران بن تارخ رشتہ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھتیجے تھے۔ یہ حضرات "عراق" (Iraq) کے شہر بابل کے باشندے تھے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ ... Pala ...

تشریف لے گئے اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام ملک شام (Syria) کے شہر "اُردن" (Jorden) میں مقیم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرما کر "سدوم" والوں کی ہدایت کے لیے بھیجا۔

شہر سدوم نہایت ہی آباد، سرسبز و آباد تھا۔ وہاں طرح طرح کے اناج، پھل اور میوے بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ نیز وہاں کی آب و ہوا بھی فرحت بخش تھی۔ شہر سدوم کی خوشحالی اور زرخیزی کی وجہ سے قرب و جوار کے لوگ وہاں سیر و تفریح کے لیے گاہے گاہے آیا کرتے تھے اور اپنے پہچان کے لوگوں یا رشتہ داروں کے یہاں مہمان بن کر ٹھہرتے تھے۔ ہر گھر میں روزانہ کوئی نہ کوئی مہمان ضرور ہوتا تھا۔ شہر کے لوگوں کو بحیثیت میزبان مہمانوں کی خاطر تواضع اور مہمان نوازی کا بوجھ اُٹھانا پڑتا تھا اور مہمانوں کی خدمت میں ان کا کافی مال اور وقت صرف ہوتا تھا۔ روز بروز مہمانوں کی آمد اور ان کی مہمان نوازی سے لوگ کبیدہ خاطر اور تنگ ہو چکے تھے لیکن مہمانوں کی بکثرت آمد کا غیر منقطع سلسلہ جاری تھا۔ لیکن اخلاقی طور و اطوار اور سماجی مراسم کا لحاظ کرتے ہوئے بادلِ ناخواستہ بھی وہ مہمانوں کو "خوش آمدید" کہہ کر حتی الامکان اور حسب استطاعت ان کی خاطر داری کرتے تھے۔

ایک عرصۂ دراز تک مہمانوں کی خاطر داری کرتے کرتے شہر سدوم کے باشندے اُکتا گئے تھے اور اب مہمانوں کو آنے سے روکنے کی کوئی تدبیر اور صورت تلاش کرتے تھے۔ ایسے ماحول میں شیخ نجدی یعنی ابلیس لعین شہر سدوم میں ایک بوڑھے شخص کی صورت میں نمودار ہوا اور میزبان لوگوں کو جمع کر کے ان کو مشورہ دیا کہ اگر واقعی تم مہمانوں سے تنگ آئے ہوئے مہمانوں کی آمد سے پریشان ہو اور اس پریشانی سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو میں تم کو ایک آسان تدبیر بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب بھی تمہارے یہاں کوئی مہمان آ کر ٹھہرے تو تم اس کے ساتھ زبردستی بدفعلی کرو۔ ایک مرتبہ تمہاری اس حرکت کا تجربہ کرنے والا پھر کبھی تمہارے یہاں آنے کی جرأت و ہمت نہیں کرے گا۔ اور رفتہ رفتہ یہ بات پھیل جائے گی کہ تمہاری بستی میں آنے والے مہمان کی جبرا "عصمت دری" ہوتی ہے۔ تو پھر لوگ تمہارے یہاں آتے ہوئے جھجک محسوس کریں گے لیکن اپنی عزت لٹ جانے کے خوف سے تمہاری بستی میں

پاؤں تک نہیں رکھیں گے۔

چنانچہ ابلیس لعین سب سے پہلے ایک خوبصورت لڑکے کی شکل میں مہمان بن کر شہر سدوم کی بستی میں آیا اور بستی والوں سے خوب بدفعلی کرائی۔ خود مفعول بن کر بستی والوں کو لواطت کا فعل قبیح سکھایا اور رفتہ رفتہ بستی والے اس بے حیائی کے کام کے اس قدر عادی بن گئے کہ اپنی عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی شہوت پوری کرنے لگے۔"

حوالہ:- (۱) تفسیر روح البیان، جلد:۳، ص:۱۹۷

(۲) تفسیر خزائن العرفان، ص:۲۸۹

(۳) صاوی، جلد:۲، ص:۷۵ اور

(۴) عجائب القرآن، ص:۱۲۷

شیطان نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد یعنی نوع انسانی کے ایمان اور اخلاق تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی بلکہ ان کو ذاتی اور مالی مفاد کی طمع اور لالچ میں لپیٹ کر گمراہیت اور ضلالت کی گہری ندی میں غرق کر دیا۔ الحتصر! شیطان ناصح اور ہمدرد کی صورت اختیار کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایسے ایسے مضر اور مہلک مشورے دے کر ان کو کفری ذہنیت سکھاتا ہے۔ اور نبی کو بشر کہنے کی ذہنیت بھی ابلیس کا اختراع ہے۔ کفار، مشرکین اور منافقین کو انبیائے کرام سے منحرف کرنے کے لیے اس نے ان کو یہ ذہنیت دی کہ یہ تو "ہمارے تمہارے جیسے بشر" ہیں۔ شیطان کے اس دام فریب کا شکار بن کر ہر دور کے کفار اور مشرکین نے اپنے اپنے نبی کو اپنے جیسا بشر کہا۔

لہٰذا ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ:-

- شیطان کے بہکاوے میں آ کر کافروں، مشرکوں، یہودیوں، عیسائیوں اور منافقوں نے ہی نبی کو "بشر" یا "اپنے جیسا بشر" کہا ہے۔
- کسی بھی نبی کے کسی بھی مومن امتی نے اپنے نبی کو اپنے جیسا "بشر" نہیں کہا۔ صرف کفار امتی نے ہی اپنے نبی کو "بشر" یا "اپنے جیسا بشر" کہا ہے۔

⊙ سب سے پہلے نبی کو بشر کہہ کر کافر ہونے والا ابلیس لعین تھا اور ابلیس لعین کے نقش قدم پر چل کر ہر زمانہ کے کافروں نے اپنے نبی کو "بشر" یا "اپنے جیسا بشر" کہا ہے۔

⊙ جنہوں نے نبی کو بطور توہین "بشر" کہا ہے وہ ایمان و ہدایت سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔

اب ہم ہماری گفتگو کے اہم مقام پر آ پہنچے ہیں۔ یعنی قرآن مجید کی آیت کریمہ **قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** یعنی "تم فرماؤ، آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں۔" اس آیت کو دلیل بنا کر دورِ حاضر کے منافقین نے ایک عظیم فتنہ برپا کر رکھا ہے۔ لہٰذا اس آیت کے ضمن میں دورِ حاضر کے منافقین کے اقوال، نظریات، اعتقاد وغیرہ کا جائزہ لے کر ان کے عقائد باطلہ و نظریات فاسدہ کا رد بلیغ، اس آیت کریمہ کی صحیح ترجمانی و تفسیر، اس آیت کے ہر لفظ کی وضاحت، اس آیت میں پوشیدہ اسرار، رموز و حکمت کا انکشاف، عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نازل شدہ اس آیت کی صحیح تفہیم اور دورِ حاضر کے منافقین اس آیت سے غلط مفہوم استدلال کر کے من گھڑت معنی اخذ کر کے جو غلط فہمی پھیلاتے ہیں اس کی نشاندہی کرتے ہوئے قرآن و احادیث کے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے اگلے صفحات میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ یک سوئی سے اِن اوراق کا بہ نظر عمیق مطالعہ فرمائیں۔

"قرآن شریف میں حضورِ اقدس ﷺ کے لیے "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" کا ارشادِ خداوندی کیوں نازل ہوا ہے؟"

زمانہ ماضی کے کفار و مشرکین کے نقش قدم پر چل کر دورِ حاضر کے منافقین بھی حضورِ اقدس رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "اپنے جیسا بشر" کہتے اور لکھتے ہیں۔ شانِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توہین و تنقیص کی فاسد غرض وارادے سے ان کو "بشر" ہی نہیں بلکہ اپنے جیسا بشر کہہ کر "بڑا بھائی" اور "عاجز بندہ" کہنے تک کی جرأت و دلیری کرتے ہیں اور اپنے اس دعویٰ کو مناسب و راست ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیت کریمہ "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "اپنے جیسا بشر" کہتے ہیں، وہ اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ قرآن کی اس آیت کے ضمن میں کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس کو حکم فرمایا ہے کہ تم کہہ دو کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ اور حضورِ اقدس نے خود اپنے کو ہمارے جیسا بشر کہا ہے۔ تو ہم جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ قرآن کی روشنی و تعلیم سے کہتے ہیں۔ ہم قرآن مجید کی آیت کے جملے نقل کرتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی توہین نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت کا اظہار ہے۔

دورِ حاضر کے منافقین کی مندرجہ بالا وضاحت کے دامِ فریب میں بھولے بھالے مؤمن

پھنس جاتے ہیں اور ان کی "ہاں" میں "ہاں" ملا کر ان کی اندھی تقلید کرتے ہوئے بے سمجھے بوجھے ان کی بات تسلیم کر لیتے ہیں۔ لہذا سب سے پہلے ہم اس آیت کریمہ کی صحیح تفہیم حاصل کرنے کی سعی و کوشش کریں۔

⊙ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ"
(۱) پارہ:۲۴، سورہ حٰم سجدہ، آیت:۶ (۲) پارہ:۱۶، سورۃ الکھف، آیت:۱۱۰
ترجمہ:- "تم فرماؤ، آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں۔ مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔" (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ کو دلیل بنا کر دور حاضر کے منافقین بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں اور حضور اقدس کو اپنے جیسا بشر کہہ کر:-

⊙ علم غیب نبی کا انکار کرتے ہیں۔

⊙ حضور اقدس کو اپنے جیسا بشر، عاجز بندہ، بڑے بھائی، وغیرہ کہتے ہیں۔

⊙ کہتے ہیں: "مر کے مٹی میں مل گئے اور ہماری فریاد و پکار نہیں سن سکتے۔"

⊙ ان کو کسی قسم کا تصرف واختیار نہیں۔ وغیرہ

الغرض! اس قسم کے نازیبا اور توہین آمیز کلمات کہنے کے لیے قرآن مجید کی مرقوم آیت کریمہ کے غلط مفاہیم اخذ کرتے ہیں اور گمراہیت و بے دینی پھیلاتے ہیں۔

اب ہم اس آیت کریمہ کے ضمن میں اپنی بحث کا آغاز کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ:-

(۱) اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر کیوں کہا گیا ہے؟

(۲) حضور اقدس کو بشر کہنے میں کیا راز اور حکمت ہے؟

(۳) اس آیت میں [illegible] یعنی مخاطب کون ہیں؟

(۴) اس آیت کے الفاظ، جملہ کی بندش، کلام کی فصاحت و بلاغت وغیرہ سے کیا مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے؟

(۵) اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا عظمت ظاہر فرمائی گئی ہے؟

(۶) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر کہنے کے متعلق شریعت میں کیا حکم ہے؟

(۷) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بشر ہونے میں اور ہمارے بشر ہونے میں کیا فرق ہے؟

(۸) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے بشر تھے؟ اور آپ کی بشریت کیسی تھی؟

ان تمام سوالات کے مدلل اور اطمینان بخش جوابات ہم قرآن و حدیث سے اپنی استطاعت کے مطابق پیش کریں گے۔ امید ہے کہ قارئین کرام انشاءاللہ ضرور مطمئن ہوں گے۔

⊙ انبیائے سابقین کو بشر کہنے والوں نے انبیائے کرام سے معجزات طلب کیے تھے:

دور حاضر کے منافقین اور زمانہ ماضی کے کفار و مشرکین کے عقائد و نظریات میں یکسانیت اور یکجہتی ہے۔ اس حقیقت کے ثبوت میں قرآن کی روشن آیات شاہد و دلیل ہیں۔ مضمون و عنوان کا ربط و تسلسل برقرار رکھنے کے لیے قارئین کرام اوراق سابقہ میں تلاوت کردہ سورۂ ابراہیم کی آیات نمبر ۱۰ اور ۱۱ کی طرف پھر ایک مرتبہ رجوع فرمائیں۔

سورۂ ابراہیم میں ہے کہ:-

"قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ"

(پارہ ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت ۱۰)

ترجمہ:- "بولے تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو، تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے باز رکھو جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے

آ ؤ۔" (کنزالایمان)

اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جب انبیاء سابقین نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو توحید کا پیغام دیتے ہوئے کفر اور شرک کی باتوں سے روکا۔ تو قوم کے سرکشوں نے انبیائے کرام کی بات کو جھٹلانے کے ارادہ سے انہیں بشر کہا اور مزید یہ کہا کہ "فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ" یعنی "اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے آؤ" یعنی ہمیں کوئی معجزہ دکھاؤ۔ کفار و مشرکین نے انبیائے کرام کو معجزہ دکھانے کا جو چیلنج (Challenge) دیا تھا وہ بغض وعناد کے جذبے کے تحت جھگڑا کرنے اور تماشا کھڑا کرنے کے انداز میں دیا تھا۔ انبیائے کرام نے ایسے اوباش لوگوں سے منہ لگنا مناسب نہ جانا اور "وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا" پر عمل کرتے ہوئے بات کو طول نہ دیا۔ اور ان کے سوال کے انداز کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا کہ:-

"قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ" (پارہ:۱۳، سورۂ ابراہیم آیت:۱۱)

ترجمہ:- "ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔" (کنزالایمان)

انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت عطا فرمایا تھا۔ یعنی علم و دانائی عطا فرمایا تھا۔ علم و دانش میں وہ حضرات اپنی مثال آپ تھے۔ حالات کی سنگینی، وقت کا تقاضا، مخاطب کی صلاحیت، عوام کی عقلی بساط، لوگوں کی قوت تحمل، مخالفین کے تیور، موافقین کی تائید، وغیرہ امور میں وہ دُور رس نگاہ رکھتے تھے۔ مخالفین نے انبیائے کرام کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ان سے معجزہ طلب کیا، تو انبیائے کرام نے ان کی فہمائش پر مشتمل ہوئے بغیر ضبط و تحمل سے کام لیا۔ جوابانہ طرز عمل اختیار کر کے آستینیں نہ چڑھائیں کہ ارے! ہم سے کوئی سند یعنی معجزہ مانگتے ہو، ہم ابھی معجزہ دکھا دیتے ہیں۔ بلکہ حکمت عملی سے کام لیا۔ کفار و مشرکین کو ایسا جواب دیا کہ اگر ان میں ذرہ برابر بھی فہم و دانش ہوتی، تو سمجھ جاتے کہ ہم کو دنداں شکن جواب دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان سرکشوں نے انبیائے کرام سے یہ کہا تھا کہ تم ہماری طرح بشر ہو۔ انبیائے کرام نے ان کو ان کی

عقل کی بساط کے مطابق جواب مرحمت فرمایا کہ اے لوگو! تم ہم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہو، تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ہاں! ہاں!" اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ "یعنی" ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان" لیکن ہماری ظاہری صورت کی مساوات سے دھوکہ کھا کر ہمیں حقیقت میں اپنے جیسا گمان مت کرو کیونکہ" وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ "یعنی" مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے" یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو نبوت کی فضیلت اور معجزات وتصرفات کے اختیارات سے سرفراز فرما کر انہیں عام انسانوں سے ممتاز بناتا ہے۔

انبیائے کرام کا یہ جواب ایسا جامع ومانع تھا کہ مخالفین کے" بَشَرٌ مِّثْلُنَا" کے اعتراض کا رد بلیغ اور مُسکِت جواب تھا۔ اور اشارہ وکنایہ میں فرمادیا تھا کہ تم ہم سے معجزہ طلب کرتے ہو لیکن اللہ کے فضل وکرم سے ہم معجزہ دکھا سکتے ہیں لیکن اس وقت تمہارے کہنے پر معجزہ دکھانا ہم مناسب نہیں سمجھتے۔ البتہ جب ضرورت محسوس ہوگی تب ہم معجزات دکھائیں گے اور حسب وعدہ انبیائے کرام سے عظیم معجزات صادر ہوئے مثلاً:۔

- حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہاڑ کی چٹان کی طرف اشارہ کر کے چٹان سے زندہ اونٹنی نمودار کردی، جو نہایت خوبصورت، بلند قامت اور حسین تھی۔

(تفصیل کے لیے: پارہ:۸، سورۃ الاعراف: آیت ۷۳، تا ۷۹)

- حضرت حزقیل (ذوالکفل) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے بنی اسرائیل کے ستر ہزار مردہ آدمی پھر زندہ ہو کر اپنی بستی میں آ کر آباد ہو گئے۔

(تفصیل کے لیے: پارہ:۲، سورۃ البقرہ: آیت:۲۴۳)

- حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار پرندے ذبح کر کے ان کا قیمہ بنا کر آپس میں ملا دیا پھر ان پرندوں کو پکارا تو وہ تمام پرندے زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ (تفصیل کے لیے: پارہ:۳، سورۃ البقرہ، آیت:۲۶۰)

- حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہ کر پھر زندہ باہر تشریف لائے۔ (تفصیل کے لیے پارہ:۲۳، سورۃ الصّٰفّٰت، آیت:۱۳۹ تا ۱۴۶)

⊙ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ کی لکڑی (لاٹھی) اژدھا بن جاتی تھی۔ نیز آپ کا ہاتھ (دست مبارک) سورج کی طرح روشن ہوتا تھا۔
(تفصیل کے لیے: پارہ ۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۸ تا ۲۲)

⊙ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سخت لوہے کو ہاتھ میں لیتے تھے تو وہ لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ علاوہ ازیں آپ تمام پرندوں کی بولیاں جانتے تھے۔
(تفصیل کے لیے: پارہ ۱۹، سورۂ النمل، آیت ۱۵)

⊙ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جانوروں اور پرندوں کی بولی کا علم تھا۔ علاوہ ازیں آپ کی حکومت انسانوں اور جناتوں پر تھی۔ نیز ہوا آپ کے زیر تصرف تھی۔
(تفصیل کے لیے: پارہ ۱۹، سورۂ النمل، آیت ۱۵ تا ۱۷)

⊙ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عصمت کی گواہی دینے کے لیے چار مہینے کے بچے کو بولتا کیا۔ (تفصیل کے لیے: پارہ ۱۲، سورۂ یوسف، آیت ۲۶)

مذکورہ ان معجزات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے مقدس انبیائے کرام نے بے شمار معجزات کا ظہور فرمایا ہے۔ جن کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ ہم نے چند معجزات کی طرف صرف اشارہ کر دیا ہے لیکن ناظرین کی طبع خاطر کے لیے اللہ تعالیٰ کے دو برگزیدہ رسول کے معجزات کو قدرے تفصیل سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

⊙ حضرت سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات:-

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے کثیر تعداد میں معجزات کا ظہور ہوا ہے۔ جن میں سے چند معجزات حسب ذیل ہیں:-

⊙ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عالم شیر خواری میں کلام کیا اور اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔ (تفصیل کے لیے: پارہ ۱۶، سورۂ مریم، آیت ۳۰)

⊙ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مٹی سے پرند کی صورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ واقعی زندہ پرند ہو کر اڑنے لگتا تھا۔ علاوہ ازیں آپ مادر زاد اندھے

اور سفید داغ والے مریضوں کو پل بھر میں بینا اور اچھا کر دیتے تھے۔ آپ کے صرف ہاتھ پھیر دینے سے روزانہ ہزاروں مریض شفایاب ہوتے تھے۔

(تفصیل کے لیے: پارہ:۷، سورۃ المائدہ، آیت:۱۱۰)

⊙ آپ مردوں کو "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ" کہہ کر زندہ فرما دیتے تھے علاوہ ازیں لوگ اپنے گھروں میں جو کچھ کھاتے تھے اور جمع کرتے تھے وہ آپ بتا دیتے تھے۔

(تفصیل کے لیے: پارہ:۳، سورۃ آل عمران، آیت:۴۹)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے کہ:۔

"اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ"

(پارہ:۳، سورۃ آل عمران، آیت:۴۹)

ترجمہ:۔ "میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے۔ اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مُردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو۔" (کنز الایمان)

⊙ ## حضرت عزیر بن شرخیا علیہ الصلوٰۃ والسلام:۔

حضرت عزیر بن شرخیا علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کے ایک نبی ہیں۔ آپ کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے تقریباً چھ سو سال پہلے تھا۔

جب قوم بنی اسرائیل کی بداعمالیاں بہت زیادہ بڑھ گئیں تو ان پر خدا کی طرف سے یہ عذاب آیا کہ بخت نصر بابلی نام کے ایک کافر بادشاہ نے بہت بڑی فوج کے ساتھ بیت

المقدس پر حملہ کر دیا اور شہر کے ایک لاکھ باشندوں کو قتل کر دیا۔ ایک لاکھ آدمیوں کو ملک شام میں اِدھر اُدھر بکھیر دیا اور ایک لاکھ آدمیوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انہیں قیدیوں میں تھے۔ بخت نصر بابلی بادشاہ نے بیت المقدس شہر کو توڑ پھوڑ کر مسمار کر دیا اور پورے شہر کو ویرانہ بنا کر ایک لاکھ قیدیوں کو اپنے ہمراہ لے کر چلا گیا۔

حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی طرح سے بخت نصر بادشاہ کی قید سے رہا ہو کر بھاگ نکلے اور اپنے دراز گوش (گدھے) پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے۔ شہر میں داخل ہو کر آپ نے اپنے شہر کی ویرانی اور بربادی دیکھی تو آپ کا دل بھر آیا اور آپ رونے لگے۔ اس وقت شہر کی حالت یہ تھی کہ عالی شان مکان ویران پڑے ہوئے ہیں، درختوں پر خوب کثرت سے پھل آئے ہوئے ہیں، جو پک چکے ہیں لیکن ان پھلوں کو توڑنے والا نہیں۔ آپ نے پورے شہر کا گشت فرمایا لیکن آپ کو کسی انسان کی صورت نظر نہ آئی۔ یہ منظر دیکھ کر نہایت ہی حسرت وافسوس کے ساتھ آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ نکل پڑا کہ **"اَنّٰی یُحْیٖی ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا"** یعنی اسے کیوں کر جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد۔"

پھر آپ نے کچھ کھجوریں اور انگور تناول فرمائے اور انگور کا شیرہ نوش فرمایا اور اپنے توشہ دان میں انگور کا شیرہ بھر لیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے گدھے کو مضبوط رسّی سے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور آپ درخت کے نیچے سو گئے اور نیند کی حالت ہی میں آپ کی وفات ہو گئی۔ آپ کی وفات کے ستر (۷۰) سال کے بعد ملک فارس (Iran) کا ایک بادشاہ بیت المقدس آیا اور اس نے بیت المقدس شہر کو پہلے سے بھی زیادہ بارونق اور آباد بنایا۔ جو بنی اسرائیل اطراف کے علاقوں میں بکھرے ہوئے تھے انہیں بلا بلا کر بیت المقدس میں بسائے اور ان لوگوں نے نئی نئی عمارتیں اور باغات لگا کر شہر کو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور بارونق بنا دیا۔ اس طرح تیس برس کا مزید عرصہ گزرا یعنی حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کو پورے ایک سو (۱۰۰) سال کا عرصہ گزر گیا۔ جب آپ کی وفات کو پورے ایک سو سال ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ زندہ فرمایا۔ آپ کی آنکھوں میں سب سے پہلے جان آئی اور باقی جسم مردہ تھا۔ آپ کے دیکھتے دیکھتے ہی آہستہ آہستہ آپ کے جسم میں جان

پڑی اور آپ زندہ ہو گئے۔ اس وقت آفتاب غروب ہونے کے قریب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ اے عزیر! تم یہاں کتنا ٹھہرے؟ آپ جب سوئے تھے تب صبح کا وقت تھا اور جب زندہ ہوئے تب شام کا وقت تھا لہٰذا آپ نے یہ گمان کیا کہ یہ اسی دن کی شام ہے جس دن میں سویا ہوں۔ لہٰذا آپ نے جواب دیا کہ میں ایک دن یا ایک دن سے کم ٹھہرا ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ تم ایک سو برس ٹھہرے ہو۔ پھر وحی ہوئی کہ اے عزیر! اب تم ہماری قدرت کا نظارہ کرنے کے لیے ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ اس کی ہڈیاں بھی سڑ گل کر بکھر چکی ہیں اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ ان میں کوئی خرابی اور بگاڑ پیدا نہیں ہوا ہے۔

حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گدھے کو دیکھا تو گدھا مر کر اور سڑ کر اس کی سفید سفید ہڈیاں ادھر ادھر بکھری پڑی ہیں لیکن توشہ دان میں رکھا ہوا انگور کا شیرہ بالکل تر و تازہ ہے اور اس میں کسی قسم کی خرابی یا بدبو پیدا نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر اور داڑھی مبارک کے بال بھی بالکل سیاہ تھے۔ اور آپ کی عمر شریف بھی وہی چالیس (۴۰) برس کی اب بھی تھی۔ جب آپ سوئے تھے تب آپ کی عمر شریف چالیس برس کی تھی۔

پھر آپ پر وحی نازل ہوئی کہ اے عزیر! اب تم دیکھو کہ ہم کس طرح مُردوں کو زندہ کرتے ہیں چنانچہ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملاحظہ فرمایا کہ گدھے کی بکھری ہوئی ہڈیوں میں اچانک حرکت پیدا ہوئی اور ایک دم میں تمام ہڈیاں جمع ہو کر اپنے اپنے جوڑ سے مل کر گدھے کا ڈھانچہ بن گیا اور لمحہ بھر میں اس ڈھانچے پر گوشت پوست بھی چڑھ گیا اور گدھا زندہ ہو کر ہنہنانے لگا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلند آواز سے کہا۔ "اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" یعنی "میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔"

قرآن مجید میں اس واقعہ کا بیان اس طرح ہے کہ:۔

"اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ

بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

(پارہ:۳، سورۃ البقرۃ، آیت:۲۵۹)

ترجمہ:۔ ''یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ ڈھئی (مسمار ہوئی) پڑی تھی اپنی چھتوں پر۔ بولا اسے کیوں کر جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد۔ تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو (۱۰۰) برس پھر زندہ کر دیا۔ فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا؟ عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم۔ فرمایا نہیں تجھے سو برس گزر گئے اور اپنے پانی اور کھانے کو دیکھ کہ اب تک بُو نہ لایا اور اپنے گدھے کو دیکھ کہ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں اور یہ اس لیے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کیوں کر ہم انہیں اٹھان دیتے پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا، بولا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔''

(کنز الایمان)

مختصر! حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام بعدۂ شہر کا دورہ فرماتے ہوئے اس محلے میں گئے جہاں پہلے آپ کا مکان تھا۔ آپ اپنے مکان پر گئے تو ایک اندھی اور اپاہج بوڑھی عورت مکان کے باہر بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ وہی بوڑھی عورت تھی۔ جس نے حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بچپن میں دیکھا تھا۔ حضرت عزیر نے اس بوڑھی عورت سے پوچھا کہ کیا یہ مکان حضرت عزیر بن شرخیا کا ہے؟ اس بوڑھیا نے کہا کہ ہاں لیکن تم کو عزیر بن شرخیا سے کیا واسطہ ہے؟ ان کا زمانہ تو ایک سو (۱۰۰) سال پہلے تھا۔ پھر وہ بڑھیا حضرت عزیر کو یاد کر کے رونے لگی۔ حضرت عزیر نے اس

بڑھیا سے فرمایا کہ میں ہی عزیر بن شرخیا ہوں۔ آپ کی بات سن کر بڑھیا کو بہت تعجب ہوا اور اس نے کہا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ان کو لاپتا ہوئے ایک عرصہ دراز گزر چکا ہے۔ حضرت عزیر نے بڑھیا سے فرمایا کہ اے مائی! میری بات کا بھروسہ کرو۔ واقعی میں عزیر بن شرخیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے سو (۱۰۰) برس مردہ رکھا۔ پھر زندہ فرمایا ہے اور اب میں اپنے گھر آیا ہوں۔ بڑھیا نے کہا کہ یہ بات ہے تو ٹھیک ہے لیکن حضرت عزیر بن شرخیا ایسے باکمال اور مستجاب الدعوات تھے کہ وہ جو بھی دعا کرتے تھے وہ فوراً قبول ہو جاتی تھی۔ اگر آپ واقعی حضرت عزیر بن شرخیا ہیں تو میرے حق میں دعا فرمائیں تاکہ میری آنکھوں کی روشنی واپس آ جائے اور میرا فالج دُور ہو جائے۔ حضرت عزیر نے دعا فرمائی تو وہ بڑھیا فوراً انکھیاری ہو گئی اور اس کا فالج کا مرض دُور ہو گیا اور وہ بالکل تندرست ہو گئی۔ پھر اس بڑھیا نے حضرت عزیر کو بغور دیکھا تو پہچان لیا اور کہا کہ میں شہادت دیتی ہوں کہ آپ یقیناً حضرت عزیر ہی ہیں۔

پھر وہ بڑھیا حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لے کر بنی اسرائیل کے محلے میں گئی۔ اتفاق سے اس وقت بنی اسرائیل کے لوگ ایک مجلس میں جمع تھے۔ اور اُسی مجلس میں آپ کا بیٹا بھی موجود تھا۔ جس کی عمر ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) سال کی تھی اور اُسی مجلس میں آپ کے چند پوتے بھی تھے۔ جن میں سے ایک پوتے کی عمر نوے (۹۰) سال کی تھی۔ بڑھیا نے مجلس میں جا کر اعلان کیا کہ اس وقت میرے ساتھ جو صاحب ہیں وہ حضرت عزیر بن شرخیا ہیں اور میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں لیکن کسی نے بھی بڑھیا کی بات پر اعتماد نہ کیا۔ اتنے میں حضرت عزیر کے صاحبزادے نے کہا کہ میرے والد محترم کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک کالے رنگ کا مسہ تھا جو چاند کی شکل کا تھا۔ چنانچہ آپ نے کرتہ اُتار کر دکھایا تو مسہ موجود تھا۔ پھر بھی کچھ لوگوں کو تردد ہوا اور کہا کہ یہ اتفاقیہ بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت عزیر کے متعلق ہم نے سنا ہے کہ ان کو توریت شریف زبانی یاد تھی۔ اگر یہ واقعی عزیر بن شرخیا ہیں تو توریت شریف زبانی پڑھ کر سنا دیں۔ لوگوں کی اس فرمائش ودرخواست پر حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلا کسی جھجک فوراً پوری توریت شریف زبانی پڑھ کر سنا دی۔

اب ایک سوال یہ [illegible] یت شریف پڑھ

کر سنائی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بخت نصر بادشاہ نے ایک سو(۱۰۰) سال پہلے جب بیت المقدس پر حملہ کیا تھا تب اس نے چالیس ہزار توریت کے عالموں کو چن چن کر قتل کر دیا تھا۔ اور توریت شریف کی تمام جلدیں جلا دی تھیں اور توریت کی ایک بھی جلد باقی نہ رکھی تھی۔ لہذا اب یہ سوال کھڑا ہوا کہ حضرت عزیر نے جو توریت شریف زبانی تلاوت فرمائی تھی اس کے صحیح ہونے کے ثبوت میں لکھی ہوئی توریت سے تقابل کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ اس وقت توریت شریف کا ایک بھی نسخہ دستیاب نہ تھا۔

اس گفتگو کے دوران ایک بوڑھے شخص نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ جس دن ہم لوگوں کو بخت نصر بادشاہ نے گرفتار کیا تھا۔ اس دن میرے دادا نے فلاں ویرانہ میں انگور کی فلاں جگہ والی بیل کی جڑ میں توریت کی ایک جلد دفن کر دی تھی۔ تم سب میرے ساتھ چلو، ہم اس جگہ کو کھود لیتے ہیں اور اگر توریت شریف کی جلد صحیح وسالم برآمد ہوئی تو ہم اس سے تقابل کر لیں گے اور حضرت عزیر کے پڑھے ہوئے کو مستند قرار دے دیں گے لہذا چند حضرات اس مقام پر گئے اور توریت شریف کھود کر نکالی اور اس نسخہ سے حضرت عزیر کے پڑھے ہوئے کو ملایا تو وہ حرف بہ حرف توریت شریف کے مطابق تھا۔

یہ عجیب وغریب اور حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر سب لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا بے شک یہی حضرت عزیر بن شرخیا علیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور بعض لوگوں نے حضرت عزیر کی عقیدت ومحبت میں غلو کرتے ہوئے یہاں تک کہنا شروع کیا کہ حضرت عزیر بن شرخیا یقیناً خدا کے بیٹے ہیں۔ (معاذ اللہ)

چنانچہ اسی دن سے یہ غلط اور مشرکانہ عقیدہ یہودیوں میں پھیل گیا کہ معاذ اللہ حضرت عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔ اور آج تک دنیا بھر کے یہودی اس باطل عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں۔

حوالہ:- (۱) تفسیر جمل علی الجلالین، جلد:۱، ص:۲۱۲ تا ۲۱۵

(۲) تفسیر خزائن العرفان، ص:۷۹

(۳) عجائب القرآن، ص:۳۹)

نوٹ :- حضرت عزیر علیہ الصلوۃ والسلام کو مدت نیند یعنی ایک سو(۱۰۰) سال تک

اللہ تعالیٰ نے درند، چرند، پرند، انسان اور جنات کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا تھا کہ اس مدت کے دوران آپ کو کوئی بھی دیکھ نہ سکا۔

اب ہم قرآن مجید کی آیت کریمہ "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کے ضمن میں ہماری بحث کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہاں پر حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے عظیم الشان معجزات کا تفصیلی تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ:۔

"یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا کہا"

حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما الصلوٰۃ والسلام کے مذکورہ بالا معجزات دیکھ کر لوگ اتنے زیادہ متاثر ہوئے کہ وہ ایسا ماننے لگے کہ انہوں نے جو کام کر دکھائے ہیں وہ کام کر دکھانا کسی بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔ ایسی طاقت، قدرت، قوت، تصرف اور اختیار کسی انسان کے لیے ممکن نہیں بلکہ کسی بھی انسان سے ایسے افعال و کمالات کا صادر ہونا محال وقطعاً ناممکن ہے۔ یہ کام خدائی طاقت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ خدا کے رشتہ دار ہوں اور خدا کے رشتہ دار یا ذریت ہونے کی وجہ سے ان میں ایسی طاقت وقدرت ہو۔ اس زعم باطل اور خیال فاسد کی بناء پر عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا کہنا اور ماننا شروع کر دیا۔ یہود و نصاریٰ کے اس باطل عقیدہ کا قرآن مجید میں رد بلیغ فرمایا گیا ہے:۔

"وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ِابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ"

(پارہ۔۱۰،سورۃ التوبہ،آیت:۳۰)

ترجمہ:۔''اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں۔اگلے کافروں کی سی بات بناتے ہیں۔اللہ انہیں مارے،کہاں اوندھے جاتے ہیں۔''

(کنزالایمان)

اس آیت میں حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے کی وجہ سے یہودی گمراہیت اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنے کی وجہ سے نصاریٰ کی گمراہیت کا ذکر ہے۔جب حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام سے معجزات دیکھ کر یہود و نصاریٰ ان کو خدا کا بیٹا کہنے لگے تو اللہ کے محبوب اعظم،سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ سے بھی عظیم معجزات ظاہر ہونے والے تھے۔تو جس طرح یہود و نصاریٰ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کے معجزات دیکھ کر ان کو خدا کا بیٹا کہنے لگے اور کھلم کھلا ارتکاب شرک کر کے اللہ کی توحید میں شرک کی آمیزش کرنے لگے۔لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عظیم معجزات دیکھ کر ان کو بھی کوئی خدا کا بیٹا یا خدا کا شریک کہہ کر شرک کی قباحت سے ملوث نہ ہو جائے اس لیے قرآن مجید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ''**قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ**'' تاکہ لوگ متنبہ ہو جائیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتنے ہی عظیم معجزات صادر ہوں پھر بھی وہ خدا کے بیٹے یا خدا کے شریک ہرگز نہیں بلکہ خدا کے بندے اور رسول ہی ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اے محبوب!تم فرما دو کہ انسان ہونے میں یعنی بندہ ہونے میں اور اللہ کا شریک نہ ہونے میں تو میں بھی تمہاری طرح ہوں۔اس حکم میں کیا کیا اسرار و رموز ہیں اور یہ حکم کیوں فرمایا گیا؟اس کی بحث قارئین کرام کی خدمت میں بالتفصیل پیش کرنے کے قبل قرآن مجید میں مذکور ایک واقعہ گوش گزار کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔یہ واقعہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نمرود بادشاہ کے درمیان جو مناظرہ ہوا تھا اس کے تعلق سے ہے۔یہ واقعہ بہت طویل ہے لیکن ہم اس

واقعے کو اختصاراً پیش خدمت کرتے ہیں:۔

”حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود کو للکارا کہ اگر تو خدا ہے تو سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کر کے دکھا“

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نمرود بن کنعان نام کے بادشاہ کی حکومت تھی۔ نمرود بن کنعان کی بادشاہت وسیع پیمانہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ بلکہ تفسیر کی کتابوں میں یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ ”تمام زمین کی سلطنت اسے عطا ہوئی تھی۔“ (تفسیر خزائن العرفان، ص:۷۷)

نمرود کو اپنی عظیم سلطنت کے غرور کا ایسا نشہ چڑھا کہ اس نے ”خدائی کا دعویٰ“ کر دیا اور لوگوں سے اپنی پرستش کرانے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود کو نصیحت وہدایت فرماتے ہوئے کہا کہ اے نمرود! خدائی کا دعویٰ چھوڑ دے اور اللہ رب العزت کی وحدانیت کا اقرار و اعتراف کر اور رب واحد کی عبادت کر۔ نمرود نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ”رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ“۔ یعنی ”میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے“ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے اس جواب کی اہمیت گھٹانے اور اپنی کمال جہالت وسفاہت کا اظہار کرتے ہوئے نمرود نے دو شخصوں کو اپنے دربار میں بلایا اور ان دونوں میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو زندہ چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ یعنی کسی کو گرفتار کر کے چھوڑ دینا یا قتل کر کے مارڈالنا میرے اختیار و قدرت میں ہے۔" حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میرا رب مردہ میں جان ڈال کر جلاتا ہے اور اس کو قدرتی طور پر موت دیتا ہے لیکن نمرود نے اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے جلانے سے مراد گرفتار کر کے چھوڑ دینا اور موت دینے سے مراد گرفتار شخص کو قتل کرنا لیا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود کی اس جاہلانہ اور وحشیانہ حرکت پر مناظرانہ طرز اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ "فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ" یعنی "اللہ سورج کو مشرق (پورب) سے لاتا ہے۔ تو اس کو مغرب (پچھم) سے لے آ" حضرت ابراہیم کی اس چیلنج کو سن کر نمرود کے ہوش و حواس اُڑ گئے۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح ہے کہ:۔

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ"

(پارہ:۳، سورۃ البقرہ، آیت:۲۵۸)

ترجمہ:۔ "اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا اُسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی جب کہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے۔ بولا میں جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے فرمایا کہ اللہ تو سورج کو لاتا ہے پورب (مشرق) سے تو اس کو پچھم (مغرب) سے لے آ۔ تو ہوش اُڑ گئے کافر کے"

(کنز الایمان)

اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود کو للکارتے ہوئے چیلنج دیا کہ اگر تو خدائی کے دعویٰ میں سچا ہے تو سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کر کے دکھا۔ اس پر نمرود کی حالت خراب ہوگئی اور اس کے اوسان خطا ہوگئے اور وہ اس فکر میں غرق ہوگیا کہ میرے سامنے سورج کو مغرب سے طلوع کر دکھانے کی چنوتی پیش کی گئی ہے اور مجھ سے ایسا کام کر دکھانے کا کہا گیا ہے کہ جس کام کے کر دکھانے کی مجھ میں طاقت و قوت نہیں بلکہ کسی انسان میں یہ قدرت نہیں کیونکہ سورج کو طلوع و غروب کرنے کی قدرت صرف اللہ رب العزت کی ہی قدرت میں ہے۔ لہذا نمرود ساقط و مبہوت ہوگیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن پایا۔

ایک اہم نکتہ کی جانب قارئین کرام کی توجہ ملتفت کرنا ضروری ہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود سے جو فرمایا کہ اگر تو اپنے خدائی کے دعویٰ میں سچا ہے تو آفتاب کو مغرب سے طلوع کر دکھا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اگر نمرود نے بالفرض آفتاب کو مغرب سے طلوع کر دکھایا ہوتا تو آپ اس کو خدا تسلیم کر لیتے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یقین کے درجہ میں علم تھا کہ نمرود بن کنعان اپنے خدائی کے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور نمرود کا جھوٹ ظاہر کرنے اور اسے ذلیل و خوار کرنے کے لیے ہی آپ نے نمرود کے سامنے یہ چیلنج پیش کیا تھا تاکہ نمرود کو بھی اس حقیقت کا احساس ہو جائے کہ سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کرانے کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ میں ہے۔ میرے جیسے جھوٹے دعوے دار میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے۔

سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کر دکھانے کی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوتِ مبارزت میں نمرود کو شکستِ فاش ہوئی اور اس کے خدائی کے جھوٹے دعویٰ کی قلعی کھل گئی اور اس مناظرے کی روداد کی اطلاع دور دراز تک پھیلی بلکہ ہر زمانہ میں حضرت ابراہیم اور نمرود کے درمیان ہوئے مناظرہ کی روداد عوام و خواص میں عنوانِ سخن کی حیثیت سے

[illegible] حضور نبی [illegible] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لوگوں میں اس معجزہ کا [illegible]
[illegible] معجزے کو لوگوں نے بھی سمجھ لیا کہ آفتاب [illegible]
جب مشرق کے مغرب سے [illegible] انسان کے [illegible] تھی۔ [illegible]
[illegible] بہت حیرت [illegible]
[illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] مشرق کے مغرب سے طلوع [illegible]
[illegible] آفتاب [illegible] مشرق کے مغرب سے طلوع کرنے کی طاقت [illegible]
[illegible] تھی [illegible]

[illegible] اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب
[illegible] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم [illegible]

"ایک دفعہ خیبر سے واپسی پر مقام صہبا میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عصر کی نماز ادا فرمائی اور نماز ادا فرمانے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر اپنا سر مبارک رکھ کر محو خواب استراحت فرما ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی لیکن جان ایمان و جان عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آرام میں خلل نہ پہنچے اس نیک ارادے سے اسی حالت میں بیٹھے رہے اور ان کو نماز پڑھنے کا موقع میسر نہ ہوا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔۔ آفتاب غروب ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب سے بیدار ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ابھی تک نماز عصر نہیں پڑھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ڈوبے ہوئے سورج کی سمت اپنی انگشت مبارک سے اشارہ فرمایا اور ڈوبا ہوا سورج مغرب سے طلوع ہو کر بلند ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عصر ادا فرمائی اور پھر سورج دوبارہ غروب ہو گیا" (حوالہ مدارج النبوۃ، از: شیخ محقق شاہ

عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اردو ترجمہ جلد:۱،ص:۳۳۰)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عظیم معجزہ دیکھ کر مسلمان بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہود و نصاریٰ کی طرح اللہ کا بیٹا یا اللہ کا شریک نہ مان لیں اور حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا یا خدا کا شریک کہہ کر جس طرح یہود و نصاریٰ گمراہ ہوئے ہیں اس طرح قوم مسلم بھی گمراہ نہ ہو جائے اس لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی یہ فرمایا کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" اور اس فرمان عالی کا مقصد یہی تھا کہ اے لوگو! میرے عظیم معجزات دیکھ کر یہود و نصاریٰ کی طرح گمراہ ہو کر مجھے خدا کا شریک مت مان لینا۔ بلکہ توحید کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنا کیونکہ "اِنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" یعنی "تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔" یعنی پرستش اور عبادت کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی لائق ہے۔ مجھ سے چاہے عظیم معجزات صادر ہوں لیکن میں "اِلٰہ" یعنی "معبود" نہیں بلکہ "عبد" یعنی "بندہ" ہوں۔

قرآن مجید کی سورۃ الکہف اور سورہ حٰمٓ السجدہ کی آیت "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ" الخ کی تفصیلی وضاحت رقم کرنے کے قبل مناسب ہوگا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات میں سے کچھ عظیم معجزات اور وہ معجزات کن حالات میں وقوع پذیر ہوئے اس پر بہت ہی اختصار کے ساتھ گفتگو کریں۔

''حضورِ اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند عظیم الشان معجزات''

حضورِ اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نورِ نبوت و رسالت نے پورے عالم کو منور فرما دیا۔ آفتاب نبوت و ماہتاب رسالت کی ضیاء باریاں اپنی تاب و توانائی کے ساتھ درخشاں تھیں۔ نورِ ہدایت ہر سمت پھیل رہا تھا۔ کفر و شرک، جہالت و ظلمت، ظلم و ستم کی سیاہ اور بھیانک بدلیاں آہستہ آہستہ چھٹ رہی تھیں اور ان کے بکھرنے سے تاریک اندھیرا اب چمکدار اُجالے میں متبدل ہو رہا تھا۔ مکہ معظمہ کے صاحب اقتدار لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اسلام کا پیغام توحید لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو رہا تھا۔ لوگ گمراہیت کی راہ ترک کر کے رُشد و ہدایت کی ''صراط مستقیم'' پر گامزن ہو رہے تھے۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اسلام کی سرعت کے ساتھ ہو رہی نشر و اشاعت سے کفار اور مشرکین بغض و حسد کی آگ میں جل اُٹھے۔ مخالفت و عداوت کرنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اسلام کے ''نورِ حق'' کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کے لیے وہ ہر وقت متحرک و مستعد تھے لیکن ''**وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ**'' کے مطابق اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بے مثل و مثال خصائص کبریٰ اور معجزات عظیمہ کے سامنے اسلام دشمن عناصر کی ہر تحریک و کوشش ناکامیاب و نامراد ہو کر رہ جاتی تھی۔ اور دشمنانِ دین کا ہر حربہ ہاتھ گھسنا ثابت ہوتا۔ نتیجتاً وہ ہاتھ کی پیٹھ دانتوں سے کاٹا کرتے تھے۔ مثلاً:-

''ایک مرتبہ دشمن لعین ابوجہل اپنی مٹھی میں چند کنکریاں لیے ہوئے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میری مٹھی میں کیا ہے؟ ... نبی اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا کہ "تیری مٹھی میں کیا ہے؟ وہ میں بتا دوں یا تیری مٹھی میں جو ہے وہ بتا دے کہ میں کون ہوں؟ ابوجہل نے کہا یہ تو زیادہ بہتر ہوگا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ کرم ابوجہل کے ہاتھ میں بند کنکریوں کی جانب ملتفت ہوئیں اور ایک عظیم معجزہ ظہور پذیر ہوا۔ ابوجہل کے ہاتھ کی مٹھی میں جو کنکریاں تھیں ان کنکریوں سے "کلمۂ شہادت" کی دلکش صدائیں بلند ہونی شروع ہوئیں۔ پہلے تو ابوجہل کی سمجھ میں کچھ نہ آیا لیکن تھوڑی دیر میں اسے محسوس ہوا کہ کلمۂ شہادت کی آواز تو میری مٹھی سے آرہی ہے۔ تحقیق کرنے کی غرض سے اس نے اپنی مٹھی اپنے کان کے قریب دھری تو حیران رہ گیا کیونکہ اس کی مٹھی سے کلمۂ شہادت کی تسبیح کا غیر منقطع سلسلہ جاری تھا۔ بے جان و بے روح پتھر کی کنکریوں سے کلمۂ شہادت کی صدا بلند ہوتی دیکھ کر بوکھلا گیا اور غصے سے بھوت ہو کر کنکریاں پھینک کر بھاگ نکلا۔"

ایسے تو کئی واقعات پیش آئے ہیں۔ کئی دو مشرکین نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر [illegible] کئی مرتبہ ایسی [illegible] جن کی ایسی فرمائشیں [illegible] بطور امتحان [illegible] کا مطالبہ [illegible] جواب میں معجزہ [illegible] فرمایا ہے۔ یہاں اتنی [illegible] نہیں کہ ان تمام معجزات کا تفصیلی ذکر کیا جائے بلکہ چند معجزات کا مختصر بیان کیا جاتا ہے۔

مردہ بچی کو قبر سے زندہ فرمایا۔

امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں اور علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی نے اپنی کتاب "المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ" میں روایت کی ہے۔

"حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو [illegible] دعوت دی۔ اس شخص نے کہا۔ جب تک آپ میری [illegible] زندہ نہ [illegible] فرما دیں [illegible] میں [illegible] فرمایا کہ مجھے [illegible]

سے آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اس کو پکارا۔ اس مردہ لڑکی نے جواب دیا "لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ" "یعنی" میں حاضر ہوں اور آپ کی فرمانبردار ہوں۔" بعدہٗ حضور اقدس نے اس لڑکی سے دریافت فرمایا کہ کیا تو دوبارہ دنیا میں واپس آنا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، یا رسول اللہ! میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا ہے۔"

(حوالہ: "مدارج النبوۃ"، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اُردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۵۹)

⊙ پکائی ہوئی بکری پھر زندہ ہو گئی:۔

حضرت ابو نعیم بن عبداللہ اصفہانی (المتوفی ۴۳۰ھ) اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں روایت فرماتے ہیں:۔

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ایک بکری ذبح کر کے اسے سالم دم پخت طریقہ سے پکائی اور اسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ اس وقت خدمت اقدس میں جو حضرات حاضر تھے ان تمام نے اسے کھایا۔ کھانے والوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھانا شروع کرنے سے پہلے حکم ارشاد فرمایا کہ تم سب اسے کھاؤ لیکن اس کی ہڈیاں مت توڑنا۔ چنانچہ حاضرین نے اسی طریقہ سے کھایا۔ اس کے بعد حضور اقدس نے تمام ہڈیاں جمع کرنے کا حکم فرمایا اور جمع شدہ ہڈیوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر کچھ پڑھا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ بکری زندہ ہو کر کھڑی ہوئی اور اپنے کان ہلانے لگی۔" (حوالہ: "مدارج النبوۃ"، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اُردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۳۶۱)

⊙ حضرت جابر بن عبداللہ کے دو مردہ بیٹوں کو زندہ فرمایا:۔

ایک مرتبہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی دعوت کی اور ایک بکری کا بچہ ذبح کیا۔ بکری کا بچہ ذبح کر کے اسے صاف کر کے اسے پکانے کے لیے گھر میں دے دیا۔ حضرت جابر کی بیوی بکری کے بچہ کا گوشت پکانے میں مصروف ہو گئیں۔ پھر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے گھر بلا لائے اور باہر والے کمرے میں بٹھایا۔ باہر والے کمرے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے علم و عرفان کی باتیں سماعت کرنے میں حضرت جابر ہمہ تن گوش مشغول ہو گئے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بکری کا بچہ ذبح کیا تھا تب حضرت جابر کے دونوں بیٹے بھی وہاں موجود تھے۔ اور انہوں نے اپنے والد کو بکری کا بچہ ذبح کرتے دیکھا تھا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جابر کے مکان پر تشریف لے آئے اور حضرت جابر خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ہم کلامی کی سعادت میں اور حضرت جابر کی بیوی باورچی خانہ میں گوشت پکانے میں مصروف تھیں۔ تب حضرت جابر کے بڑے بیٹے نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا کہ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ ہمارے والد نے بکری کا بچہ کس طرح ذبح کیا۔ اور اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو زمین پر لٹا کر گلے پر چھری چلا دی اور نادانی میں اپنے چھوٹے بھائی کو ذبح کر ڈالا۔ اچانک حضرت جابر کی بیوی کی نظر اپنے بڑے بیٹے کی حرکت پر پڑی تو وہ دوڑ کر اس کی طرف آئیں۔ بڑے بیٹے نے اپنی والدہ کو اپنی طرف دوڑتی ہوئی آتی دیکھا تو وہ خوف کے مارے مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ حضرت جابر کی بیوی اس کے تعاقب میں مکان کی چھت پر گئیں لیکن اس نے اس خوف سے کہ والدہ مار پیٹ کریں گی، چھت پر سے زمین پر چھلانگ لگا دی اور چھت سے زمین پر گرتے ہی وہ بھی واصل بحق ہو گیا۔

ایک ساتھ دو دو بیٹوں کی موت کے حادثہ نے حضرت جابر کی بیوی کا کلیجہ شق کر دیا لیکن اس صابرہ عورت نے صرف اس خیال سے کہ حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طبیعت پر شاق نہ گزرے قطعاً رونا اور چیخنا نہ کیا بلکہ صبر سے کام لیتے ہوئے دونوں شہزادوں کی لاشوں پر کپڑا ڈال دیا اور کسی کو بھی اس حادثے کی اطلاع نہ دی یہاں تک کہ حضرت جابر کو بھی مطلع نہ کیا ... پر پتھر رکھ کر حضور

اقدس کی مہمان نوازی میں مصروف ہو گئیں۔ جب دسترخوان پر کھانا آیا تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو حکم دیا کہ اپنے دونوں بیٹوں کو بھی شریکِ طعام کریں۔ حضرتِ جابر گھر میں گئے اور اپنی زوجہ محترمہ سے پوچھا کہ بچے کہاں ہیں؟ انہوں نے بات ٹالنے کے لیے بہانہ بنا دیا کہ اِدھر اُدھر کہیں ہوں گے۔ لیکن حضرتِ جابر نے جب اپنی بیوی کو بتایا کہ حضورِ اقدس کا حکم ہے کہ ان کو بھی ساتھ میں کھانا کھلانے کے لیے لے آؤ، تب ان کی بیوی نے روتے ہوئے پورا ماجرہ بیان کیا۔ اور قریب والے کمرہ میں لے جا کر بچوں کی لاشوں سے کپڑا ہٹا دیا۔

دونوں میاں بیوی روتے ہوئے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر گر پڑے اور روتے ہوئے سارا واقعہ عرض خدمت کیا۔ حضرتِ جابر کے گھر میں کہرام مچ گیا۔ عین اُس وقت حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ''یا رسول اللہ! آپ ان بچوں کے پاس کھڑے ہو کر دُعا فرمائیں، تو اللہ تعالیٰ ان کو زندگی عطا فرمائے گا۔ چنانچہ حضورِ اقدس مکان کے اندر تشریف لے گئے اور بچوں کی لاشوں کے پاس کھڑے ہو کر دُعا فرمائی۔ فوراً وہ دونوں بچے زندہ ہو گئے۔''

(حوالہ: ''شواہد النبوۃ، مصنف:- علامہ نور الدین عبد الرحمٰن جامی بن احمد بن محمد ایرانی، المتوفی ۸۹۷ھ، اُردو ترجمہ، ص: ۱۵۶)

⊙ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے:-

حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کی اِس طرف اور دوسرا ٹکڑا اُس طرف تھا۔ اس روایت کو صحابہ کرام کی جماعتِ کثیرہ نے نقل فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کفارِ قریش نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کرتے

ہوئے کہنے لگے کہ اگر آپ سچے ہو تو چاند کے دو ٹکڑے کر دو۔ حضور اقدس نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ لوگوں نے چاند کو اس حالت میں دیکھا کہ کوہِ حرا (حرا نام کا پہاڑ) چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان آ گیا ہے یعنی چاند کا ایک ٹکڑا کوہِ حرا کی دائیں طرف اور دوسرا ٹکڑا بائیں طرف نظر آتا تھا۔"

(حوالہ: "مدارج النبوۃ"، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۳۴۸)

⊙ حضورِ اقدس کو پتھر، درخت، چٹان وغیرہ سلام کرتے تھے:-

کتبِ احادیث میں ثقہ راویوں سے ایسی بہت سی صحیح روایات منقول ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمادات و نباتات بھی پہچانتے تھے اور آپ کی خدمتِ عالی میں ہدیۂ سلام پیش کرتے تھے۔ یہاں ان تمام روایات کا ذکر ممکن نہیں۔ ناظرین کرام کی ضیافتِ طبع کی خاطر ذیل میں چند واقعات پر اکتفاء کیا ہے۔

(۱) طبرانی، ابونعیم اور بیہقی نے حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی، انہوں نے فرمایا:-

"ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ میں تھے۔ ایک روز آپ مکہ معظمہ کے نواحی (ارد گرد) علاقے میں تشریف لے گئے۔ راہ میں جو بھی چٹان، پتھر اور درخت ہم کو قریب رہو ملا وہ آپ سے "**اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ**" کہتا۔" (خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی، اردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۲۳۴)

(۲) طیالسی، ترمذی اور بیہقی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ:-

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے۔ جس رات میں مبعوث ہوا، جب میں اس کے پاس سے گزرتا تھا وہ پتھر مجھ کو سلام کرتا تھا اور بے شک

(حوالہ خصائص کبریٰ جلد:۱،ص:۲۳۰)

(۳) بزاز اور ابونعیم نے اُم المؤمنین، سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ:۔

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی تو میں جس پتھر یا درخت کے قریب سے گزرتا اس سے آواز آتی کہ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' (حوالہ: ایضاً ص:۲۳۱)

(۴) بیہقی نے ابنِ اسحٰق کی سند سے روایت کی کہ:۔

''جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کرامت ونبوت سے سرفراز فرمایا، تو آپ جس شجر وحجر کے پاس سے گزرتے وہ سلام کرتا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ اعلیٰ کلماتِ سلامتی سماعت فرما کر ہر طرف دیکھتے مگر وہاں کوئی بھی نہ ہوتا۔ وہ پتھر اور درخت منصبِ نبوت کو خطاب کے ساتھ اس طرح تحیت پیش کرتے کہ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' (حوالہ:۔ ایضاً ص:۲۲۰)

جانوروں نے رسالت کی گواہی دی اور سجدۂ تعظیم کیا:۔

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انصار کے سبھی خاندان اونٹوں کو پالتے تھے۔ ان میں سے ایک قبیلہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہمارا ایک اونٹ ہے جس پر ہم پانی لاد کر لاتے ہیں لیکن اب وہ اونٹ سرکشی اور سختی کرنے لگا ہے اور اپنی پیٹھ پر بوجھ لادنے نہیں دیتا۔ لہٰذا اس وجہ سے ہمارے نخلستان اور باغات سب پیاسے ہیں۔ انصار کی اس گزارش پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام کے ساتھ اُٹھے اور اونٹ کی جانب تشریف لے چلے۔ جب باغ میں پہونچے تو اونٹ باغ کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا۔ انصار عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! یہ وہی اونٹ ہے جو کتوں کی

طرح کاٹتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر حضور اس کے نزدیک گئے تو کہیں وہ حضور کو ایذا نہ پہونچائے۔ حضور اقدس نے فرمایا میرا کوئی خوف نہ کرو۔ پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کے سامنے آئے تو اس نے اپنا سر اٹھایا اور آپ کو دیکھتے ہی سجدے میں سر رکھ دیا۔ پھر حضور نے اونٹ کی پیشانی کے بال پکڑ کر اُسے کام میں لگا دیا۔

(حوالہ:- (۱) مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ: جلد: ۱، ص: ۳۴۲

(۲) شواہد النبوۃ، اُردو ترجمہ، ص: ۲۲۰

(۲) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے احادیث کثیرہ میں اور قاضی ابوالفضل، عیاض بن عمرو اندلسی (المتوفی ۵۴۴ھ) نے اپنی کتاب "**اَلشِّفَاء بِتَعْرِیْفِ حُقُوْقِ الْمُصْطَفٰی**" میں امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ:-

"ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام کے ساتھ محفل اقدس میں تشریف فرماتے کہ اچانک قوم بنی سلیم کا ایک بدوی شخص سوسمار (گوہ) کا شکار کر کے محفل اقدس میں آیا۔ اس بدوی نے گوہ کو اپنی آستین میں چھپا رکھا تھا اور گھر جا کر اسے بھون کر کھانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ جب اس نے ایک جماعت کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگا کہ لوگوں کے بیچ میں بیٹھے ہوئے یہ شخص کون ہیں؟ صحابہ کرام نے بدوی کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اس بدوی نے گوہ کو اپنی آستین سے نکالا اور کہنے لگا کہ قسم ہے لات اور عزیٰ کی! میں اُس وقت تک ہرگز ایمان نہ لاؤں گا۔ جب تک یہ گوہ آپ کی نبوت کی شہادت نہ دے۔ یہ کہہ کر اس نے گوہ کو حضور کے سامنے ڈال دیا۔ حضور اقدس، رسول مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوہ کو آواز دی کہ اے گوہ! گوہ نے فصیح زبان میں جواب دیا کہ "لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ" یعنی حاضر ہوں اور فرمانبردار ہوں۔" گوہ کا یہ کلام تمام حاضرین جماعت نے سنا۔

پھر حضور اقدس نے فرمایا اے گوہ! قیامت میں کون آئے گا؟ گوہ نے جواب دیا کہ ساری مخلوق آئے گی۔ پھر فرمایا تو کس کی عبادت کرتی ہے؟ جواب دیا کہ اس خدائے پاک کی جس کا عرش آسمان میں ہے اور جس کی سلطنت زمین میں ہے۔ اور جس کا دریاؤں پر غلبہ ہے۔ اور جنت میں اس کی رحمت اور جہنم میں اس کا عذاب ہے۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ گوہ نے جواب دیا آپ رسول اللہ، رسول ربّ العالمین اور خاتم النبیین ہیں۔ ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ صَدَّقَكَ وَخَابَ مَنْ كَذَّبَكَ'' یعنی یقیناً وہ کامیاب ہے جس نے آپ کی تصدیق کی اور نامراد ہے وہ جس نے آپ کی تکذیب کی۔'' گوہ کی زبان سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت و صداقت کی گواہی سن کر قوم بنی سلیم کا وہ بدوی شخص فوراً اسلام لے آیا۔''

(حوالہ:- مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۳۴۶)

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ:-

''ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ اس باغ میں ایک بکری تھی۔ اس بکری نے حضور کو سجدہ کیا۔''

(حوالہ:- (۱) شواہد النبوۃ، اُردو ترجمہ، ص:۲۲۲

(۲) مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۳۴۳)

⊙ مقدس انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے:-

احادیث کریمہ کی معتبر و مستند کتب میں ایسے کئی واقعات درج ہیں کہ لشکر اسلام میں پانی ختم ہو گیا یا کوئی قافلہ سفر میں ہے اور اثنائے راہ پانی ختم ہو گیا اور کہیں بھی پانی نہیں یا پانی کے دستیاب ہونے کے آثار نظر نہیں آتے ہیں۔ پانی کے فقدان کی وجہ سے لوگ حیران و پریشان

ہیں۔ ایسے وقت میں حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس کی مقدس انگشتان مبارک سے دریا کی طرف پانی کے چشمے رواں ہو کر بہہ نکلے اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے ان چشموں سے پانی پیا، وضو اور غسل کیا اور اپنے مشکیزوں و برتنوں میں ذخیرہ کر لیا۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ بالاستیعاب تمام واقعات رقم کیے جائیں۔ صرف دو واقعات قارئین کرام کے گوش گزار کیے جاتے ہیں:۔

(۱) حضرت ابو نعیم نے قاسم بن عبداللہ ابو رافع سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد سے اور انہوں نے ابو رافع کے جدِ امجد سے اس طرح روایت فرمایا ہے کہ:۔

"وہ جناب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ لشکر اسلام میں تھے۔ رات کے وقت لشکر نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ اس وقت لشکر میں پانی کی سخت قلت تھی بلکہ پانی ختم ہو چکا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جس کسی کے پاس بھی پانی ہو، وہ پانی لے کر حاضر ہو۔ لشکر میں تلاش کرنے سے معلوم ہوا کہ صرف ایک شخص کے پاس مشکیزے میں تھوڑا پانی ہے بقیہ تمام لوگوں کے مشکیزے خالی ہیں جس شخص کے پاس پانی کا مشکیزہ تھا وہ خدمت اقدس میں لایا گیا حضور اکرم نے مشکیزے کا پانی ایک کھلے منہ والے برتن میں ڈالنے کا حکم فرمایا۔ پھر حضور اقدس نے پانی سے بھرے ہوئے برتن میں اپنا مبارک ہاتھ ڈبویا تو میں نے کیا دیکھا کہ آپ کی مقدس انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مارتا ہوا نکلنے لگا اور انگشتان اقدس سے پانی اُبل اُبل کر بہتے برتن میں جمع ہونے لگا۔ تمام لشکر نے اس برتن سے سیراب ہو کر پانی پیا۔ پھر آپ نے برتن سے ہاتھ مبارک نکال لیا۔ تو برتن میں اتنا ہی پانی باقی تھا جتنا کہ مشکیزے سے اس میں ڈالا گیا تھا۔"

(حوالہ:۔ خصائص کبریٰ اُردو ترجمہ، جلد: ۲، ص: ۱۰۸)

(۲) حضرت حارث بن [illegible]

زیاد بن حارث سدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ:-

''ایک مرتبہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا۔ صبح فجر کی نماز کے وقت حضورِ اقدس نے مجھ سے فرمایا کہ اے سدا کے بھائی! کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے پاس بہت ہی تھوڑی مقدار میں پانی ہے جو آپ کے لیے کافی نہیں۔ حضورِ اقدس نے فرمایا کہ اس پانی کو ایک برتن میں ڈال کر میرے پاس لے آؤ، میں اس پانی کو ایک برتن میں ڈال کر خدمتِ اقدس میں حاضر آیا۔ حضورِ اقدس نے اس برتن میں اپنا دستِ اقدس ڈال دیا۔ دفعتاً میں نے دیکھا کہ آپ کی مقدس انگلیوں سے پانی کے چشمے اُبل رہے ہیں۔ پھر حضورِ اقدس نے مجھے حکم دیا کہ میرے صحابہ کو بلاؤ اور انہیں خبر دو کہ جس کو بھی پانی کی ضرورت ہو وہ یہاں آ کر لے جائے۔ چنانچہ پورے قافلہ کے لوگ وہاں اُمنڈ پڑے اور جس جس کو پانی کی ضرورت تھی ان سب نے حسبِ ضرورت پانی لے لیا۔''

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۱۰۶)

بقول امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ:-

انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ!

⦿ درخت اپنی جڑیں اُکھاڑ کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا:-

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:-

''ایک بدوی نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا۔ حضورِ اقدس نے اس بدوی سے فرمایا کہ سامنے جو درخت ہے اُسے جا کر کہو کہ تجھے رسول اللہ بلاتے ہیں۔ بدوی نے جا کر درخت سے حسبِ ارشاد پیغام سنایا۔

دفعتاً اس درخت نے اِدھر اُدھر اور آگے پیچھے جنبش کی اور زمین میں سے اپنی پھیلی ہوئی جڑوں کو نکالا۔ پھر زمین کو چیرتا ہوا اور اپنی جڑوں کو اپنے ساتھ ہی گھسیٹتا ہوا آیا اور حضورِ اقدس کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" تھوڑی دیر کے بعد حضورِ اقدس نے اس درخت کو اپنی جگہ واپس جانے کا حکم دیا تو وہ درخت جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس لوٹ کر اپنی جگہ چلا گیا اور اس کے رگ وریشہ بھی زمین میں پیوست ہو گئے اور زمین بھی مثلِ سابق ہموار ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اس بدوی نے عرض کیا کہ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر اس نے عرض کیا کہ مجھے دستِ اقدس اور مبارک قدم شریف کو بوسہ دینے کی اجازت عطا فرمائیں۔ حضورِ اقدس نے اس کی اجازت عنایت فرمائی۔"

(حوالہ:۔ مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۳۴۹)

”لمحہ فکریہ!!!“

مذکورہ بالا معجزات کے علاوہ ایسے بے شمار معجزات ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ وہ تمام معجزات ایسے عظیم المرتبت تھے کہ جن کو دیکھ کر لوگ یقین کے درجہ میں کہنے لگے کہ ایسے معجزات دکھانا کسی عام انسان سے ممکن ہی نہیں۔ یہ سب خدائی قدرت کے ہی کرشمے ہیں لہٰذا کچھ لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گزارش کرنے لگے کہ ہمیں اجازت عطا فرمائیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ تو جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں لوگوں کے جذبات واعتقاد کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ پاتے۔ اور غلو کی حد میں داخل ہو کر آپ کو سجدہ کرنے کے متمنی اور آرزومند ہو رہے ہیں۔ اور آپ کو سجدہ کرنے کی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں، تو آپ کے دُنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان کے جذبات اور عقیدت غلو کی اعلیٰ منزل اختیار کرنے کا اندیشہ تھا۔ اور محبت میں بہک کر شرک کے ارتکاب کا خطرہ تھا۔ جیسا کہ حضرت سیدنا عیسیٰ اور حضرت سیدنا عزیر علیہما الصلوٰۃ والسلام کے چند معجزات دیکھ کر ان کی قوم کے لوگوں نے اندھی محبت کے جوش اور ولولہ میں ان کو خدا کا بیٹا کہہ دیا اور اُلوہیت الٰہی وتوحید خالص کی خلاف ورزی کر کے گمراہ ہوئے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تو لوگوں نے ایک دو نہیں بلکہ کثیر تعداد میں خرق عادت عظیم معجزات دیکھے تھے۔ ان معجزات میں سے کچھ معجزات تو ایسے عظیم الشان تھے کہ ماضی قریب یا ماضی بعید میں کبھی بھی، کہیں بھی، کسی طرح بھی، کسی نبی ورسول سے ایسے معجزات کا ظہور وصدور نہیں ہوا تھا۔ مثلاً ⊙ چاند کے دو ٹکڑے ہونا ⊙ غروب ہو چکنے والے آفتاب کا دوبارہ مغرب سے طلوع ہونا ⊙ جمادات اور نباتات کا کلام کرنا اور آپ کی رسالت کی گواہی دینا، وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ مغرب سے آفتاب کو طلوع کر دکھانے کو لوگ خدا ہونے کی دلیل کے طور پر مانتے تھے۔ جیسا

کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود بن کنعان کو اپنی خدائی کے دعوے کی صداقت کے ثبوت کے طور پر سورج کو پچھم سے طلوع کر دکھانے کا چیلنج (Challenge) دیا تھا اور نمرود اپنے خدائی دعویٰ میں سراسر جھوٹا ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چیلنج کے للکار کے سامنے خائب وخاسر ہوکر رہ گیا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصرفات، قدرت اور اختیارات پر مشتمل معجزات کا یہ عالم تھا کہ چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ اقدس کی انگشتان مبارک کے ایک اشارہ پر مطیع وفرمانبردار ہوکر نوری کھلونے کی حیثیت سے حکم کی تعمیل وبجا آوری کرتے تھے۔ انگشت مبارک کا اشارہ پاتے ہی چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور ڈوبا ہوا سورج مغرب سے پھر طلوع ہوا۔

لہذا! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان عظیم معجزات کی بناء پر آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد کہیں لوگ آپ کو ''رسول خدا'' کے بجائے ''شریکِ خدا'' نہ بنادیں اور لوگ شرک کی قباحت وگندگی میں مبتلا نہ ہوجائیں اس لیے قیامت تک کے ہونے والے انسانوں کو اس حقیقت سے واقف کیا جارہا ہے کہ حضرت سیدنا ونبینا ومولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''خدا'' یا ''خدا کے بیٹے'' یا ''شریکِ خدا'' نہیں بلکہ ''انسان'' اور ''اللہ کے بندے'' ہیں۔ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں۔ اس طرح لوگوں کو پیشگی تنبیہ اور مقدم تاکید کے ذریعہ خبردار اور متنبہ کیا جارہا ہے۔ تاکہ لوگ محبت کے جذبات میں احتیاط وشعور سے کام لیتے ہوئے غلو ومبالغہ سے باز رہیں اور شرک کی بدی میں غرق ہونے سے محفوظ رہیں۔ قرآن مجید میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ''بشریت'' کا تذکرہ صرف اسی نقطۂ نظر سے کیا گیا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آپ کے عظیم معجزات دیکھ کر غلط فہمی اور گمان فاسد کی وجہ سے آپ کو ''خدا'' یا ''خدا کا شریک'' نہ کہہ بیٹھے۔ الحاصل! قرآن مجید میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کا تذکرہ فرما کر ہمیشہ کے لیے شرک کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔

"قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت قرآن کا مطلب و معنی اور اس کی صحیح تفہیم"

کچھ نا عاقبت اندیش اور سفاک لوگ اس غلط وہم و گمان میں ہیں، قرآن مجید کی سورۂ کہف اور سورۂ حٰم سجدہ میں "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت دو مرتبہ نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس کو بشر کہا ہے اور ان کی شان و عظمت گھٹائی گئی ہے۔ اس خیالی خواب کے نشے میں بہک کر اس آیت کریمہ کا صحیح معنی و مطلب اور ان کا مقصد سمجھے بغیر جاہلانہ تاویل و تفسیر کرتے ہوئے یہاں تک کے نازیبا جملے کہتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے جیسے بشر ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ایمان کی جان حب رسول و تعظیم رسول کی نگاہ سے اس آیت پر غور و فکر کیا جائے تو اس آیت کے ذریعہ حضور اقدس کی شان عظمت ہرگز گھٹائی نہیں گئی بلکہ رفعت و بلندیٔ شان زیادہ ارفع و اعلیٰ طور پر ظاہر کی گئی ہے۔ اس آیت شریف کے ہر ہر لفظ بلکہ ہر ہر حرف سے محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بلندیٔ شان کا پرچم لہرا رہا ہے۔

محترم قارئین کرام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اب ہم قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کریمہ کے ضمن میں بہت ہی اہم اور ضروری گفتگو کرنے جا رہے ہیں۔ لہٰذا اس مضمون کو بہ نظر عمیق اور یکسوئی سے مطالعہ فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ تمام شکوک و شبہات کا ازالہ اور تمام اعتراضات کا شافی، وافی اور کافی حل و جواب حاصل ہوگا۔ نیز اس آیت کریمہ کا من گھڑت ترجمہ اور من بھاتی تفسیر و تاویل کر کے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخانہ اور توہین آمیز کلمات بولنے والے دور حاضر کے منافقین کے جال فریب میں پھنسنے سے بال بال بچ سکیں گے بلکہ ان منافقین کے گستاخانہ کلمات کا دندان شکن جواب دینے کی استعداد

صلاحیت حاصل کرسکیں گے۔

آیئے! پھر ایک مرتبہ اس آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کریں:۔

⊙ " قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ "

ترجمہ:۔(۱) "تو فرماؤ، ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔"

(ترجمہ از:۔ کنزالایمان، پارہ:۱۶، سورۃ الکہف، آیت:۱۱۰)

(۲) "تم فرماؤ، آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں، مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔"

(ترجمہ از:۔ کنزالایمان، پارہ:۲۴، سورۃ حٰم سجدہ، آیت:۶)

اس آیت کی ابتداء میں لفظ "قُلْ" وارد ہے۔ جس کا مطلب ہوتا ہے "کہہ دو" اس آیت کی ابتداء میں "کہہ دو" کا جو ارشاد ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرماتا ہے کہ "اے محبوب! تم کہہ دو" کیا کہہ دو؟ یہی کہ اے لوگو! انسان ہونے کے ناطے یعنی ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا انسان ہوں۔ یعنی تمہارے جسمانی اعضاء اور میرے جسمانی اعضاء برابر نظر آتے ہیں۔ صرف اتنا کہنے پر ہی بات ختم نہیں ہوتی بلکہ اتنا کہہ لینے کے فوراً بعد ارشاد ہے کہ "يُوْحٰٓى اِلَيَّ" یعنی "میری طرف وحی آتی ہے۔" قرآن مجید کے عالی شان انداز بیان کو ملاحظہ فرمائیں۔ آیت کے پہلے حصہ میں بشری مساوات ہونے کا اقرار و اعتراف کرنے سے فوراً بعد ہی "خیر البشر" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عام بشر کے زمرے سے مستثنیٰ (Separate) کیا جا رہا ہے۔ یعنی دوسرے حصہ میں "مجھے وحی آتی ہے" کی خصوصیت کا اضافہ فرما کر مساوات مراتب کی نفی فرمائی گئی ہے۔ اب اس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ:۔

- میں ایسا بشر ہوں کہ جس کی طرف وحی آتی ہے۔
- تم ایسے بشر ہو کہ جن کی طرف وحی نہیں آتی۔

قارئین کرام! آیت [illegible] اور جملہ کی تفصیل

بندش وترتیب وربط کو بغور ملاحظہ فرمائیں کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُم" کے فوراً بعد علی الاتصال "یُوحیٰ اِلَیَّ" وارد ہے۔ جس کا صاف مطلب ومفہوم یہ ہے کہ تم ایسے بشر ہو جن پر وحی نہیں آتی یعنی تم اُمّتی ہو اور میں ایسا بشر ہوں جس پر وحی آتی ہے۔ یعنی میں نبی ورسول ہوں۔ نبی اور اُمّتی کے درمیان کا فرق واضح طور پر ظاہر فرما کر اس حقیقت کا یقین دلایا جا رہا ہے کہ:۔

- "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُم" میں بیان شدہ مساوات وہمسری صرف جسمانی ظاہری مساوات اور دکھاوے تک ہی محدود ہے۔
- "یُوحیٰ اِلَیَّ" کے ذریعہ درجات ومراتب کی ہمسری کی نفی فرمائی گئی ہے۔ یعنی میں نبی ورسول ہوں اور تم اُمّتی ہو اور نبی وامّتی کا درجہ ومرتبہ کبھی برابر نہیں ہو سکتا۔

''آیت کے شروع میں وارد لفظ ''قُل'' کے استعمال میں کیا حکمتِ خداوندی ہے؟''

آیت کی ابتداء میں لفظ "قُل" کا استعمال فرما کر بارگاہِ رسالت کے گستاخوں کی زبانوں میں قفل لگا دیا گیا ہے۔ عربی زبان کے علم صرف ونحو کے اعتبار سے لفظ "قُلْ" صیغۂ امر ہے۔ یعنی حکم کرنے کا کلمہ ہے۔ اس کا مصدر ''قَوْلٌ'' یعنی ''کہنا'' ہے۔ لہٰذا صیغۂ امر "قُلْ" کا معنی ہوا ''تم کہہ دو'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ''اے محبوب! تم کہہ دو کہ میں ظاہر صورت بشری یا آدمی ہونے میں تم جیسا ہوں۔'' غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ اے لوگو! میرا محبوب تمہارے جیسا بشر ہے بلکہ اپنے محبوب کو حکم فرماتا ہے کہ اے محبوب! لوگوں سے یہ بات تم اپنی زبانِ مبارک سے فرما دو۔

اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم کو عام لوگوں کی طرح بشر کہا ہوتا تو قرآن کی آیت اس طرح ہوتی کہ ''اَنْتَ بَشَرٌ مِّثْلُهُم'' یعنی ''تم ان لوگوں جیسے آدمی ہو۔'' یا آیت کریمہ اس طرح ہوتی کہ ''قُوْلُوْا اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلُنَا'' یعنی ''اے لوگو! تم کہو کہ نبی ہماری طرح انسان ہیں۔'' یا آیت کریمہ اس طرح ہوتی کہ "اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلُكُم" یعنی ''بے شک! وہ نبی تمہاری طرح بشر ہیں۔'' لیکن قرآن مجید میں آیت کریمہ اس طرح ہے کہ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی تم فرماؤ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں کہیں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو ''یَاۤاَیُّهَا الْبَشَرُ'' یعنی ''اے بشر'' کہہ کر خطاب نہیں فرمایا البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معزز ومعظم القاب سے کئی جگہ خطاب فرمایا ہے اور عزت اور عظمت بھرے القاب سے ملقب فرمایا ہے۔ مثلاً:-

⊙ "یَاۤاَیُّهَا النَّ ... یَاۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ"

یعنی ''اے رسول'' ⊙ **یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ** - یعنی ''اے جھرمٹ مارنے والے'' ⊙ **یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ** - یعنی ''اے بالاپوش اوڑھنے والے'' ⊙ **شَاھِدًا** - یعنی ''حاضر و ناظر (گواہ)'' ⊙ **مُبَشِّرًا** - یعنی ''خوشخبری دینے والے'' ⊙ **نَذِیْرًا** - یعنی ''ڈر سنانے والے'' ⊙ **سِرَاجًا مُّنِیْرًا** - یعنی ''چمکا دینے والا آفتاب'' ⊙ **رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ** - یعنی ''سارے جہان کے لیے رحمت'' ⊙ **''خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ''** یعنی ''سب نبیوں کے پیچھے'' ⊙ **بُرْھَانٌ** - یعنی ''دلیل'' ⊙ **نُوْرٌ مِّنَ اللّٰہِ** - یعنی ''اللہ کی طرف سے نور''۔

الحاصل! اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عظمت کا اظہار فرماتے ہوئے معزز و معظم القاب سے ہی خطاب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام مجید میں کہیں بھی اپنے محبوب کو ''**یَا اَیُّھَا الْبَشَرُ**'' سے خطاب نہیں فرمایا۔

ہماری یہاں تک کی گفتگو سے کوئی صاحب یہ غلط استدلال نہ کریں کہ معاذ اللہ! ہم کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت سے انکار ہے اور ہم حضور اقدس کو ''غیر بشر'' مانتے ہیں۔ بے شک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر یعنی انسان تھے۔ جنات یا فرشتوں میں سے نہ تھے۔ لیکن آپ کے بشر ہونے میں اور ہمارے تمہارے بشر ہونے میں عظیم فرق ہے۔ آپ کی بشریت نورانی ہے۔ لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر ہونے کے باوجود ''صرف بشر'' یا ''ہمارے تمہارے جیسے بشر'' کہنا گستاخی ہے۔ ہم اس حقیقت کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ ''نبی کا بشر ہونا اور نبی کو بشر کہنا'' اس نکتہ کو اچھی طرح ذہن میں مستحضر رکھتے ہوئے، عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اس حقیقت کی تفصیلی وضاحت آئندہ اوراق میں قرآن و حدیث کی روشنی میں قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے کہ:-

⊙ جو مومن ہوتا ہے وہ حضورِ اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''نوری بشر'' مانتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ آپ جیسا کوئی بشر نہ پیدا ہوا ہے اور نہ کبھی پیدا ہوگا۔ بقول حضرت رضا:-

''ان سا نہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ''

⊙ جو منافق ہوتا ہے وہ حضورِ اقدس خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا عام،

عاجز اور مجبور بشر مانتا ہے۔

قرآن میں "بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کہنے کی کیا وجہ ہے؟

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ حقیقت ہے کہ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے اور تمہارے جیسے بشر نہیں ہیں تو پھر قرآن مجید میں "بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کا جملہ کیوں ارشاد فرمایا گیا ہے؟ اس جملہ کا صحیح مطلب و مفہوم کیا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ اس آیت میں "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی "تم فرماؤ، آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں۔" کا جو جملہ ہے وہ علم ادب کی اصطلاح میں مبتدا ہے اور "يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" یعنی "مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے" یہ جملہ اس کی خبر ہے۔ یعنی دوسرے جملہ کی حقیقت روشناس اور باور کرانے کے لیے پہلا جملہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس آیت کریمہ کو حسب ذیل چار حصوں میں تقسیم کریں:-

(۱) "قُلْ" = تم فرماؤ

(۲) "اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" = آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں

(۳) "يُوْحٰٓى اِلَيَّ" = مجھے وحی آتی ہے کہ

(۴) "اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" = تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

مندرجہ بالا چار حصوں میں آپس میں تطبیق و موافقت ہے۔ چاروں جملوں میں ایسا ربط اور میل ہے کہ ہر حصہ اپنے بعد والے حصے سے خود بخود حل ہوتا ہے۔ یعنی پہلے حصے کا خلاصہ دوسرے حصے میں، دوسرے کا تیسرے میں اور تیسرے کا چوتھے میں ہے۔ اور جو چوتھا حصہ ہے وہی اپنے اگلے تینوں حصوں کا خلاصہ، نچوڑ اور لُبِّ لُباب ہے۔ یعنی اے لوگو! میں تم کو انسان ہونے کے ناطے کہتا ہوں اور رسول ہونے کے ناطے مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ یعنی:-

- ''خدا نہ ہونے کے معاملہ میں میں تم جیسا ہوں''

کیونکہ! اُس وقت کا ماحول ایسا تھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عظیم الشان معجزات دیکھ کر لوگ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں کہ ایسے خرقِ عادت اور غیر ممکن کمالات جو انسان کے لیے محال ہیں، آپ انسان نہیں بلکہ خدا، یا خدا کے بیٹے یا خدا کے شریک ہیں۔ لوگوں کو اس وہم وگمان کے نتیجہ میں شرک کی مہلک بدی میں گرفتار ہونے سے بچانے کے لیے اس آیت کریمہ کے ذریعہ اس حقیقت کو باور کرایا جا رہا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عظیم معجزات ظہور پذیر ہونے کے باوجود بھی آپ انسان ہیں، بندے ہیں، مخلوق ہیں۔ آپ اِلٰہ نہیں، معبود نہیں اور خالق نہیں۔

اس آیت کریمہ کے مندرجہ بالا چار حصوں کی طرف پھر ایک مرتبہ التفات فرمائیں۔ آیت کریمہ کے دوسرے حصے کی ابتدا میں لفظ ''اِنَّمَا'' اور چوتھے حصے کے شروع میں ''اَنَّمَا'' لفظ وارد ہے۔ ''اِنَّمَا'' اور ''اَنَّمَا'' دونوں لفظ ایک ہی معنی کے حامل ہیں۔ دونوں لفظوں کی ترکیب (Composition) حسب ذیل ہے:-

- اِنَّ + مَا = اِنَّمَا
- اَنَّ + مَا = اَنَّمَا

لفظ ''اِنَّ'' اور ''اَنَّ'' دونوں کلمۂ تاکید ہیں اور دونوں میں حرف ''ما'' کی اضافت کی گئی ہے لہذا ''اِنَّ'' سے ''اِنَّمَا'' بنا اور ''اَنَّ'' سے ''اَنَّمَا'' بنا۔ علم نحو کی اصطلاح میں حرف ''ما'' کو ''حرف زیادت'' کہتے ہیں۔ یعنی کہ زیادتی یا اضافے کا حرف۔

علم نحو کی اصطلاح میں کل آٹھ حروف حرف زیادت ہیں (۱) اِن (۲) اَن (۳) ما (۴) لا (۵) مِن (۶) ک (۷) ب اور (۸) ل۔ (حوالہ:- علم النحو، ص:۶۴)

علم نحو کی اصطلاح کے مطابق جب کسی جملے کی ابتدا میں ''اِنَّ'' یا ''اَنَّ'' آتا ہے تو وہ جملہ ''مؤکد'' یعنی تاکید کیا ہوا ہو جاتا ہے۔ اور اس جملے میں کہی ہوئی بات کی اہمیت ظاہر کی جاتی ہے۔ اور ''اِنَّ'' و ''اَنَّ'' میں ''ما'' کی اضافت علم عروض کی اصطلاح میں کلام کی فصاحت وبلاغت یا جملہ کی بندش میں الفاظ کے اوزان کے اعتدال کے لیے کیا جاتا ہے۔ الحاصل!

آیت کریمہ کے چار حصوں میں سے حصہ نمبر۲، اور حصہ نمبر۴، کے شروع میں "اِنَّمَا" اور "اَنَّمَا" کا وارد ہونا اس حقیقت کی نشاندہی ہے کہ یہ دونوں حصوں میں کہی ہوئی بات اہم اور ضروری ہے۔ اب ہم اس آیت کریمہ کے چار حصوں کو ترتیب وار رکھنے کے بجائے نمبر:۱ کے ساتھ نمبر:۳، اور نمبر:۲، کے ساتھ نمبر:۴، رکھتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ:-

(۱) تم فرماؤ (۳) میری طرف وحی آتی ہے۔ کیا وحی آتی ہے؟

(۲) ظاہر صورتِ بشری میں تو میں تم جیسا ہوں (۴) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

مذکورہ چار حصوں میں سے حصہ نمبر۲، اور ۴ کو اہمیت دیتے ہوئے دونوں کے شروع میں "اِنَّ" اور "اَنَّ" کو "مَا" کی اضافت کے ساتھ ارشاد فرمانے کا ماحصل یہ ہے کہ:-

✪ "میں تمہارا معبود نہیں اس معنی میں میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔"

"اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ"

آیت کا خلاصہ اور اس کی ضروری وضاحت"

قرآن مجید میں جو آیات ہیں وہ تمام آیات ایک ہی قسم کی نہیں ہیں بلکہ قرآن مجید کی آیات کی بہت سی اقسام ہیں مثلاً ⊙ آیاتِ محکمات ⊙ آیاتِ متشابہات ⊙ آیاتِ مقطعات ⊙ آیاتِ مبہمات ⊙ آیاتِ ناسخہ ⊙ آیاتِ منسوخہ ⊙ آیاتِ مقدمات ⊙ آیاتِ موخرات۔

قرآن مجید کی آیات کی تمام اقسام کی تفصیلی بحث یہاں ممکن نہیں۔ لہٰذا ہمارے عنوان کا جن سے تعلق ہے، وہ دو اقسام یعنی آیات محکمات اور آیاتِ متشابہات کے متعلق ہم قرآن، حدیث اور تفسیر کی روشنی میں اختصاراً گفتگو کریں گے۔ قرآن مجید میں ارشادِ رب تعالیٰ ہے کہ:

"هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ"
(پارہ:۳، سورہ آل عمران، آیت:۷)
ترجمہ:۔ "وہی ہے جس نے تم پر کتاب اُتاری، اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں، وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے۔" (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے معنی و مطلب واضح طور پر صاف ظاہر ہوں۔ اس قسم کی آیتوں کو "آیات محکمات" کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے معنی و مطلب اور مراد واضح طور پر صاف ظاہر نہ

ہوں بلکہ اس کے معنی و مراد میں "اشتباہ" ہو۔

⊙ اشتباہ = مشابہ ہونا، دو چیزوں کا اس طرح ہم شکل ہونا کہ دھوکہ ہو جائے، گمان، شبہ، شک، Ambiguity, doubt

(حوالہ: (۱) فیروز اللغات، ص:۹۶

(۲) دی نیو رائیل پرشین انگلش ڈکشنری از:- ایس، سی، پال، ص:۲۳)

اب ہم آیاتِ محکمات اور آیاتِ متشابہات کو مندرجہ ذیل تقسیم سے سمجھیں:-

⊙ آیاتِ محکمات:-

(۱) جن کا معنی اور مراد واضح ہو۔ اور جن میں ایک ہی معنی کا احتمال ہو۔

(۲) جن کی معرفت و وضاحت بیان کرنے میں اہلِ علم کو کسی قسم کا توقف یا تاویل کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

(۳) جن میں کسی قسم کا کوئی احتمال اور شک نہ ہو۔ یعنی اس کے معنی اور مراد میں کوئی تردد نہ ہو۔

(۴) احکامِ شریعت، عقائد، ایمان، وغیرہ میں ان کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ قرآن کی اصل ہیں۔

(۵) حلال و حرام کے معاملہ میں ان آیات پر عمل کیا جائے گا۔

متعدد کتب تفاسیر میں آیاتِ محکمات کے جو اصول و ضوابط متعین کیے گئے ہیں ان کا ماحصل ہم نے مندرجہ بالا پانچ اصولوں میں منحصر کر دیا ہے۔ ان اصولوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ذیل میں پیش کردہ چند مثالیں ذہن نشین کر لیں۔

⊙ مثال نمبر ۱ :- "حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى"

(پارہ:۲، سورۃ البقرہ، آیت:۲۳۸)

ترجمہ:- "نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نمازوں کی۔" (کنزالایمان)

⊙ مثال نمبر ۲ :- "وَاَقِیْمُوا [illegible]

(پارہ:۱،سورۃ البقرہ، آیت:۴۳)

ترجمہ:-"اور نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو۔" (کنزالایمان)

ان دونوں آیتوں کے معنی اور مراد صاف ظاہر اور ان دونوں آیتوں سے نماز اور زکوۃ کی فرضیت معلوم ہوتی ہے۔آیت میں کوئی ایسا لفظ وارد نہیں کہ جس کی تاویل کرنا ضروری ہو۔

⊙ مثال نمبر۳:- "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ"

ترجمہ:-"رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا۔" (کنزالایمان)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ:-

"فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ"

(پارہ:۲،سورۃ البقرہ، آیت:۱۸۵)

ترجمہ:-"تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔" (کنزالایمان)

اس آیت میں رمضان المبارک کے مہینہ میں قرآن شریف نازل ہونے کا تذکرہ فرمانے کے بعد یہ حکم نافذ فرمایا جا رہا ہے کہ جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے وہ رمضان المبارک کے مہینہ بھر کے روزے رکھے۔یعنی اس آیت کے ذریعہ رمضان کے مہینے کے روزوں کی فرضیت نافذ ہوئی۔

⊙ مثال نمبر۴:- "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا"

(پارہ:۴،سورۂ آل عمران، آیت:۹۷)

ترجمہ:-"اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔" (کنزالایمان)

اس آیت میں صاحب استطاعت پر حج فرض ہونے کا حکم صادر فرمایا گیا ہے۔

یہاں تک ہم نے کل چار مثالیں پیش کی ہیں۔ان مثالوں میں پیش کردہ آیاتِ قرآنیہ کے معنی اور مراد ایسے واضح طور پر صاف ہیں کہ نماز، زکوۃ اور حج کی فرضیت کے احکام ان آیات سے بآسانی اخذ کیے جا سکتے ہیں اور ان آیات کو بطور دلیل پیش کر کے نماز کی، زکوۃ کی اور صاحب استطاعت کے لیے حج کی فرضیت ثابت کرنے والے کو آیت کے کسی بھی لفظ کی تاویل یا کسی قسم کے توقف کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔کیونکہ آیات میں وارد تمام الفاظ کے

معنی اور مراد صاف وواضح ہیں۔لہذا یہ تمام آیاتِ محکمات میں سے ہونے کی وجہ سے احکام میں ان کی طرف بلا کسی تاویل یا توقف کے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

⊙ مثال نمبر ۵:۔ "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً"

(پارہ:۱۵،سورۂ بنی اسرائیل،آیت:۳۲)

ترجمہ:۔"اور بدکاری (زنا) کے پاس نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے۔" (کنزالایمان)

⊙ مثال نمبر ۶:۔ "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ" (الخ)

(پارہ:۶،سورۃ المائدہ: آیت:۳)

ترجمہ:۔"تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت" (کنزالایمان)

⊙ مثال نمبر ۷:۔ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ"

(پارہ:۷،سورۃ المائدہ،آیت:۹۰)

ترجمہ:۔"اے ایمان والو! شراب اور جُوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام۔تو ان سے بچتے رہنا۔" (کنزالایمان)

⊙ مثال نمبر ۸:۔ "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"

(پارہ:۳،سورۃ البقرہ،آیت ۲۷۵)

ترجمہ:۔"اور حلال کیا اللہ نے بیع کو اور حرام کیا سود کو۔"

مثال نمبر ۵ تا ۸ میں پیش کردہ قرآن مجید کی آیات کے معنی اور مراد ایسے صاف اور واضح ہیں کہ ⊙ زنا ⊙ مردار ⊙ خون ⊙ سور کا گوشت ⊙ شراب ⊙ جُوا ⊙ بت ⊙ پانسے اور ⊙ سود کے حرام ہونے کا حکم اور بیع یعنی تجارت کے حلال ہونے کا حکم ان آیات سے بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ان آیات کو بطور دلیل پیش کرکے زنا، جُوا، شراب وغیرہ کے حرام ہونے اور تجارت کے حلال ہونے کا ثبوت پیش کرنے والے کو آیت کی تاویل یا توقف کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔کیونکہ ان آیات میں وارد تمام الفاظ کے معنی صاف اور مراد واضح ہیں۔لہذا یہ تمام کی تمام آیات محکمات ہونے کی وجہ حلال وحرام کے معاملات میں ان آیات پر عمل کیا جائے گا۔

آیاتِ متشابہات:-

(۱) جن کے معنی صاف اور مراد واضح نہ ہو۔ اور جن میں چند معنوں کے احتمالات ہوں۔

(۲) جن کی معرفت ووضاحت بیان کرنے میں اہل علم کو بھی توقف یا تاویل کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔

(۳) جن کے معنی اور مراد میں اشتباہ ہو۔ جو تاویل کیے بغیر دور نہ ہو۔

(۴) جن کے معنی ظاہر نہ ہوں اور جو ظاہر ہوں وہ مراد نہ ہوں بلکہ معنی ومراد دونوں مشتبہ ہوں۔

(۵) ایمان، عقائد اور احکام وغیرہ امور ضروریات دین میں ان آیات کے ظاہر معنی کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا بلکہ علماء راسخین کی تاویل کردہ وضاحت کو مشعل راہ بنانا لازمی ہے۔

(۶) حلال اور حرام کے معاملہ میں ان آیات کے ظاہری معنی پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

(۷) یہ آیات لوگوں کے ایمان وعمل کی آزمائش کے لیے ہیں۔

(۸) ان آیات میں چند وجوہ کا احتمال ہوتا ہے۔ یعنی ان آیات کی صحیح مراد بآسانی سمجھ میں نہیں آتی کہ ان آیات میں وارد الفاظ کا کس معنی ومراد میں استعمال ہوا ہے۔ ان کی صحیح مراد اللہ ہی جانتا ہے یا جس کو اللہ تعالیٰ اس کا علم عطا فرمائے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص:۹۰)

آیات متشابہات کے متعلق مزید وضاحت:-

قرآن مجید کی کون کون سی آیات متشابہات میں سے ہیں یہ طے کرنا بڑا ہی کٹھن مرحلہ ہے۔ لیکن صحابہ کرام، تابعین، ائمہ دین، مفسرین کرام اور علمائے راسخین نے اس معاملہ میں

عرق ریزی کرکے کافی حد تک کامیاب کوششیں فرمائی ہیں اور ان کی دوررس اور خوردبین نگاہ عمیق کے غور وخوض کے ثمرات نافعہ کی حیثیت سے کچھ مفید و نفع بخش ضوابط واصول متعین ہوئے ہیں۔ مثلاً:-

(الف) جن آیات کا کچھ بھی معنی معلوم نہیں یعنی چند سورتوں کی ابتدا میں کچھ حروف پوری آیت کی صورت میں وارد ہیں۔ مثلاً الٓمٓ یا الٓرٰ وغیرہ۔ جنہیں حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔ جن کے معنی و مراد اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں۔ وہ تمام آیات کہ جو حروف مقطعات پر مشتمل ہیں۔ ان تمام آیات کا شمار آیات متشابہات میں ہوگا۔ پورے قرآن مجید میں حروف مقطعات پر مشتمل آیات متشابہات کی تعداد انتیس (۲۹) ہے اور اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

- الٓمٓ = سورۂ البقرہ، آل عمران، عنکبوت، روم، لقمان اور سجدہ میں — کل:- ۶ مرتبہ
- حٰمٓ = سورۂ مومن، حٰم سجدہ، زخرف، دخان، جاثیہ، اور احقاف میں — کل:- ۶ مرتبہ
- الٓرٰ = سورۂ یونس، ہود، یوسف، ابراہیم، اور حجر میں — کل:- ۵ مرتبہ
- طٰسٓمٓ = سورۂ شعراء اور قصص میں — کل:- ۲ مرتبہ
- الٓمٓصٓ = سورۂ اعراف میں ◎ کٓھٰیٰعٓصٓ = سورۂ مریم میں — کل:- ۲ مرتبہ
- الٓمٓرٰ = سورۂ رعد میں ◎ طٰسٓ = سورۂ نمل میں — کل:- ۲ مرتبہ
- نٓ = سورۂ قلم میں ◎ حٰمٓ عٓسٓقٓ = سورۂ شوریٰ میں — کل:- ۲ مرتبہ
- صٓ ◎ قٓ ◎ طٰہٰ ◎ یٰسٓ اپنے اپنے نام کی سورتوں میں — کل:- ۴ مرتبہ

میزان ← کل - ۲۹ مرتبہ

ان حروف مقطعات کے معنی اور مراد کو اللہ و رسول کوئی ہے۔ سورۂ مریم کی تفسیر میں مروی ہے کہ جب آیت کریمہ کٓھٰیٰعٓصٓ نازل ہوئی اور ظاہر ہے کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام وحی لے کر حاضر بارگاہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو کر عرض کی کہ ۔۔۔ تو حضور اقدس نے فرمایا میں سمجھ گیا ۔۔۔ فرمایا ۔۔۔ فرمایا گیا ہے

جان لیا۔ پھر حضرت جبرئیل نے عرض کی "ی" واقف رموز واسرار الٰہیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے معلوم ہوگیا۔ حضرت جبرئیل نے عرض کی "ع" اس پر عالم ماکان ومایکون نے فرمایا میں نے جان لیا۔ پھر حضرت جبرئیل نے عرض کی "ص" اس پر حضور اکرم نے فرمایا سمجھ گیا۔ الغرض آیت کریمہ کھیٰعص۔ کے ہر حرف پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معلوم کرلیا یا میں نے جان لیا۔ اس ارشاد پر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی یارسول اللہ! لیکن میں تو کچھ بھی نہیں سمجھا۔ تو جب وحی لانے کی عظیم خدمت انجام دینے والے حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حرف مقطعات کے معنی ومراد سے آگاہ نہیں ہوسکے تو لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ ان کا مطلب ومراد "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ" ان کی نسبت قول راجح یہی ہے کہ "وہ اسرار الٰہی اور متشابہات سے ہیں۔ ہم اس کے حق ہونے پر ایمان لاتے ہیں۔" (تفسیر خزائن العرفان، ص:۱۰۹۲)

(ب) جن آیات کا لفظی ظاہر معنی تو معلوم ہو مگر اس معنی کا اطلاق کرنا اسلامی عقائد اور نظریات کی بنا پر غیر مناسب اور خلاف شان الوہیت ہو، اُن آیات کا شمار بھی متشابہات میں ہوگا۔ مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ جسم سے، اعضاء جسم سے، جہت وسمت سے، مکان ومقام سے، اور محدود ومنتہی ہونے سے پاک ومنزہ ہے۔ لیکن قرآن مجید کی کئی آیتوں میں وارد ہے کہ اللہ کا ہاتھ، اللہ کی نظر، اللہ کا رخ، اللہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ وغیرہ ذیل میں بطور مثال چند آیات پیش خدمت ہیں:۔

⊙ مثال نمبر ۱:۔ "یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ"

(پارہ:۲۶، سورۃ الفتح، آیت:۸)

ترجمہ:۔ "ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔" (کنزالایمان)

نوٹ:۔ یہاں ہاتھ سے مراد جسمانی عضو ہاتھ نہیں لیا جائے گا بلکہ یہاں ہاتھ سے مراد اللہ کی مدد، پشت پناہی، اللہ کا کرم، اللہ کی نصرت وغیرہ مراد لی جائے گی۔

⊙ مثال نمبر ۲:۔ "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ"

(پارہ:۱، سورۃ البقرہ، آیت:۱۱۵)

ترجمہ:- "تو تم جدھر منہ کرو اُدھر وجہ اللہ ہے۔" (کنز الایمان)

نوٹ:- وَجْهُ کے معنی چہرہ، رُخ، منہ وغیرہ ہیں۔ اس آیت میں "وَجْهُ اللّٰہِ" کا کلمہ وارد ہے۔ اس کے ظاہری معنی اللہ کا چہرہ، اللہ کا رُخ ہرگز نہیں اخذ کیا جائے گا۔ بلکہ یہاں وَجْهُ اللّٰہ سے مراد اللہ کی رحمت کا متوجہ ہونا مراد لیا جائے گا۔ اور آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ "تو تم جدھر منہ کرو اُدھر اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہے۔" (کنز الایمان)

◉ **مثال نمبر ۳:-** "وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا"

(پارہ: ۲۷، سورۃ الطور، آیت: ۴۸)

ترجمہ:- اور اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔" (کنز الایمان)

نوٹ:- آیت میں "اَعْيُنِنَا" کا لفظ وارد ہے جس کے لفظی معنی "ہماری آنکھیں" ہوتا ہے لیکن یہاں اللہ کی آنکھیں ایسا ترجمہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی تاویل کر کے ہماری آنکھوں سے مراد ہماری نگہداشت لی جائے گی۔ جیسا کہ کنز الایمان کے ترجمہ میں ہے۔

◉ **مثال نمبر ۴:-** "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى"

(پارہ: ۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت: ۵)

ترجمہ:- "وہ بڑی مہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔" (کنز الایمان)

نوٹ:- اس آیت میں "استویٰ" کا لفظ ہے۔ اس لفظ کے ظاہری معنی میں اس آیت کا ترجمہ صحیح نہیں ہوگا کیونکہ "استویٰ" کے معنی ہیں "بیٹھنا" یا "جلوس کرنا" اگر صرف ظاہری معنی پر اکتفا کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ کیا جائے گا تو ترجمہ یہ ہوگا۔ "رحمٰن نے عرش پر جلوس فرمایا" یا "رحمٰن عرش پر بیٹھا" اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بیٹھنے سے اور مقام سے پاک ہے لہٰذا ظاہری معنی سے انحراف وروگردانی کرتے ہوئے،

اس لفظ کی مناسب تاویل کی جائے گی اور وہی ترجمہ صحیح ہے جو ہم نے کنزالایمان شریف سے نقل کیا ہے۔

⊙ مثال نمبر ۵:- وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔

(پارہ:۲۶، سورۂ ق، آیت:۱۶)

ترجمہ:- ''اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔''

نوٹ:- اس آیت میں لفظ ''اَقْرَبُ'' وارد ہے۔ جس کا ظاہری اور لفظی ترجمہ ''زیادہ قریب'' یا ''زیادہ نزدیک'' ہوتا ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ان الفاظ کی نسبت واضافت ناروا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک وبے نیاز ہے لہذا ان الفاظ کی معنوی تاویل کرنی لازمی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:- ''یہ رگ گردن میں ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ انسان کے اجزاء ایک دوسرے سے پردہ میں ہیں اور اللہ کے لیے کوئی پردہ نہیں۔'' (تفسیر خزائن العرفان، ص:۹۳۴)

یہاں تک پیش کی گئی مثالوں اور دیگر آیاتِ قرآنیہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ⊙ یَدٌ یعنی ہاتھ ⊙ وَجْهٌ یعنی چہرہ ⊙ عَيْنٌ یعنی آنکھ ⊙ اِسْتَوٰى یعنی بیٹھنا ⊙ فَوْقَ یعنی اوپر ⊙ اَقْرَبُ یعنی بہت قریب اور ⊙ جَآءَ یعنی آیا کے الفاظ وارد ہیں۔ ان الفاظ کے ظاہری اور لفظی معنوں کا ترجمہ کرکے اس کی نسبت واضافت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات مقدس کے لیے نہیں کی جاسکتی کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ان تمام باتوں سے پاک اور منزہ ہے لہذا ان الفاظ کی مناسب معنوی تاویل کرنی ہوگی اور جب آیت کے الفاظ کی معنوی تاویل کی ضرورت پیش آئی تو اب وہ آیات محکمات سے نہ رہیں بلکہ آیات متشابہات میں شمار کی جائیں گی۔

(ت) وہ آیات جن کے الفاظ کے ظاہری اور لفظی معنی کو دلیل بنا کر کسی کو نبوت ورسالت کے اعلیٰ منصب کی تعظیم وتوقیر کے خلاف معنی اخذ کرکے تنقیص وتوہین کرنے کی جرأت ہو بلکہ آیت کے الفاظ کے ظاہری لفظی معنی کسی بھی نبی ورسول کے علوِ مرتبت کے منافی معلوم ہوتے ہوں، اُن تمام آیتوں کا بھی آیاتِ متشابہات میں شمار ہوگا۔

ان آیتوں کی ایسی مناسب تاویل کرنی ہوگی کہ تاویل کرنے پر آیت کا ترجمہ لغت کے خلاف نہ ہو اور اس ترجمے سے عصمت انبیائے کرام پر حرف بھی نہ آئے۔ مثلاً:-

⊙ "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" (پارہ:۲۶، سورۃ الفتح، آیت:۲)

⊙ "وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِيْ" (پارہ:۱۳، سورۃ یوسف، آیت:۵۳)

⊙ "وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى" (پارہ:۱۶، سورۃ طٰہٰ، آیت:۱۲۱)

⊙ "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" (پارہ:۲۶، سورۃ محمد، آیت ۱۹)

⊙ "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى" (پارہ:۳۰، سورۃ الضحیٰ، آیت:۷)

⊙ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۱) پارہ:۱۶، سورۃ الکہف، آیت:۱۱۰

(۲) پارہ:۲۴، سورۃ حم سجدہ، آیت:۶)

مندرجہ بالا تمام آیات کا شمار آیاتِ متشابہات میں ہوتا ہے۔ کیونکہ ان آیات کے ظاہری اور لفظی معنی کو دلیل بنا کر مخالفین ومنافقین کو تنقیص وتوہین رسالت ونبوت کی جرأت ہوتی ہے۔ مشاہدہ اور تجربہ شاہد ہے کہ دورِ حاضر کے منافقین ان آیات کو پیش کر کے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توہین وگستاخی کرتے ہیں۔

انشاء اللہ مندرجہ بالا آیات کی وضاحت اور اس کی صحیح تفہیم ہم اگلے صفحات میں زیور گوشِ سامعین اور بزدتِ عیونِ ناظرین کرنے کی سعی بلیغ کریں گے۔

یہاں تک کی ہماری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات محکمات اور بعض آیات متشابہات ہیں۔ آیاتِ محکمات کے الفاظ کے ظاہری اور لفظی معنوں سے آیت کے معنی اور مراد دونوں ظاہر ہوتے ہیں اور جن کے سمجھنے میں تاویلات کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں ہوتی لہٰذا ان آیات سے ایمان وعقائد، عبادت ومعاملات اور حلال وحرام وغیرہ کے احکام نکالے اور طے کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن آیاتِ متشابہات کے الفاظ کے ظاہری اور لفظی معنوں سے آیت کے معنی اور مراد دونوں صاف اور واضح طور پر ظاہر نہیں ہوتے بلکہ اس میں اشتباہ ہوتا ہے اور جن کو سمجھنے کے لیے لغت کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب تاویلات کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا ان آیات سے ایمان وعقائد، عبادات ومعاملات اور حلال وحرام وغیرہ کے احکام اس کے

لفظی معنوں سے اخذ نہیں کیے جا سکتے۔

آیاتِ محکمات اور آیاتِ متشابہات دونوں پر ہمارا ایمان ہے۔ دونوں حق ہیں۔ جو مؤمن ہوتا ہے وہ آیاتِ محکمات پر سرِ تسلیم خم کر کے اس پر عمل پیرا ہوتا ہے اور آیاتِ متشابہات میں اپنی رائے زنی سے باز رہتا ہے لیکن جو منافقین ہوتے ہیں، وہ آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ قرآن مجید سے ایسی متشابہات آیات چن چن کر نکالیں گے۔ ان آیات کے ظاہر پر حکم کریں گے اور گمراہی پھیلانے کے فاسد ارادہ سے اس کی باطل و مفسد تاویلیں کریں گے۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآنِ مجید میں ارشاد ہے کہ:۔

"منافقین آیاتِ متشابہات کے ظاہری معنی کو دلیل بنا کر گمراہیت پھیلاتے ہیں"

آیاتِ متشابہات کو دلیل بنا کر گمراہیت پھیلانے والوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

"فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ"
⊙ = پارہ: ۳، سورۂ آل عمران، آیت: ۷ = ⊙
ترجمہ:- "وہ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں۔ گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو۔" (کنز الایمان) تفسیر:- "یعنی گمراہ اور بدمذہب لوگ ہوائے نفسانی کے پابند ہیں اور اس کے ظاہر پر حکم کرتے ہیں یا تاویل باطل کرتے ہیں اور یہ نیک نیتی سے نہیں بلکہ شک و شبہ میں ڈالنے اپنی خواہش کے مطابق، باوجودیکہ وہ تاویل کے اہل نہیں۔" (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۹۱)

⊙ حلِّ لغت:- کجی = ترچھاپن، ٹیڑھاپن (حوالہ:- فیروز اللغات، ص ۹۹۵)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی (Crookedness) یعنی ٹیڑھاپن ہوتا ہے وہی لوگ ... کے پیچھے پڑتے ہیں اور

گمراہی پھیلانے کے فاسد ارادے سے ان آیات کے اپنی خواہش کے مطابق من بھاتے تراجم کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں تفسیر میں وارد ہے کہ ایسا کرنے والے "ہوائے نفسانی کے پابند ہیں" یعنی نفس کی خواہش ولالچ کے پابند ہیں۔ ایسے لوگ تخیلات فاسدہ (Sinful thoughts) کے عادی ہوتے ہیں اور لوگوں کو شک وشبہ کے ذریعہ فتنہ میں مبتلا کرنے کی غرض سے آیات متشابہات کے غلط مفہوم بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے احادیث میں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

حدیث :- ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:-

"مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِرَاْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ"

ترجمہ:- "جو شخص قرآن شریف میں اپنی رائے کے مطابق معنی بیان کرے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔" (حوالہ:- مشکوۃ شریف، ص:۳۵)

حدیث :- ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:-

"مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ"

ترجمہ:- "جو شخص بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے، وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔" (بحوالہ:- فتاوٰی رضویہ، جلد:۹، جز اول، ص:۹۶)

حدیث :- بخاری شریف ومسلم شریف وغیرہما میں ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور انور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ" (الخ) پوری آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ:-

"فَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ

سَمّٰی اللّٰہُ فَاحْذَرْهُمْ"

ترجمہ:- "جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو آیاتِ متشابہات کی پیروی کر رہے ہوں تو سمجھ لو کہ وہ وہی ہیں جن کے دلوں میں کجی اور گمراہی ہے۔ تم ان لوگوں سے بچتے رہنا۔"

"ایک نہایت عبرت انگیز واقعہ"

علامہ امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل دارمی سمرقندی (المتوفی ۲۵۵ھ) اپنی "مسند" میں حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ:-

"امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں "صبیغ" نامی ایک شخص مدینہ منورہ میں وارد ہوا اور جن جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس قرآنی ذخائر یا قرآنی اجزاء موجود تھے ان کی خدمات میں آمد و رفت شروع کی اور ان حضرات صحابہ کی مدد سے ان ذخائر اور اجزاء میں سے آیاتِ متشابہات کو تاویلات فاسدہ کی غرض سے علیحدہ کرنا شروع کیا۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے "صبیغ" کو دربار خلافت میں طلب فرمایا اور کھجور کے درخت کی شاخیں منگوائیں۔ جب صبیغ دربار خلافت میں حاضر ہوا تو حضرت فاروق اعظم نے اس سے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے کہا میرا نام تو عبداللہ بن صبیغ ہے مگر میں صبیغ کے نام سے مشہور ہوں۔"

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم نے اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع نہیں دیا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو حتمی اطلاعات فراہم کی تھیں ان پر اعتماد کرتے ہوئے صبیغ و کھجور کی شاخوں سے [illegible] کھجور کی شاخیں

ٹوٹ گئیں مگر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے پیٹتے رہے یہاں تک کہ اس کے سر سے خون کے فوارے جاری ہو گئے اور اس کی تہبند بھی خراب ہو گئی۔ پھر آپ نے پیٹنا موقوف فرمایا اور اسے قید میں ڈال دیا۔ جب صبیغ قید خانے میں چند دنوں رہنے پر صحت یاب ہو گیا تو امیر المؤمنین نے اسے دوبارہ دربار خلافت میں طلب فرمایا۔ مگر صبیغ نے اپنی کرتوت سے باز آنے کا انکار کیا۔ چنانچہ امیر المؤمنین نے اسے دوبارہ پیٹنا شروع فرمایا اور جب صبیغ پیٹتے پیٹتے خون سے تر بتر ہو گیا تو امیر المؤمنین نے اس سے پوچھا "اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" صبیغ نے اڑیل اور سرکش ہوتے ہوئے کہا کہ "اگر آپ کا ارادہ قتل کرنے کا ہے تو مجھے بے شک قتل کر دیجئے لیکن جب تک میں زندہ ہوں اپنے کام سے باز نہیں آنے والا"

امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ "اگر مجھے یقین ہوتا کہ تمہارے قتل کرنے سے یہ فتنہ ختم ہو جائے گا تو یقیناً میں تجھے قتل کر دیتا لیکن میں جانتا ہوں کہ جس دروازہ کو تم نے کھولا ہے وہ بند ہونے والا نہیں۔" لہذا مدینہ منورہ کو اپنے وجود سے آج ہی پاک کر دو اور جہاں سینگ سمائے چلے جاؤ۔" عبداللہ بن صبیغ نے اسی وقت ملک شام کا راستہ اختیار کیا اور ملک شام (Syria) چلا گیا۔

امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک شام کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط ارسال فرمایا اور یہ حکم تحریر فرمایا کہ عبداللہ بن صبیغ کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے اور کوئی بھی مسلمان اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ کرے۔"

(بحوالہ:۔قرآنی علوم، ص:۱۴۰)

اس واقعہ میں امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ ارشاد گرامی کہ "اگر مجھے یقین ہوتا کہ تمہارے قتل کرنے سے یہ فتنہ ختم ہو جائے گا تو یقیناً میں تجھے قتل کر دیتا۔" قابل غور و توجہ ہے کہ یہ فتنہ صرف عبداللہ بن صبیغ کی شخصیت تک ہی منحصر اور محدود نہ تھا بلکہ بقول حضرت فاروق اعظم "میں جانتا ہوں کہ جس دروازہ کو تم نے کھولا ہے وہ بند ہونے والا نہیں۔" ۱۹ھ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کی ہوئی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی ہے کیونکہ خلافتِ فاروقی کے زمانے سے لے کر آج تک یعنی اس پیشین گوئی کے چودہ سو سال بعد تک

یہ فتنہ جاری ہے بلکہ دورِ حاضر میں یہ فتنہ اپنے شباب پر ہے کیونکہ دورِ حاضر کے منافقین بارگاہِ رسالت میں گستاخی اور توہین کرنے کی غرض سے ہمیشہ آیاتِ متشابہات ہی بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں اور قرآن کے نام پر اور قرآن ہی کے ذریعہ امتِ مسلمہ میں فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں۔

دورِ حاضر کے منافقین نے ماحول ایسا پراگندہ بنادیا ہے کہ جاہل ملاؤں کی تبلیغی ٹولی کے ساتھ دہلی یا مدراس کا ایک چلہ کرآنے والا "اجہل مبلغ" اپنے آپ کو مولانا، مولوی، مفتی، محدث یا مفسر سے کم نہیں سمجھتا۔ جن جہلاء کو استنجا، طہارت اور نماز کے مسائل کی بھی معلومات نہیں ہوتی ان کو چالیس دن کے چلے کے درمیان دو۔چار آیاتِ متشابہات رٹا دی جاتی ہیں اور وہ جہلا ان آیاتِ متشابہات کے لفظی معنوں کو بطورِ دلیل پیش کرکے بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی و بے ادبی کرنے کی گھناونی حرکت وجرأت کرتے ہیں۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ دورِ حاضر کے منافقین کی بے راہ روی اور علمی بے مائگی کا یہ عالم ہے کہ قرآن کی آیات کے ⊙ محکم ⊙ متشابہ ⊙ مقدمہ ⊙ مؤخرہ ⊙ عامّہ ⊙ خاصّہ ⊙ مجملہ ⊙ مُبَیَّنہ ⊙ ناسخہ ⊙ منسوخہ ⊙ مطلقہ ⊙ منطوقہ ⊙ مبہمہ ⊙ مفہومہ کے احوال کا جنہیں ضروری اور لازمی علم نہیں اور جو قرآن مجید کے اندازِ بیان کے اہم شعبے مثلاً ⊙ حقیقت ⊙ مجاز ⊙ تشبیہ ⊙ استعارات ⊙ معنیٰ ⊙ ربط ⊙ تعریض ⊙ کنایات ⊙ ایجاز ⊙ اطناب ⊙ حصر ⊙ اختصار ⊙ مبتدا ⊙ خبر ⊙ انشاء وغیرہ سے مکمل بے خبر اور جاہل بلکہ اجہل ہوتے ہیں وہ قرآنی تعلیم، قرآن فہمی اور تفہیم کے مبلغ اعظم اور مفسر اجل بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ تبلیغ دین کے نام پر وہ ضَالٌّ وَّمُضِلٌّ کی تحریک چلاتے ہیں۔

⊙ سیدنا عمر فاروقِ اعظم کا ارشادِ گرامی:۔

عالم الغیب والشھادہ، ربِ تبارک وتعالیٰ کے غیب جاننے والے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غیب داں جلیل القدر صحابی، سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آج سے چودہ سو سال پہلے آج کے دور کے منافقین کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

وَاٰخِرَجَ الدارمی ... بِاٰیٰتِکُمْ

نَاسٌ یُجَادِلُوْنَکُمْ بِمُتَشَبِّهٰتِ الْقُرْآنِ۔ فَخُذُوْهُمْ بِالسُّنَنِ فَاِنَّ اَصْحَابَ السُّنَنِ اَعْلَمُ بِکِتَابِ اللّٰهِ۔

ترجمہ — ''ایسے لوگوں کا ظہور ضرور ہوگا، جو قرآن کی آیاتِ متشابہات کے ذریعے مسلمانوں سے جھگڑا کریں گے۔ ان کو سنت (ارشاد نبوی) سے پکڑو۔ کیونکہ اہل سنت کے علماء اللہ کی کتاب (قرآن) کو زیادہ جاننے والے ہیں۔''

بارہا کا تجربہ ہے کہ آیاتِ متشابہات کے ظاہری لفظی معنوں کو بطور دلیل پیش کرنے والے دورِ حاضر کے منافقین کا جب کسی سنی عالم سے سابقہ پڑتا ہے، تو وہ منافق مبلغ اپنی بغلیں جھانکتا ہوا، نو دو گیارہ ہو کر راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی خیر و عافیت محسوس کرتا ہے۔

⊙ آیاتِ محکمات و متشابہات کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس کا ارشاد عالی:

جلیل القدر صحابی رسول، رئیس المفسرین، حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام علوم تفسیر قرآن میں ایسا ارفع و اعلیٰ ہے کہ آپ زمانہ صحابۂ کرام سے آج تک ''ترجمان القرآن'' کے معزز منصب پر فائز ہیں۔ جن کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"نِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرْآنِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ"

ترجمہ — ''عبداللہ بن عباس قرآن مجید کا بہترین ترجمان ہے۔'' اسی لیے آپ کا لقب ترجمان القرآن ہے۔

⊙ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن عباس کے متعلق بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ شخص آپ کی امت کا ''حبر'' ہونے والا ہے۔ (اخرجہ ابو نعیم)

حضرت جبرئیل کی عرض کردہ اطلاع کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس سے کثرت علم اور ثقاہت کا یہ عالم ہوا کہ آپ کا لقب ''حبر الامۃ'' یعنی امت کا زبردست عالم دین ''مشہور ہوا۔

- امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرماتے تھے کہ اپنی جوانی ہی میں پختہ عمر کو پہنچ گئے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو واضح البیان اور دل کو عظیم دانش کدہ بنایا ہے۔
- حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی کم عمر تھے۔ نوجوانی کے عالم میں تھے۔ جوانی کے شباب کی بہاریں بھی ابھی نہیں آئی تھیں لیکن آپ کے تفقہ فی الدین اور علم تفسیر سے حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر متاثر تھے کہ آپ کو اصحاب بدر صحابہ کے ساتھ بٹھاتے تھے۔

اجلہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن مجید کی آیتوں کی صحیح تفسیر اور تفہیم کے لیے ہمیشہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہی رجوع فرماتے تھے۔

وہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:-

''آیاتِ محکمات و آیات متشابہات دونوں قسم کی آیتیں منجانب اللہ ہیں لہٰذا دونوں کے حق و صداقت پر ہمارا ایمان ہے مگر دینیات اور شرعی احکام کا دارومدار آیاتِ محکمات پر ہے اس لیے آیات متشابہات کو احکام شرع یا دینیات میں بطور استشہاد (سند) پیش نہیں کیا جاسکتا''
(اخرجہ ابن حاتم)

حدیث:- طبرانی میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

''میں اپنی امت پر تین چیزوں کا خوف کرتا ہوں۔ (۱) زیادتی مال جو باعث حسد ہو (۲) جنگ و جدال (۳) متشابہات کی تاویل''

حدیث:- ابن فردویہ نے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

''قرآن کی جن آیتوں کو سمجھ سکو (یعنی محکمات) ان پر عمل کرو اور متشابہات پر ایمان لے آؤ۔'' (دونوں احادیث بحوالہ۔ تفسیر نعیمی، جلد:۳، ص:۲۱۳)

الحاصل! صحیح العقیدہ مومن متشابہات کی تاویل کے پیچھے نہیں پڑتے بلکہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم متشابہات پر ایمان لے آئے۔ ان کے جو معنی ہیں وہ حق ہیں۔ ان کی مراد اللہ اور رسول کو معلوم ہے۔ ان کے معنی اور مراد ہماری عقل وفہم میں آئیں یا نہ آئیں، مگر یہ آیات ہمارے رب کی طرف سے ہونے کی وجہ سے ہم ان کی حقانیت وصداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔

لیکن ! فاسد العقیدہ منافقین متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ اور آیت کے ظاہری الفاظ کی جھوٹی اور باطل تاویلیں کرتے ہیں۔ تفسیر میں ہے کہ:۔

⊙ ''اصطلاح میں کسی لفظ کو ظاہری معنی سے پھیرنا تاویل کہلاتا ہے۔ یہاں وہ باطل تاویلیں مراد ہیں جو عقائدِ اسلامیہ کے خلاف ہوں۔ اور مفسدین کی مرضی کے مطابق یعنی الفاظ کو توڑ مروڑ کر اپنا مطلب نکالنا یعنی ایسے بے دین لوگ محض گمراہی پھیلانے، مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے کشت وخون کرانے اور لوگوں کو بہکانے کے لیے نیز اپنے مطلب کے موافق قرآن بنانے کے لیے آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ محکم آیتوں اور روشن احکام کی پرواہ نہیں کرتے۔''

(حوالہ:۔ تفسیر نعیمی، جلد:۳، ص:۳۰۸)

المختصر! دورِ حاضر کے منافقین انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی بارگاہ میں بے ادبی اور گستاخی کرنے کے اپنے مطلب فاسد کی غرض سے ہمیشہ قرآن مجید کی آیاتِ متشابہات کو بطور سند اور دلیل پیش کر کے فتنہ اور فساد برپا کرتے ہیں اور ملّتِ اسلامیہ کو آپسی خانہ جنگی اور گمراہیت کے گہرے دلدل میں پھنسانے کی سعی متبوحہ اور حرکتِ نازیبا کرتے ہیں۔

"اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ" آیاتِ متشابہات سے ہے

حضورِ اقدس رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہمسری کا دعوٰی ثابت کرنے اور حضورِ اقدس کو اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کے فاسد ارادے سے دورِ حاضر کے منافقین بڑے

ہی طمطراق سے قرآن مجید کی آیت شریف "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" بطور دلیل اور سند پیش کرتے ہیں لیکن اصطلاحِ قرآن کے مطابق یہ آیت آیاتِ متشابہات میں شمار ہوتی ہے۔
ذیل میں ہم ملتِ اسلامیہ کے عظیم اماموں اور محققوں کی معتمد اور معتبر کتابوں کے چند حوالے پیش کرتے ہیں جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔

حوالہ ۱:- شیخ محقق، شاہ محمد عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک محدث دہلوی قدس سرہ العزیز (المتوفی ۱۰۵۲ھ) اپنی کتاب "مدارج النبوۃ" میں فرماتے ہیں کہ:-

"وہ آیات جن میں انبیائے کرام کے لیے صفات عمومی ثابت کیے جائیں وہ متشابہات ہیں۔ جیسے "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" اور "فَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى" اور "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ"۔

حوالہ ۲:- تفسیر احمدی

"تمام وہ آیتیں جن سے انبیائے کرام کا گنہگار ہونا معلوم ہوتا ہو، ان سب کی تاویل واجب ہے۔ جیسے ⊙ وَهَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ⊙ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" ⊙ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى" وغیرہ۔ گویا ان کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ آیتیں متشابہات ہیں۔"

(دونوں حوالے بحوالہ:- تفسیر نعیمی، جلد:۳، ص:۳۱۱)

"بارگاہ رسالت میں گستاخی کرنے کی غرض سے منافقینِ زمانہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کی طرح دیگر آیاتِ متشابہات کو بھی دلیل بناتے ہیں"

دورِ حاضر کے منافقین بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی و بے ادبی کرنے

کی غرض سے قرآن مجید کی ان آیاتِ متشابہات کو پیش کرتے ہیں جن آیات کے لفظوں کے ظاہری اور لغوی معنوں کی تاویل کرنا واجب ہے۔ ان آیات کے لفظی معنوں کو بطور دلیل وسند پیش کر کے لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ بلکہ لوگوں کو بارگاہِ رسالت میں گستاخی کرنے کی جرأت دلاتے ہیں۔ ان منافقین کے پیشواؤں کے دام فریب میں آکر ان کے جاہل مبلغین برسرعام دلیری سے توہین وتنقیص بارگاہِ رسالت کرتے ہیں۔ راقم الحروف سے ایک مرتبہ تبلیغی جماعت کے ایک جاہل مبلغ نے یہاں تک کہا کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گناہ سرزد ہوئے تھے اور اللہ نے انہیں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کا حکم فرمایا۔ اور اپنے اس فاسد عقیدہ کے ثبوت میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ بطور سند پیش کی:۔

⊙ "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ"

(پارہ:۲۶، سورۂ محمد، آیت:۱۹)

ترجمہ از منافقین:۔ "اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے۔"

ترجمہ از:۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی محمود الحسن دیوبندی، استاد مولوی اشرف علی تھانوی۔

اس آیت کے علاوہ ایک اور آیت بطور دلیل پیش کی تھی:۔

⊙ "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ"

(پارہ:۲۶، سورۂ الفتح، آیت:۲)

ترجمہ از منافقین:۔ "تاکہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردے"

معاذ اللہ !!!

ان آیات کے صحیح معنی کیا ہیں؟ اور آیت میں وارد لفظ "ذنب" سے استدلال کر کے منافقین کیسی کیسی دھوکہ دہی کرتے ہیں؟ اس کی وضاحت ہم ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں تفصیلاً کریں گے لیکن یہاں ہم قرآن مجید کی ایک اور متشابہ آیت پر تفصیلی گفتگو کر رہے ہیں جس آیت کو دلیل بنا کر منافقین زمانہ نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے۔ اور وہ آیت ہے:۔

⊙ "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى"

(پارہ:۳۰،سورۃ الضحیٰ،آیت:۷)

اس آیت کے منافقین زمانہ کے تین پیشواؤں کے تراجم ذیل میں درج ہیں:-

(۱) مولوی محمود الحسن دیوبندی:-"اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ دکھائی"

(۲) مولوی اشرف علی تھانوی:-"اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا، سو آپ کو شریعت کا رستہ بتلا دیا۔"

(۳) مولوی عبدالشکور کاکوری:-"اور پایا اس پروردگار نے آپ کو راہ سے بے خبر، پس ہدایت کی اس نے (آپ کو)"

اس آیت میں وارد لفظ "ضَالًّا" کا ترجمہ دورِ حاضر کے منافقین ⊙ گمراہ ⊙ بھٹکا ہوا ⊙ راہ سے بے خبر وغیرہ اخذ کر کے آیت کا غلط ترجمہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ظاہری نبوت سے سرفراز ہونے کے قبل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گمراہ، راہ یعنی شریعت سے بے خبر اور بھٹکے ہوئے تھے۔ مثلاً:-

⊙ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور دورِ حاضر کے منافقین کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے استاذ کہ جن کو علمائے دیوبند بڑے فخر سے "شیخ الہند" کے لقب سے ملقب کرتے ہیں، وہ مولوی محمود الحسن دیوبندی نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ:-

"اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ دکھائی"

اس ترجمہ میں مولوی محمود الحسن دیوبندی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ "بھٹکتا" کا استعمال کیا ہے۔ لفظ "بھٹکتا" کے معنی ہم لغت سے دیکھیں:-

⊙ بھٹکنا = گمراہ ہونا، آوارہ پھرنا (حوالہ:- جامع اللغات)

⊙ بھٹکنا = گمراہ ہونا، راہ بھولنا، آوارہ پھرنا (حوالہ:- فیروز اللغات، ص ۲۳۲)

⊙ دیوبندی مکتبہ فکر کے نامور مصنف اور جن کو منافقینِ زمانہ بَقِيَّةُ السَّلَف، حُجَّةُ الْخَلَف، حُجَّةُ الاسلام اور امام اہل سنت کے ناٹکلوں سے نوازتے ہیں، وہ مولوی عبدالشکور کاکوروی، [illegible] وضاحت کرتے

ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ:۔

⊙ "محاسن شرعیہ کی اصل اصول یعنی ایمان باللہ کی حقیقت بھی آپ نہ جانتے تھے۔"

⊙ "اخلاقی محاسن کے تین جز ہیں۔ تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدن۔ ان تینوں سے آپ قطعاً و اصلاً بے خبر تھے۔ جب آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب الٰہی کیا چیز ہے اور ایمان کیا چیز ہے تو اور محاسن سے آپ کو کیونکر آگہی ہو سکتی ہے۔"

⊙ "کبھی کچھ ایسے کلمات آپ کی زبان سے صادر نہیں ہوئے جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ اپنے لیے اس مرتبۂ عظمیٰ کی امید رکھتے ہیں، جو چالیس برس کے بعد آپ کو حاصل ہوا۔" (حوالہ۔ مختصر سیرت نبویہ، از مولوی عبدالشکور، ص ۳۳)

ناظرین کرام! غور فرمائیں کہ منافقین زمانہ آیت شریف "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ" کے ترجمہ کی آڑ میں بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کیسی سخت گستاخیاں کر رہے ہیں۔ مندرجہ بالا تراجم و تفسیر منافقین کا اقتباس یہ ہے کہ:۔

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! نعوذ باللہ من ذالک!

⊙ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھٹکے یعنی گمراہ اور بھولے ہوئے تھے۔

⊙ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شریعت سے بے خبر تھے۔

⊙ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راہ سے بے خبر تھے۔

⊙ چالیس سال کی عمر شریف تک ایمان باللہ کی حقیقت بھی نہ جانتے تھے۔

⊙ چالیس سال کی عمر شریف تک اخلاقی محاسن سے قطعاً و اصلاً بے خبر تھے۔

⊙ چالیس سال کی عمر شریف تک کتاب الٰہی اور ایمان کیا چیز ہے وہ بھی نہ جانتے تھے۔

⊙ چالیس سال کی عمر شریف تک آپ کو نبوت کے مرتبۂ عظمیٰ کی بھی امید نہ تھی۔

آیت کریمہ "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ" کا صحیح ترجمہ، تفسیر اور اس کی تفصیلی وضاحت پیش کرنے سے قبل یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ دورِ حاضر کے منافقین کے مندرجہ بالا نظریات و اعتقادات بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سخت گستاخی و بے ادبی ہونے کے ساتھ ساتھ ارشادات احادیث کے بھی متضاد ہیں۔

حدیث:- ⊙ امام احمد ⊙ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ⊙ حاکم ⊙ بیہقی اور ⊙ ابو نعیم نے میسرة الفجر سے، ونیز حضرت عرباض سے اور حضرت ابو ہریرہ سے ⊙ بزاز اور ⊙ طبرانی نے ''اوسط'' میں ⊙ ابو نعیم نے بہ طریق شعبی حضرت عبداللہ بن عباس سے ⊙ ابن سعد نے ابن ابی الجد عاء اور مطرف بن عبداللہ بن الشخیر اور عامر سے ⊙ طبرانی و ⊙ ابو نعیم نے ابی مریم غسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ

ترجمہ:- ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم روح وجسم خاکی کے درمیان تھے''

(حوالہ:- خصائص کبریٰ فی معجزات خیر الوریٰ، از:- امام اجل علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) اردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۲)

حدیث:- حافظ ابو الفضل ابن حجر ''شرح بخاری'' میں فرماتے ہیں کہ سیر واقدی میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اوائل عمر میں پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا اور ابن سبع نے ''الخصائص'' میں ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلا کلام جو آپ نے فرمایا وہ یہ تھا **"اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا"**۔ (حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۳۸)

اس قسم کی احادیث کثیر تعداد میں ہیں جن کا بیان کرنا یہاں ممکن نہیں۔ منجملہ ایک حدیث میں ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی تب دنیا میں تشریف لاتے ہی آپ نے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا اور اپنی امت کے لیے اپنے رب سے عرض کی **"رَبِّ هَبْ لِيْ اُمَّتِيْ"** یعنی ''اے رب! مجھے میری امت ہبہ فرمادے''۔

تو جو ذاتِ گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے وقت سے ہی نبی کے منصب اعلیٰ پر جلوہ افروز ہو، اور جس ذات گرامی نے دنیا میں تشریف لاتے ہی اللہ کی تکبیر کہی اور حمد بیان فرمائی اور اپنی امت کی بھلائی کے لیے دعا فرمائی، اُس

ذات گرامی کو اپنی پیدائش کے وقت ہی اللہ کے رب ہونے کا، اپنے نبی ہونے کا اور اپنی امت کا خیال تھا۔ وہ ذات گرامی جو اپنی ولادت باسعادت کے وقت اللہ کی وحدانیت، اپنی نبوت اور اپنی امت سے واقف ہو، اُس ذات گرامی کے لیے معاذ اللہ یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ چالیس سال کی عمر شریف ہونے تک ایمان باللہ کی حقیقت بھی نہ جانتے تھے وغیرہ وغیرہ کہنا یقیناً بارگاہ رسالت میں سخت گستاخی ہے۔ اور احادیث کے ارشادات کی خلاف ورزی ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی مخالفت ہے کیونکہ قرآن میں ہے کہ:-

"مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی"
⊙ = پارہ: ۲۷، سورۃ النجم، آیت: ۲ = ⊙
ترجمہ:- "تمہارے صاحب نہ بہکے، نہ بے راہ چلے" (کنز الایمان) تفسیر:- (۱) صَاحِبُکُمْ سے مراد سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ حضور انور نے کبھی طریق حق وہدایت سے عدول نہ کیا۔ ہمیشہ اپنے رب کی توحید وعبادت میں رہے۔ آپ کے دامنِ عصمت پر کبھی کسی امر مکروہ کی گرد نہ آئی۔ (۲) اور بے راہ نہ چلنے سے یہ مراد ہے کہ حضور ہمیشہ رشد وہدایت کی اعلیٰ منزل پر مُتَمَکِّن رہے اور اعتقادِ فاسد کا شائبہ بھی آپ کے حاشیۂ بساط تک نہ پہنچ سکا۔" (حوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص: ۹۳۶)

قرآن مجید کا صاف ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "مَا ضَلَّ" یعنی "کبھی نہیں بھٹکے" لیکن دورِ حاضر کے منافقین قرآن کے اِس ارشاد کے خلاف جا کر "ضَلَّ" کہتے ہیں یعنی "بھٹکے ہیں"۔ اگر معاذ اللہ حضورِ اقدس ہادیُ الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے یہ گمان کیا جائے کہ وہ "بھٹکا" تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو "راہ دکھائی" تو پھر قرآن مجید کی سورۃ النجم کی آیت کریمہ "مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ" کے کیا معنی رہیں گے؟ قرآن یہ فرما رہا

ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "کبھی نہیں بھٹکے" لیکن دور حاضر کے منافقین کہتے ہیں کہ "بھٹکے ہیں" قارئین کرام فیصلہ فرمائیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟

"وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى" کا صحیح ترجمہ وتفسیر اور آیت کی تفصیلی وضاحت وتفہیم"

جیسا کہ اوراق سابقہ میں ہم نے تفسیر احمدی، تفسیر خزائن العرفان اور کتاب مستطاب "مدارج النبوۃ" کے حوالوں سے عرض کیا ہے کہ "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى" آیات متشابہات میں سے ہے۔ اس آیتِ مقدسہ کی ایسی مناسب تاویل کرنا واجب ہے کہ آیت کا ترجمہ لغت کے خلاف نہ ہو اور اس ترجمہ سے عصمت انبیاء اور تعظیم وتوقیر رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حرف نہ آئے لیکن دور حاضر کے منافقین کو اس آیتِ متشابہ کے الفاظ کے ظاہری اور لغوی معنی اخذ کر کے، اس ظاہری معنی بیان کرنے میں نہ جانے کون سا لطف حاصل ہوتا ہے کہ ہر جگہ اس آیت سے غلط استدلال اور مفہوم اخذ کر کے حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عالی میں بھٹکنا، راہ سے بے خبر، گمراہ وغیرہ توہین آمیز الفاظ وجملے بولتے ہیں بلکہ کتابوں میں طبع کرتے ہیں۔

جب ان سے مؤدبانہ گزارش کی جاتی ہے کہ جناب! اس آیت کا آپ نے جو ترجمہ بیان کیا ہے وہ درست نہیں تو اپنے آپ کو علامۂ دہر اور مفسر اعظم سمجھتے ہوئے فوراً سورۃ الضحیٰ کی مذکورہ آیت پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ "ضَال" وارد ہے اور لفظ "ضال" کا ترجمہ گمراہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الفاتحہ کی آخری آیت "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" میں بھی "ضال" کا لفظ وارد ہے۔ "ضال" کی جمع (Plural) "ضالین" ہے۔ اور سورۂ فاتحہ کی آخری آیت کا ترجمہ ہے۔ "نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ ان کا جو

گمراہ ہوئے'' تو سورۂ فاتحہ میں ''ضال'' کے معنی گمراہ ہیں، وہی معنی اخذ کر کے ہم نے سورۃ الضحیٰ کی اس آیت کا ترجمہ کیا ہے کیونکہ اس آیت میں بھی لفظ ''ضالّ'' وارد ہے۔

واہ صاحب واہ! کیا بقراطی اور بے تکی منطق چھانٹی ہے؟ ان کور مغز اور کور باطن بلکہ سیاہ باطن منافقوں کو کون سمجھائے کہ قرآن مجید رب تبارک وتعالیٰ کا ایسا جامع اور مانع کلام ہے کہ اس کے ہر ہر لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کا کوئی ایک لفظ ہر جگہ صرف ایک ہی معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ موقع ومحل کے اعتبار سے متفرق معنی، مطالب ومراد میں مستعمل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ''ضالّ'' کو ہی لیجیے۔ لفظ ''ضال'' کے عربی لغت کے اعتبار سے چند معنی ہیں جیسے ⊙ گمراہ ⊙ بے خبر ⊙ آوارہ ⊙ انجان ⊙ بہکا ہوا ⊙ بے خود ⊙ وارفتہ ⊙ خود رفتہ ⊙ نثار ⊙ فریفتہ وغیرہ۔ لفظ ''ضال'' کا صرف گمراہ یا بے خبر معنی ہی اخذ کرنا بددیانتی اور ناانصافی ہے۔ قرآن مجید کی اعلیٰ اور بے مثال فصاحت وبلاغت کا یہ عالم ہے کہ ایک ہی لفظ الگ الگ موقعہ پر واقعہ کی متابعت کے اعتبار سے الگ الگ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً لفظ ''ضال'' سورۂ فاتحہ میں بے شک گمراہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ سورۂ فاتحہ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، اللہ تعالیٰ سے استعانت ومدد طلب کرنے کا اقرار، سیدھے راستہ پر چلانے کی دُعا اور گمراہ وبے دین لوگوں کے راستہ پر چلنے سے بچنے کی دُعا ہے جو آخری آیت ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ'' ہے۔ لیکن قرآن مجید میں ہر جگہ لفظ ''ضال'' گمراہ کے معنی میں وارد نہیں بلکہ موقع ومحل کے اعتبار سے دیگر معنوں میں بھی وارد ہے۔ مثلاً

⊙ سورۂ یوسف میں بھی لفظ ''ضالّ'' کا استعمال ہوا ہے لیکن سورۂ یوسف میں لفظ ''ضالّ'' کس معنی ومراد میں وارد ہوا ہے اسے بآسانی سمجھنے کے لیے موقعہ ومحل اور واقعہ کی صورتِ حال سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

''حضرت سیدنا یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے کل بارہ بیٹے تھے۔ ان بارہ بیٹوں میں سے آپ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت بن یامین کو زیادہ چاہتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس چاہت پدری پر حضرت یوسف کے دیگر

بھائیوں کو رشک وحسد ہوتا تھا لہٰذا جب یہ آپس میں جمع ہوتے تو اکثر ان کا موضوع سخن یہی ہوتا تھا کہ ہمارے والد محترم ہمارے مقابلہ میں حضرت یوسف اور بن یامین کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان سے زیادہ محبت وچاہت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائیوں کی مذکورہ گفتگو کا ذکر فرمایا گیا ہے اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائیوں کا مقولہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:۔

"اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ"
⊙ = پارہ: ۱۲، سورۂ یوسف، آیت: ۸ = ⊙
ترجمہ:۔ "بے شک ہمارے باپ صراحتاً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں" (کنزالایمان)

اس آیت میں لفظ "ضَلٰلٌ" وارد ہے جو "ضَالٌّ" سے مشتق اور ہم معنی ہے لیکن اس آیت میں یہ لفظ گمراہی کے معنی میں ہرگز وارد نہیں ہوا بلکہ یہاں یہ لفظ محبت میں وارفتہ ہونے کے معنی میں ہے۔ اگر اس آیت میں وارد لفظ "ضلال" کو گمراہی کے معنی میں اخذ کیا جائے گا تو واقعہ کی صحیح تذکیر وتفہیم ہی مفقود ہو جائے گی کیونکہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی اپنے والد کے ایمان واعتقاد یا عمل وارتکاب، عبادت وریاضت، تبلیغ، رشد وہدایت یا اور کسی معاملہ کے متعلق گفتگو نہیں کرتے تھے اور نہ ہی انہوں نے اپنے والد ماجد میں کوئی اعتقاد فاسدہ یا اعمال قبیحہ دیکھے تھے کہ جس کی وجہ سے یہ کہہ رہے تھے کہ "اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ" بلکہ ان کی گفتگو حضرت یوسف اور حضرت بنیامین سے والد ماجد کا زیادہ محبت کرنا اس سلسلہ میں ہو رہی تھی اور والد صاحب کی ان دونوں کی طرف محبت کا رجحان اور شفقت کی کثرت کو موضوع سخن بنا کر اسی موضوع کے ضمن میں ہی انہوں نے اپنے والد کو "ضَالٌّ" کہا تھا اور انہوں نے اپنے والد کو جس بناء پر "ضَالٌّ" کہا تھا وہ صرف اور صرف "محبت میں ڈوبنا" کے معنی ہی میں کہا تھا۔ گمراہیت کے معنی میں ہرگز نہیں کہا تھا۔ یہاں لفظ "ضَالٌّ" کا ترجمہ گمراہی کرنا

صراصر گمراہی اور ضلالت ہے۔ اسی طرح سورۂ الضحیٰ میں وارد لفظ "ضَــال" کا مطلب بھی گمراہی نہیں بلکہ "محبت میں ڈوبا ہوا" ہے۔ "وَوَجَدَكَ ضَــالًا فَهَدٰى" آیت میں وارد لفظ "ضَــال" کا ترجمہ کرنے میں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور تعظیم و توقیر ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے اور یہاں "ضَــال" کا ترجمہ گمراہی کرنے سے بارگاہ رسالت کی سخت توہین و بے ادبی ہے۔ یہاں لفظ "ضَال" کی مناسب تاویل کرتے ہوئے "محبت میں ڈوبا ہونا" کے معنی اور مراد میں ترجمہ کرنا ضروری ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ حضور اقدس جانِ ایمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "فَـنَـا فِي اللهِ" کی اعلیٰ منزل پر متمکن تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں "ضَــال" یعنی خود رفتہ پایا تو "فَهَـدٰى" یعنی اپنی طرف راہ دی یعنی معراج میں باعزت وتکریم بلا کر اپنے دیدار، حضوری اور قرب سے بہرہ مند فرمایا۔

اس حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام عشق و محبت، امام اہلسنت اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، شیخ الاسلام والمسلمین، امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس آیت کا جو ایمان افروز ترجمہ فرمایا ہے وہ قابل صد تحسین و آفرین ہے۔ ذیل میں ہم اس آیت کا کنز الایمان سے ترجمہ اور تفسیر پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

"وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى"
⊙ = پارہ: ۳۰، سورۂ الضحیٰ، آیت: ۷ = ⊙
ترجمہ:- "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" (کنز الایمان)
تفسیر:- "اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے اور علوم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ عطا کیے۔ اپنی ذات وصفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عنایت کیا۔ مفسرین نے ایک معنی اس آیت کے یہ بھی بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا وارفتہ پایا کہ اپنے نفس اور مراتب کی بھی خبر نہیں رکھتے تھے، تو آپ کو آپ کی ذات وصفات اور مراتب و درجات کی

معرفت عطا فرمائی۔

مسئلہ:۔ ''انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب معصوم ہوتے ہیں۔ نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی اور اللہ کی توحید اور اس کی صفات کے ہمیشہ عارف ہوتے ہیں۔'' (تفسیر خزائن العرفان، ص: ۱۰۹۷)

ہوسکتا ہے کہ کسی مخالف معترض کو یہ اعتراض ہو کہ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس آیت کے لفظ ''ضَالّ'' کا ترجمہ ''اپنی محبت میں خود رفتہ'' اور ''فَھَدٰی'' کا ترجمہ ''تو اپنی طرف راہ دی'' کیسے اور کس حوالہ سے کر دیا؟ اس سوال کا مدلل اور مفصل جواب حاصل کر کے اپنا ایمان تازہ کرنے کے لیے اب جو عنوان ارقام ہونے والا ہے اسے بہ نظر عمیق مطالعہ فرمائیں۔

''جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت ابو عبیدہ نے آیت شریف ''وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى'' کا کیا ترجمہ، تفسیر اور وضاحت بیان فرمائی ہے؟''

امین الامت، حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابیٔ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَ اَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْ عُبَيْدَةَ'' یعنی ''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابو عبیدہ ہیں۔'' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ۱۹ رسال کی عمر میں دعوتِ حق کو قبول کیا اور اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت ابو عبیدہ کا شمار ان مقدس حضرات میں ہوتا ہے جن کو ''عشرہ مبشرہ'' کہا جاتا ہے یعنی وہ دس مقدس حضرات جن کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت

دی تھی اور ان کے جنتی ہونے پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔

ناظرین کرام کی معلومات کے لیے ذیل میں حضرات عشرہ مبشرہ کے نام پیش خدمت ہیں:

(۱) امیر المؤمنین (عبداللہ) ابوبکر بن (عثمان) ابو قحافہ بن عامر بن عمر یعنی حضرت صدیق اکبر

(۲) امیر المومنین عمر بن خطاب بن نفیل یعنی حضرت عمر فاروق اعظم

(۳) امیر المؤمنین عثمان بن عفان بن العاص بن ابو امیہ بن عبداللہ یعنی حضرت عثمان غنی

(۴) امیر المومنین علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف یعنی حضرت مولیٰ علی مشکل کشا

(۵) حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح۔ لقب:۔ امین الامت

(۶) حضرت سعد بن ابی وقاص۔ لقب:۔ رجل صالح

(۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جن کو حضور اقدس کی نماز میں امامت کرنے کا شرف حاصل ہے۔

(۸) حضرت طلحہ بن عبید اللہ۔ لقب:۔ طلحۃ الخیر۔ ایمان لانے والوں میں آٹھویں شخص ہیں۔

(۹) حضرت زبیر بن العوام۔ لقب:۔ حواری رسول۔ حضور اقدس کی پھوپھی حضرت صفیہ کے صاحبزادے

(۱۰) حضرت سعید بن زید۔ لقب:۔ سعید الفطرت۔ حضرت عمر فاروق کے بہنوئی اور چچا زاد بھائی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وارضاہم عنا)

عشرہ مبشرہ کی مندرجہ بالا فہرست میں حضرت ابو عبیدہ کا اسم گرامی پانچواں ہے۔ آپ کا نام "عامر بن جراح" ہے لیکن آپ کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد اقدس کی وجہ سے آپ اپنے نام کے بجائے "امین الامت ابو عبیدہ" کے نام سے ہی مشہور ہیں۔

خلفائے راشدین آپ کی حد درجہ تعظیم و توقیر کرتے تھے اور تمام صحابہ کرام آپ کی

جلالت علم اور تفقہ فی الدین کے متفقہ طور پر قائل تھے۔

اسلامی لشکر کو ملک شام (Syria) فتح کرنے کے لیے امیر المؤمنین، اصدق الصادقین، امام المتقین، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب روانہ فرمایا تو اس لشکر کے "سپہ سالار اعظم" (Commander in chiet) کی حیثیت سے امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متعین فرمایا تھا۔ اسلامی لشکر نے ملک شام میں عظیم فتوحات حاصل کیں اور ملک شام کے اہم مقامات ⊙ ارکہ ⊙ تخنہ ⊙ حوران ⊙ بصریٰ ⊙ بیت لبیا ⊙ اجنادین ⊙ دمشق ⊙ حصن ابی القدس ⊙ جوسیہ ⊙ حمص ⊙ شیرز ⊙ رستن ⊙ حمات ⊙ قنسرین ⊙ بعلبک ⊙ یرموک اور ⊙ بیت المقدس (Jerusalem) فتح کر لیے۔ ان تمام مقامات کی فتوحات میں "جنگ یرموک" کی فتح اسلامی تاریخ میں سنہری حروف سے مرقوم ہے کیونکہ جنگ یرموک میں عیسائیوں کے لشکر کی تعداد گیارہ لاکھ سے بھی زیادہ تھی جب کہ اسلامی لشکر کی تعداد صرف پچاس ہزار کے قریب تھی لیکن اسلامی لشکر کے جاں باز اور کفن بردوش مجاہدوں نے رومی لشکر کو دن میں تارے دکھا دیے۔ اسلامی لشکر سے کل پانچ ہزار پانچ سو (۵۵۰۰) مجاہدین شہید ہوئے اور رومی لشکر کے تقریباً پانچ لاکھ سے بھی زائد سپاہی قتل ہوئے تھے۔

جنگ یرموک کی فتح عظیم سے پورے ملک شام پر اسلامی لشکر کا رعب اور دبدبہ چھا گیا اور ملک شام کے ہر شہر اور ہر قلعہ کا حاکم یقین کے درجہ میں جاننے لگا کہ اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنا بازیچۂ اطفال نہیں۔ لیکن ملک شام کے شہر "حلب" کے حاکم نے اسلامی لشکر کا بڑی دلیری و شجاعت سے مقابلہ کر کے اسلامی لشکر کو مشقت میں ڈال دیا۔ جنگ یرموک کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے "حلب" کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔

قلعۂ حلب کے حاکم کا تعارف اور اسلامی لشکر سے مقابلہ کی کیفیت:-

قلعہ حلب کے حاکم کا نام یوقنا تھا۔ اس کے چھوٹے بھائی کا نام "یوحنا" تھا۔ حاکم یوقنا اپنے والد بطریق کے نقش قدم پر چل کر سیاسی اور جنگی امور میں مہارت تامہ کا حامل تھا۔ وہ بذات خود بھی ایک دلیر، شجاع اور جنگ جو شہسوار تھا۔ جب کہ اس کا چھوٹا بھائی یوحنا نہایت نرم طبیعت کا عبادت گزار شخص تھا۔ سیاسی اور جنگی امور سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ دین نصرانیت کا زبردست عالم اور راہب تھا۔ تمام وقت وہ کنیسہ میں حاضر رہ کر توریت، انجیل اور دیگر کتب سماوی کی تلاوت ومطالعہ اور عبادت میں بسر کرتا تھا۔ اور وہی اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

جب اسلامی لشکر نے حلب کے قلعہ کا محاصرہ کیا، تو حاکم یوقنا نے اپنی فوج اور شہر کے تمام باشندوں کو ہتھیاروں سے لیس کر کے اسلامی لشکر کے مقابلہ کے لیے اُکسایا لیکن راہب یوحنا نے اپنے بھائی حاکم یوقنا کو عربوں سے جنگ نہ کرنے کا اور ادائے جزیہ کی شرط پر صلح کرنے کا مشورہ دیا۔ اس وجہ سے دونوں میں شدید اختلاف پیدا ہوا۔ راہب یوحنا نے اسلام کی صداقت اور حقانیت کا اظہار کرتے ہوئے کلمۂ شہادت پڑھا لہٰذا حاکم یوقنا خشم ناک ہوا اور اس نے اپنے حقیقی بھائی حضرت یوحنا علیہ الرحمہ کو شہید کر دیا۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ جنگ حلب کا واقعہ بالتفصیل بیان کریں۔ ملک شام کی تمام جنگوں کے تفصیلی احوال کے لیے فقیر راقم الحروف کی کتاب "سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب" کا مطالعہ فرمائیں۔

حاکم یوقنا نے اپنے بھائی یوحنا کو شہید کرنے کے بعد اسلامی لشکر کا ایسا سخت مقابلہ کیا کہ پورے ملک شام (Syria) میں کسی نے اسلامی لشکر سے ایسی ٹکر نہ لی تھی مثلاً:-

- کل ایک سو سڑسٹھ (۱۶۷) دن تک یوقنا نے اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا اور سخت جوابی کارروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شدید حملے کیے۔
- رات کے وقت سوئے ہوئے اسلامی لشکر پر چھاپہ مار کر مجاہدوں کو شہید وقید کرتا اور ان کا اسباب لوٹنا وغیرہ قسم کی ترکیبیں کرتا تھا۔

- رات کے وقت اسلامی لشکر کے کیمپ سے پچاس (۵۰) مجاہدوں کو قید کر کے لے گیا اور دوسرے دن قلعہ کی دیوار پر ان مجاہد قیدیوں کو چڑھایا اور اسلامی لشکر کے سامنے ان کو شہید کر دیا۔
- اسلامی لشکر کے لیے غلہ لینے گئے ہوئے قافلہ پر حملہ کر کے قافلہ کے سردار حضرت مناوش بن ضحاک کو مع تیس (۳۰) مجاہدوں کے شہید کر کے تمام غلہ لوٹ لیا۔
- جنگ کے دوران حاکم یوقنا نے قلعہ کی دیوار سے سخت حملہ کر کے سینکڑوں کی تعداد میں اسلامی لشکر کے مجاہدوں کو شہید کر دیا۔

الحتصر! حاکم یوقنا نے اسلامی لشکر کو سخت مشقت میں ڈال رکھا تھا۔ لیکن بالآخر اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ ہم ہمارے عنوان "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى" آیت کے ترجمہ کے تعلق سے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے ترجمہ و تفسیر کے سلسلہ میں مضمون کے اہم موڑ کی طرف بہت ہی قریب آ چکے ہیں لہٰذا اب تمام توجہات ملتفت فرما کر مطالعہ فرمائیں۔

حاکم یوقنا پیدائشی رومی تھا۔ اسے صرف رومی زبان ہی آتی تھی۔ عربی زبان سے وہ بالکل ناآشنا تھا۔ جنگ کے دوران حضرت ابوعبیدہ سے جنگ کے امور کے متعلق جب بھی گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی تب مترجم (Translator) کے توسط سے ہی گفتگو کی جاتی تھی۔ لیکن جب اسلامی لشکر حلب قلعہ میں داخل ہوا اور حلب کے باشندوں نے امان مانگی تو اسلامی لشکر کے سپہ سالار اعظم حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے ان کو امان دے دی، جب حاکم یوقنا حضرت ابوعبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ بجائے رومی زبان کے فصیح و بلیغ عربی زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت تعجب ہوا اور آپ نے حاکم یوقنا سے دریافت فرمایا کہ میری معلومات کے مطابق تم عربی زبان نہیں جانتے ہو لیکن اچانک اس طرح عربی زبان میں گفتگو کرنا کہاں سے حاصل ہوا؟

حاکم یوقنا کو حضورِ اقدس نے خواب میں ہی عربی زبان کا علم عطا فرما دیا:

امین الامت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال کے جواب میں حاکم یوقنا نے جو جواب دیا، اس جواب کو ہم امام ارباب سیر و تواریخ، ثقہ راوی، شیخ الاجل، امام العدل، علامہ محمد بن عمر واقدی المعروف بہ "علامہ واقدی" کے الفاظ میں دیکھیں:-

"پس کہا یوقنا نے **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** آیا تعجب کرتے ہو تم اے سردار اس حال سے۔ ابو عبیدہ بن الجراح نے کہا ہاں۔ یوقنا نے کہا کہ مین شب گزشتہ کو فکر اور اندیشہ کرتا تھا تمہارے کام مین کہ کیونکر مدد اور غلبہ لے گئے تم لوگ ہم پر حالانکہ کوئی گروہ تم سے زیادہ ضعیف ہمارے نزدیک نہ تھا۔ پس جب دل میں ڈالا مین نے تمہارے معاملہ کو تو سو گیا مین۔ پس دیکھا مین نے ایک شخص کو روشن تر چاند سے۔ پس پوچھا مین نے کیفیت اُن کی۔ پس کہا گیا مجھ سے کہ یہ **مُحَمَّد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہین۔ پس گویا مین سوال کرتا ہون کہ اگر یہ نبی صادق ہین تو درخواست کرین اپنے پروردگار سے آگاہ اور تعلیم کر دیوے مجھ کو پروردگار ساتھ زبان عربی کے۔ پس گویا اشارہ فرماتے ہین میری طرف اور درخواست کی اپنے پروردگار سے اس امر کی۔ پس بیدار ہو گیا مین اس حال میں کہ زبان عربی میں کلام کرتا تھا۔"

(حوالہ:- فتوح الشام، از:- علامہ واقدی علیہ الرحمہ
مطبوعہ:- نولکشور، لکھنؤ، اُردو ترجمہ، ص:۳۲۸)

ہم نے علامہ واقدی علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتاب "فتوح الشام" کے اُردو ترجمہ سے حرف بحرف حوالہ نقل کیا ہے۔ ایک سو (۱۰۰) سال پہلے کی اُردو زبان کا طرز تحریر موجودہ جدید اُردو سے متفرق ہے۔

پھر کیا ہوا؟ حاکم یوقنا نے کیا کیا؟

حاکم یوقنا نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ یہ خواب دیکھنے کے بعد میں اپنے مرحوم بھائی یوحنا کے گھر گیا اور یوحنا کی کتابوں کا خزانہ کھول کر آسمانی کتابوں، صحیفوں اور ملاحم کو پڑھا۔ تو ان میں میں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ پائے اور ان کے وہ حالات مرقوم پائے جو رونما ہونے والے تھے۔ ان حالات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے زیادہ تر دشمن یہودی ہوں گے۔ کیا واقعی ایسا ہوا ہے؟ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا: ہاں! واقعی قوم یہود کے لوگ ان کی عداوت میں غلو اور انتہا تک پہونچے تھے اور ان کی جان کے دشمن بن گئے تھے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو دشمنوں پر فتح اور غلبہ عطا فرمایا۔

حاکم یوقنا نے مزید کہا: کہ میں نے ان کی ایک صفت یہ پائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے امتیوں کو وصیت فرمائے گا کہ یتیموں اور مسکینوں کی مدد واعانت کرو۔ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا: کہ ہاں! اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام قرآن مجید میں اس امر کا حکم فرمایا ہے:-

"وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ"

(پارہ:۱۹، سورۃ الشعراء، آیت:۲۱۵)

ترجمہ:- "اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے۔" (کنزالایمان)

- پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:-

"اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْماً فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝"

(پارہ:۳۰، سورۃ الضحیٰ، آیت:۶ تا ۱۰)

ترجمہ:- "کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی ۝ اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی ۝ اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی

کر دیا⊙ تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو⊙ اور منگتا کو نہ جھڑکو⊙ (کنز الایمان)

امین الامت، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مذکورہ آیات تلاوت فرمائیں تو ان آیات میں سے ایک آیت "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى" سماعت کر کے حاکم یوقنا کو بہت تعجب ہوا۔ کیونکہ اس آیت میں لفظ "ضال" کی وجہ سے انہیں اشتباہ ہوا اور لفظ "ضال" کے ظاہری لفظی معنی "گمراہ" نے ان کو شک وشبہ میں ڈال دیا اور وہ حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ آیت میں وارد لفظ "ضال" کو اس کے ظاہری لفظی معنی پر محمول کرنے سے یہ آیت ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی لہذا انہوں نے اپنی حیرت اور شش وپنج کا اظہار کرتے ہوئے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح سے جو کہا وہ امام سیر و تواریخ حضرت علامہ واقدی نے اپنی کتاب میں اس طرح روایت فرمایا ہے کہ:-

"یوقنا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی نسبت صفت ضلالت کی کیوں بیان کی ہے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑے مرتبہ والے ہیں۔"

(حوالہ:- فتوح الشام، از:- علامہ واقدی، ص:۳۲۸)

لغت میں لفظ "ضال" کا ترجمہ گمراہ ہوتا ہے حالانکہ لفظ "ضال" دیگر بہت سے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن اکثر اس کا استعمال گمراہ کے معنی میں ہوتا ہے لہذا حاکم حلب حضرت یوقنا (عبداللہ) کے ذہن نے یہ بات قبول نہ کی۔ اس آیت کا ترجمہ ظاہری معنی سے دیکھیں:-

"وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى"

ظاہری لفظی ترجمہ:- "پایا آپ کو "ضال" پس ہدایت دی"

اس آیت کا آیات متشابہات میں سے ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس آیت میں وارد لفظ "ضال" سے حضرت یوقنا جیسے نو مسلم کو بھی اشتباہ ہوا کہ نبی کریم، رؤف و رحیم، سرور عالم، رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی بھی "ضال" یعنی "گمراہ" نہیں ہو سکتے، لہذا انہوں نے حضرت ابو عبیدہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی نسبت "ضال" سے کیوں کی ہے؟ حالانکہ حضور اقدس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے لہذا وہ کبھی بھی گمراہ نہیں ہو سکتے لیکن چونکہ اللہ کے مقدس کلام میں ہی ان کی نسبت صفت "ضال" سے کی گئی ہے لہذا اشتباہ پیدا ہوا ہے اور اس اشتباہ یعنی شک وشبہ کو دور کرنے اور آیت کی صحیح تفہیم حاصل کرنے کی غرض سے انہوں نے حضرت ابوعبیدہ سے سوال کیا کہ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت میں لفظ "ضال" کی نسبت کیوں فرمائی ہے؟

حضرت ابوعبیدہ نے حضرت یوقنا کو جواب دیتے ہوئے اس آیت کا صحیح مفہوم اور جو تفسیر بیان فرمائی ہے وہ یقیناً ایمان افروز اور باطل سوز ہے، جس کو علامہ واقدی نے اس طرح روایت فرمایا ہے کہ:-

> "پس کہا ابوعبیدہ بن الجراح نے معاذ اللہ یہ معنی اس کے نہیں ہیں بلکہ معنی یہ ہیں وَوَجَدَكَ ضَالًّا فِیْ تِیْهِ مُحَبَّتِنَا فَهَدَیْنَاكَ اِلٰی مُشَاهَدَتِنَا وَاَیْضًا سَهَّلَ لَكَ الْوُصُوْلَ اِلٰی مَنَازِلِ الْمُكَاشِفَةِ وَوَفَّقَكَ لِلْوُقُوْفِ فِیْ مَقَامِ الْمُشَاهَدَةِ وَاَیْضًا وَوَجَدَكَ ضَالًّا فِیْ بِحَارِ الطَّلَبِ عَلٰی مَرَاكِبِ الطَّلَبِ فَاٰوٰكَ اِلٰی سَوَاحِلِ الْحَقِّ وَقَرَّبَكَ اِلٰی ظِلِّ حَقَائِقِ الصِّدْقِ"

> ⊙ = حوالہ:- "فتوح الشام" از:- علامہ واقدی، اردو ترجمہ، ص: ۳۲۸ = ⊙

> ترجمہ:- "اور پایا ہم نے تم کو بھٹکنے والا اپنی محبت کے جنگل میں پس سیدھی راہ بتلا دی ہم نے تم کو بجانب اپنے دیدار اور حضوری کے اور نیز آسان کر دیا ہم نے تمہارے واسطے پہونچنے کو بجانب مقامات کھل جانے چھپے ہوئے بھیدوں کے اور باسامان کر دیا ہم نے تم کو واسطے ٹھہرنے حضوری میں اور پایا ہم نے تم کو جستجو کے دریاؤں میں تلاش کی کشتیوں پر پس پناہ دی ہم نے تم [illegible] بجانب [illegible] اور [illegible] راست

کے اور نزدیک کر دیا ہم نے تم کو بجانب سایہ اور پناہ حقیقتوں راستی کے۔"
(ترجمہ ماخوذ، از: حاشیہ، فتوح الشام، از:- علامہ واقدی، ص: ۳۲۸)

امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدىٰ" کی مندرجہ بالا ایمان افروز تفسیر سماعت کر کے حاکم حلب حضرت عبداللہ یوقنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام شکوک کا ازالہ ہو گیا اور ان کو پورا اطمینان ہو گیا اور قلبی سکون و سرور حاصل ہوا۔ ان کا دل خوشی سے بھر گیا اور دل کی خوشی کے آثار چہرہ پر نمودار ہوئے اور ان کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا کیونکہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی جو تفسیر بیان کی تھی اس کا مضمون توریت شریف کے حاشیہ کے مضمون کے عین مطابق تھا۔ جس کو حاکم یوقنا نے اپنے مرحوم بھائی حضرت یوحنا علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتاب میں پڑھا تھا۔ جس کا انہوں نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ان الفاظ میں اعتراف کیا۔ (علامہ واقدی کی زبانی):-

''بس جب سنا یوقنا نے یہ کلام ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چمکنے لگا چہرہ اُن کا خوشی سے اور کہا کہ ایسا ہی پڑھا تھا مین نے شب گزشتہ کو اپنے بھائی یوحنا کی کتاب مین ذکر کیا ہے کہ پایا اُس نے اس مضمون کو توریت کے حاشیہ مین اور اب مضبوطی پکڑلی تمہارے دین نے میرے دل مین اور جان لیا مین نے کہ یہی دین حق ہے۔"

(حوالہ:- فتوح الشام، از:- علامہ واقدی، اُردو ترجمہ، ۳۲۹)

ناظرین کرام! "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدىٰ" کی جو تفسیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی ہے، اس تفسیر کو پھر ایک مرتبہ بغور مطالعہ فرمائیں بعدہٗ امام عشق و محبت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے اس آیت کا جو ترجمہ فرمایا ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ وہ ترجمہ اس طرح ہے:-

''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔" (کنز الایمان)

امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ ترجمہ گویا امین الامت، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی بیان فرمودہ تفسیر کی ترجمانی کر رہا ہے۔ امام احمد رضا کا یہ ترجمہ حضرت ابوعبیدہ کی تفسیر اور توریت شریف کے حاشیہ کے عین مطابق ہے۔ یہ وہ ترجمہ ہے کہ جس کے ہر لفظ سے محبت وعظمت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹپک رہی ہے۔ امام احمد رضا کے اس ترجمہ پر اعتراض کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کے اس ترجمہ کی امین الامت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر تائید فرما رہی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے امین الامت حضرت ابوعبیدہ کے نقش قدم پر چل کر اور ان کے فیض سے مستفیض ہو کر ان کی بیان فرمودہ تفسیر کو ماخذ اور مشعل راہ بنا کر جو ترجمہ کیا ہے وہ سو فیصدی راست و درست اور خطاو غلطی سے محفوظ ہے۔ منافقین زمانہ نے شیاطین الانس کا طریقہ اپنا کر، بارگاہ رسالت میں گستاخی کرتے ہوئے اس آیت کا توہین آمیز ترجمہ کر کے گمراہ و بددین ہو کر راہ جہنم اختیار کی، جب کہ امام احمد رضا محدث بریلوی نے صحابہ کرام کے نقش قدم اختیار کر کے عظمت رسول کا اظہار کرتے ہوئے محبت آمیز ترجمہ کر کے راہ نجات و راہ خدا پائی ہے۔

بقول حضرت رضا بریلوی:-

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

تاریخ کے اوراق شاہد عادل ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ولادت شریف سے لے کر ظاہری نبوت ملنے تک یعنی چالیس (۴۰) سال کی عمر شریف تک مکہ معظمہ میں ہی تشریف فرما رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ معاشرے میں کفر، شرک، چوری، زنا، جُوا، جادوگری، شراب نوشی، سود خوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری، جھوٹ و کذب گوئی، بہتان تراشی، دھوکہ بازی، بددیانتی، مکروفریب دہی، وغیرہ جیسے افعال قبیحہ ورذیلہ عام تھے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تمام برائیوں سے پاک ومنزہ رہے۔ ان میں کی کسی بھی کوئی برائی کا کوئی بھی فعل، کبھی بھی اور کسی طرح بھی آپ سے صادر نہیں ہوا بلکہ ان میں سے کسی بھی مکروہ فعل کی گرد بھی آپ کے دامن عصمت تک نہ پہنچی۔ آپ پیدائش سے لے کر بعثت تک ہمیشہ رشد وہدایت، توحید خالص [illegible] ان افعال قبیحہ

سے تنفر اور بیزاری کا اظہار فرماتے رہے اور اپنے حلقہ کے لوگوں کو ان برے کاموں سے اجتناب اور پرہیز کرنے کی تعلیم و تلقین فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے سامنے کوئی شخص ''لات اور عزٰی'' نام کے مشہور بتوں کی قسم کھا کر گفتگو کرتا تو آپ اس کی بات کا جواب نہیں دیتے تھے بلکہ اس شخص کو بت کی قسم کھانے سے منع فرماتے تھے اور اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی قسم کھانے کا حکم اور نصیحت فرماتے تھے۔ آپ پیدائشی ہدایت یافتہ اور راہ راست پر گامزن تھے۔ آپ نہ کبھی گمراہ تھے، نہ راہ اور شریعت سے بے خبر تھے اور نہ ہی کبھی بھٹکے ہوئے تھے۔ لیکن جن کے دلوں میں کجی یعنی ٹیڑھا پن اور بغض و عداوت رسول کا ترچھا پن ہے۔ وہ قرآن مجید کی آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور آیت کے ظاہری لفظی معنی سے غلط استدلال کر کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذ اللہ بھٹکا، راہ اور شریعت سے بے خبر کہتے اور لکھتے ہیں۔

''ضال'' کا ترجمہ وارفتہ ہونے کی ایک مزید قرآنی شہادت:۔

یہاں تک کا مطالعہ کرنے پر قارئین کرام کو یقین کے درجہ میں معلوم ہو چکا ہوگا کہ سورۃ الضحٰی کی آیت شریف "**وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ**" میں وارد لفظ ''ضال'' کے معنی اور مراد ہرگز گمراہ کے نہیں بلکہ محبت میں خود رفتہ کے معنی میں ہے۔ حالانکہ اس ترجمہ کی تائید و توثیق میں قرآن و حدیث کے کثیر دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں، لیکن طول تحریر کے خوف سے صرف ایک مزید قرآنی شہادت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے والد بے حد چاہتے تھے اس حسد کی بنا پر حضرت یوسف کے بھائیوں نے ان کو ہلاک کر دینے کی غرض سے کنوئیں میں ڈال دیا۔ پھر ایک قافلے نے آپ کو کنوئیں سے نکالا، آپ کو مصر کے بازار میں فروخت کیا، مصر کے بادشاہ ریان بن ولید بن نزوان عملیقی نے آپ کے وزن کے برابر سونا، اتنی ہی چاندی، اتنا ہی مشک اور اتنا ہی حریر (ریشمی کپڑا) قیمت چکا کر آپ کو خرید لیا۔ پھر آپ کے دامنِ عصمت پر جھوٹے الزام کے داغ لگانے کی کوشش کی گئی۔ جس کے نتیجے میں [illegible] (۱۲) سال کے

بعد مصر کے بادشاہ نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا جس کی تعبیر بتانے سے ملک کے تمام علماء وحکماء عاجز رہے۔ جب اس کی تعبیر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی تو مصر کا بادشاہ آپ کا معتقد ہوگیا۔ آپ پر عائد کردہ جھوٹے الزامات سے آپ کی برأت ظاہر کی گئی۔ اور بادشاہ نے آپ کو اپنے اقارب ومصاحب میں عزت کا مقام دیا۔ رفتہ رفتہ آپ مصر کے بادشاہ ہوگئے اور اپنے بھائیوں سے آپ کا میل ملاپ بھی ہوگیا۔ آپ نے اپنے بھائیوں سے اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال دریافت فرمایا تو آپ کے بھائیوں نے کہا کہ آپ کی جدائی اور فراق کے غم میں روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی ہے۔ تب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا کرتہ اپنے بھائیوں کو عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا یہ کرتہ والد محترم کے چہرہ پر ڈال دینا، ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔

القصہ! حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرتہ لے کر ان کے بھائی مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ ابھی سفر ہی میں تھے بلکہ کئی میل کی دوری پر تھے اور حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے ہی حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کرتے کی خوشبو محسوس کرلی اور آپ نے اپنے پوتوں اور پاس والوں سے فرمایا کہ:-

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ"

(پارہ:۱۳، سورہ یوسف، آیت:۹۴)

ترجمہ:-"بے شک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں، اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھ (بہک) گیا ہے" (کنزالایمان)

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ بات سن کر ان کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو بہت تعجب ہوا کیونکہ یہ لوگ تو اس گمان میں تھے کہ اب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کہاں ہیں؟ ان کا تو انتقال ہوئے عرصہ دراز گزر چکا ہے لیکن پھر بھی حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں کہ اس وقت میں حضرت یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت یعقوب کو حضرت یوسف سے ان کی حیات میں جو محبت اور وارفتگی تھی، وہ ابھی تک

برقرار ہے بلکہ ایسا ہی ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنی پرانی محبت اور وارفتگی سے متاثر ہو کر ایسا کہہ رہے ہیں۔ ان کو اپنی پرانی محبت اور وارفتگی کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا۔ کیا کہا؟ ان کا مقولہ قرآن مجید میں اس طرح منقول ہے کہ:-

"قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ"
⊙ = پارہ: ۱۳، سورۂ یوسف، آیت: ۹۵ = ⊙
ترجمہ:- "بیٹے بولے، خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔" (کنزالایمان)

اس آیت میں بھی لفظ "ضلال" وارد ہے لیکن یہاں یہ لفظ گمراہیت کے معنی میں نہیں ہے۔ ہم نے اس آیت شریف کے قبل بہت ہی اختصار کے ساتھ حضرت سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ اس لیے ذکر کیا ہے کہ ناظرین کرام پورے واقعہ سے اچھی طرح باخبر ہو جائیں کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ کس معاملہ میں گفتگو ہو رہی ہے؟ موضوع سخن کیا ہے؟ اور کس امر کے ضمن میں یہ جملہ کہا گیا ہے؟ تاکہ آیتِ کریمہ کے سیاق وسباق سے آگہی ہو سکے اور آیت کا صحیح مفہوم سمجھ میں آ سکے۔ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دلی محبت، قلبی لگاؤ اور محبت کی وارفتگی کی وجہ سے ہی "جسم پسر" کی خوشبو محسوس کی تھی اور فرمایا تھا کہ "میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں"۔ اور ان کے اس محبت بھرے جملے اور جذبہ وارفتگی کو وجہ بنا کر حضرت یعقوب کے بیٹوں اور پوتوں نے کہا تھا کہ "اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ یعنی" آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں"۔ یہاں "ضلال" کا ترجمہ گمراہی کرنا ہرگز صحیح نہیں کیونکہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے فرزندوں نے کسی اعتقادی سہو یا ارتکاب قبیحہ کی وجہ سے "ضال" نہیں کہا تھا بلکہ ایک شفیق ومحب باپ کی اپنے لخت جگر کے ساتھ بے انتہا محبت کی وجہ سے کہا تھا۔ لہٰذا یہاں "ضال" بمعنی "وارفتہ" اور "ضلال" بمعنی "وارفتگی" ہی مستعمل ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح سورۃ الضحیٰ کی آیت کریمہ

"وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰی" میں وارد لفظ "ضال" بھی ہرگز ہرگز "گمراہ" یا "بھٹکتا" یا "راہ سے بے خبر" کے معنی میں نہیں بلکہ "اپنی محبت میں خود رفتہ" کے ہی معنی میں لازماً ماننا پڑے گا۔

"سورۃ الفتح اور سورۃ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

میں وارد لفظ "ذنب" بمعنی گناہ نہیں"

اوراق سابقہ میں آیات متشابہات کے عنوان کے ضمن میں ہم نے قرآن مجید کی سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۷ تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:-

"فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ"

ترجمہ:- "وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں۔ گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو"

دور حاضر کے منافقین اس آیت کریمہ کے سو فیصدی مصداق ہوں ایسا محسوس ہوتا ہے کیونکہ ان کا ہمیشہ یہی وتیرہ اور شیوہ رہا ہے کہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑنا یعنی آیت متشابہات کو بطور سند اور دلیل پیش کر کے گمراہی پھیلانے کا پہلو ڈھونڈھنا اور لوگوں کو گمراہ کرنا۔ قرآن مجید کی متشابہات آیتیں انہیں مرغوب خاطر ہیں۔ گویا کہ وہ اس حقیقت کا بند لفظوں میں اعتراف واظہار کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۷ میں "وہ جن کے دلوں میں کجی" ہے کا جو ذکر ہے، وہ اور کوئی نہیں بلکہ ہم ہیں۔ کیونکہ وہ ہر جگہ آیات متشابہات و دلیل بنا کر انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی شان و وقار گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ والضحیٰ کی آیت "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰی" جس کی تفصیلی وضاحت ابھی ابھی ہم نے پیش خدمت کی



ہے۔

... آیت کریمہ ... جن میں لفظ ... ترجمہ ...
... ذنب ... کا ترجمہ ... کیا ہے۔

آیت نمبر ۱ — واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات

(پارہ ۲۶ سورۃ محمد آیت ۱۹)

ترجمہ: ... معافی مانگ ... اپنے ... کے لیے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے

... ہے۔

(حوالہ ترجمہ قرآن مترجم ... محمود الحسن دیوبندی مطبوعہ سعودیہ

... مولوی اشرف علی تھانوی ...)

آیت نمبر ۲ — لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر

(پارہ ۲۶ سورۃ الفتح آیت ۲)

ترجمہ: ...

(۱) ... اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے

(حوالہ ترجمہ قرآن مترجم: مولوی اشرف علی تھانوی)

(۲) ... تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے

(حوالہ ترجمہ قرآن مترجم: مولوی محمود الحسن دیوبندی)

مذکورہ بالا ... دیوبندی ... کے تراجم جو ہم نے نقل کیے ہیں ان میں لفظ "ذنب" کا لفظی ترجمہ "گناہ" اور "خطا" کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف "گناہ" اور "خطا" کی نسبت ... یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ معاذ اللہ حضور اکرم سید المعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے "خطا" اور "گناہ" سرزد ہوئے تھے۔ منافقین زمانہ ... کا جال بلکہ ... بھی ان آیات متشابہات کو بطور ... بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سخت گستاخی اور بے ادبی ... جملہ بولتا ہے کہ جس کو یہاں نقل کرتے ہوئے قلم بھی لرزہ

برانداز ہو جاتا ہے۔

ارادہ تو یہ تھا کہ آیت شریف "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى" کی طرح ان دونوں آیات کی تفصیلی وضاحت قارئین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر ارقام کریں لیکن سورۂ والضحیٰ کی آیت کی قدرے طویل وضاحت ہو جانے کی وجہ سے نیز ہمارے اس مقالہ کا جو عنوان یعنی "بشر" اس کے ضمن میں سورۂ الکھف اور سورۂ حم سجدہ کی آیت "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کے تعلق سے ابھی کچھ لکھنا باقی ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا دونوں آیتوں کے تعلق سے بہت ہی اختصاراً وضاحت پیش خدمت ہے۔ ہم اپنی اس کوتاہی پر محترم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔

قرآن مجید اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایسا جامع اور مانع کلام ہے کہ ہر کس وناکس میں اس کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی آیتوں کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے وسیع پیمانے پر علم وحکمت درکار ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ عربی زبان دنیا کی تمام زبانوں سے افضل، ممتاز، فصیح، بلیغ، اور کثیر المعنی الفاظ ولغت کی حامل ہے۔ عربی زبان کی بے مثال وسعت کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا کہ اس میں ایک چیز کے بہت سے نام اور بہت سی لغات پائی جاتی ہیں۔ ایک ہی مفہوم کو سینکڑوں عنوانات اور الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک ہی لفظ کے متعدد معنی اور مطلب ہوتے ہیں اور کون سا لفظ کس معنی ومراد میں استعمال ہوا ہے اسی پر جملے کی صحیح تفہیم کا دارومدار ہے۔ مثلاً:-

- جملے کی بندش وترکیب باعتبار اصطلاح نحو اور الفاظ کا ربط اور ان کا باہمی تعلق کیا ہے؟
- جملے کے الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟ اور ان دونوں معنوں میں کیا فرق ہے؟
- جملہ کا پچھلے اور اگلے جملے کے ساتھ کیا ربط ہے؟
- جملے کے کلموں کی نوعیت اور وجہ تکلم کیا ہے؟
- جملہ استفہامیہ ہے؟ خبریہ ہے؟ شرطیہ ہے؟ صفتیہ ہے؟ فعلیہ ہے؟ معترضہ ہے؟ معطوفہ ہے؟ معللہ ہے؟ مستانفہ ہے یا کچھ اور؟

- جملہ کا بطور محاورہ، مثل یا مثال استعمال ہوا ہے یا نہیں؟
- جملہ میں وارد تمام الفاظ میں سے وہ اہم لفظ کہ جس لفظ کی صحیح تفہیم اور مراد پر پورے جملے کے مفہوم کا انحصار ہے، وہ لفظ حقیقتاً استعمال ہوا ہے یا مجازاً؟
- جملہ میں کسی فرد یا شئی کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ بطور تشبیہ ہے؟ یا استعارہ ہے؟ اور اگر بطور استعارہ ہے تو استعارہ بالتصریح ہے یا استعارہ بالکنایہ ہے؟
- جملہ سے متکلم کی وجہ تنبیہ کرنا ہے؟ بشارت دینا ہے؟ وعید سنانا ہے؟ یا یہ جملہ بطور زجر یا توبیخ ہے؟ یا اظہار حقیقت کے لیے ہے؟ یا تلمیح ہے؟
- جملہ بطور طنز کہا گیا ہے؟ امر ونہی کی بنا پر کہا گیا ہے؟ یا تادیباً و تعلیماً کہا گیا ہے؟
- اگر جملہ امر ونہی کی بناء پر کہا گیا ہے تو اس کا حکم مخصوص ہے یا عام؟
- متکلم کا لب ولہجہ کیا ہے؟ تا کہ اس کی مراد کا اندازہ لگایا جاسکے کہ کیا کہنا چاہتا ہے؟
- متکلم اور مخاطب کے درمیان کیا رشتہ یا تعلق ہے؟
- متکلم کی علمی، ادبی، خاندانی، ثروتی، سیاسی، مذہبی، اقتداری، تسلطی، اخلاقی حیثیت اور اس کا ہر پہلو سے کیا رویہ ہے؟
- مخاطب کی بھی مذکورہ کیا حیثیت اور رویہ ہے؟
- جملہ سے مخاطب کو رشد وہدایت، پند ونصیحت، مشورہ یا وصیت مراد ہے؟ یا اور کچھ؟
- جملہ سے مخاطب کی تکریم مراد ہے یا تذلیل؟
- اگر تکریم مراد ہے تو صرف اظہار اہمیت مراد ہے یا ارتقاع درجات؟
- اگر تذلیل مراد ہے تو تذلیل خفیف بارادۂ اصلاح مراد ہے یا تذلیل شدید برائے انقطاع تعلق اور ذلیل وخوار کرکے مردود بارگاہ کرنا مراد ہے؟

مندرجہ بالا چند اصول وضوابط انسانوں کے درمیان آپس میں بولی جانے والی لغت کو مد نظر رکھ کر متعین کیے گئے ہیں۔ جو اہل عرب میں عربی زبان کے ادب کے تحت رائج ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام قرآن مجید کی آیات کے کلمے اور الفاظ کو اس کے صحیح معنی،

مطلب اور مراد میں سمجھنے کی نوبت پیش آئے گی تب چند قیود اور ضوابط کا اضافہ ہو جائے گا۔ مثلاً قرآن کی آیت محکم، متشابہ، مقدمہ، مؤخرہ، علتہ، خاصہ، مجملہ، مبینہ، ناسخ، منسوخ، مطلق، منطوق، مبہم، مفہوم وغیرہ کا فرق کرنا۔ علاوہ ازیں ایجاز، اطناب، حصر، مبتدا، خبر، کنایہ، تعریض، حقیقت، مجاز، انشاء، اختصار سے بھی آگہی رکھنا اشد ضروری ہے، ورنہ قرآن کا صحیح مفہوم معلوم نہ ہو سکے گا اور مغالطہ ہو گا۔

مندرجہ بالا اصول جو ہم نے جملے کے تعلق سے ارقام کیے ہیں، ان میں نحوی اصطلاح کے الفاظ جو قارئین کو ثقیل الفہم محسوس ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب کی سمجھ میں نہ آئیں، لہذا ذیل میں "حل لغت" کے کالم میں ان دقیق و مشکل الفاظ کے معنی پیش خدمت کرتے ہیں

”حل لغت“

نمبر	دقیق الفاظ	معنی اور وضاحت
۱	اِصْطِلَاحْ	کسی لفظ کے عام معنوں کے علاوہ کوئی خاص مفہوم مقرر کرلینا،مرادی معنی =Term=
۲	اِسْتِعَارَهْ	علم بیان کی اصطلاح میں مجاز کی ایک قسم جس میں کسی لفظ کے مجازی اور حقیقت معنی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہوتا ہے اور بغیر حروف تشبیہ کے حقیقی معنی کو مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ =Trope, Metaphor=
۳	اِسْتِعَارَهْ بِالتَّصْرِیْحْ	اگر مشبہ بہ معنی جس کے لیے تشبیہ دی گئی ہے اس کا ذکر کریں اور مشبہ یعنی جس چیز سے تشبیہ دی گئی ہے اس کو چھوڑ دیں یا مضاف یعنی منسوب کا ذکر کریں اور مضاف الیہ یعنی جس کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کا ذکر ترک کرنا۔
۴	اِسْتِعَارَهْ بِالْکِنَایَه	مشبہ بہ کو چھوڑ کر صرف مشبہ کا ذکر کرنا۔
۵	اِطْنَابْ	بات کو طول دینا۔ = Lengthen One's Discourses =
۶	اَمْر وَنَہِیْ	حکم کرنا اور ممانعت کرنا = Order and Prohibition =
۷	اِنْقِطَاع تَعَلُّق	تعلق ختم کرنا، رشتہ کاٹنا،تعلق توڑنا۔ =Cut off Relationship=
۸	اِیْجَاز	بات کو مختصر کرنا، کم لفظوں میں زیادہ مضمون بیان کرنا =Abridging=
۹	تَادِیْباً	ادب سکھانا، علم زبان سکھانا۔ =Chastisment=

۱۰	تَرْکِیْب	علم نحو کی اصطلاح میں جملے کے ہر لفظ کے متعلق بتانا کہ وہ اسم، صفت، فعل وغیرہ ہے اور ان کا باہمی تعلق =Composition=
۱۱	تَذْلِیْل	ذلیل و رسوا کرنا، خوار کرنا، بے عزت کرنا، ذلت =Abusement=
۱۲	تَعْرِیْض	چھیڑنا، کنائے سے بات کرنا، اعتراض =Opposition=
۱۳	تَکَلُّم	بات کرنا، بولنا، کلام کرنا، گفتگو، بات چیت =Conversation=
۱۴	تَکْرِیْم	عزت کرنا، تعظیم کرنا، ادب کرنا، =Honouring=
۱۵	تَشْبِیْه	مشابہت دینا، تمثیل، ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند ٹھہرانا =Simile=
۱۶	تَلْمِیْح	کلام میں کسی گزشتہ قصہ کی طرف اشارہ کرنا
۱۷	تَوْبِیْخ	ملامت، جھڑکی، سرزنش، طنز =Reproach, Speaking Harshly=
۱۸	جُمْلَه اِسْتِفْهَامِیَه	وہ جملہ جس میں سوال پایا جائے۔ =Interrogative Sentence=
۱۹	جُمْلَه اِنْشَائِیَه	علم نحو کی اصطلاح میں وہ جملہ جس میں سچ جھوٹ کا احتمال نہ ہو
۲۰	جُمْلَه شَرْطِیَه	وہ جملہ جو شرط اور جزا سے مل کر پورا ہو۔
۲۱	جُمْلَه صِفَتِیَه	وہ جملہ جس میں کسی کی صفت بیان کی گئی ہو۔ =Attributive sentence=

۲۲	جُمْلَہ مُسْتَانِفَہ	وہ مستقل جملہ جس کو سابقہ جملہ سے معناً تو ربط ہو مگر لفظاً کچھ بھی تعلق نہ ہو۔ =Obedient Sentence=
۲۳	جُمْلَہ مُعْتَرِضَہ	وہ زائد فقرہ یا بات جسے ہٹا دینے سے مطلب میں کوئی فرق نہ آئے یعنی ابھی ایک بات پوری نہ ہوئی تھی کہ دوسرا جملہ درمیان میں بول دیا جائے اور وہ جملہ ایسا ہو کہ نہ بولیں تو بھی کلام میں خلل نہ پڑے۔
۲۴	جُمْلَہ مَعْطُوفَہ	وہ جملہ جو حرف عطف کے بعد واقع ہو =Conjoined Sentence=
۲۵	حَصر	گھیرنا، احاطہ کرنا، منحصر کرنا =Siege=
۲۶	رَبط	بندش، احاطہ کرنا، منحصر کرنا =Connection=
۲۷	زَجر	ڈانٹ ڈپٹ، دھمکی، تنبیہ، جھڑکی، روک، ملامت، =Threatening=
۲۸	مُتَکَلِّم	کلام کرنے والا، بات کرنے والا = a speaker, Declaimer=
۲۹	مُخَاطَب	جس سے خطاب کیا جائے، جس سے بات کی جائے۔ =Addressee=
۳۰	مُبْتَدَا	علم نحو کی اصطلاح جملہ اسمیہ کا پہلا جز، جس کے متعلق کوئی خبر دی جائے۔ =Subject=
۳۱	مَجَازاً	وہ جس کی حقیقت نہ ہو، کسی کلمہ کے غیر حقیقی معنی کو اصلی معنوں کے ساتھ نسبت کرنا، فرضی، فرض کیا ہوا، مرادی =Hyperbolical=

۳۲	نَحْوُ	وہ علم جس سے کلمات کو جوڑنا، توڑنا، اور ان کا باہمی تعلق معلوم ہو۔ جملوں کا علم =Syntax=
۳۳	وَعِيْد	سزا دینے کی دھمکی، سزا دینے کا وعدہ =Threatening, Predicting=
۳۴	كِنَايَه	ایما، رمز، اشارہ، مبہم بات =being Ambiguous In Speech=
۳۵	آيَتْ مُقَدَّمَهْ	وہ آیت جو پہلے نازل ہوئی یا جو مضمون کے شروع میں آئے =Preface=
۳۶	آيَتْ مُؤَخَّرَهْ	جو بعد میں نازل ہو یا جس کا ذکر بعد میں آئے =Posterior, Delayed=
۳۷	آيَتْ مُجْمَلَهْ	وہ آیت جس کے معنی تفصیل کے محتاج ہوں۔
۳۸	آيَتْ مُبَيَّنَهْ	جو صاف اور کھول کر بیان کی گئی ہو۔ مطلب ظاہر ہو۔ =Evident Verse,Unequivocal Verse=
۳۹	آيَتْ مَنْسُوْخَهْ	جس کا حکم واپس لے لیا گیا ہو، رد کر دیا گیا ہو، روک دیا گیا ہو، نابود کر دیا گیا ہو، ترک کر دیا گیا ہو =Cancelled, Obliterated=
۴۰	آيَتْ نَاسِخَهْ	وہ آیت جس کی وجہ سے کسی آیت یا آیتوں کا حکم رد کر دیا گیا ہو۔ منسوخ کرنے والی، رد کرنے والی =an amanuensis=
۴۱	آيَتْ مُطْلَقَهْ	وہ آیت جو مقید نہ ہو، جس کا حکم مطلق ہو =Liberated=

۴۲	آیت مَفْهُوْمَۃٌ	وہ آیت جو اچھی طرح سمجھ میں آسکے، جس کا معنی، مطلب، ارادہ مراد، اور مفہوم آسانی سے معلوم ہو سکے۔ =Understood=
۴۳	آیت مُبْھَمَۃٌ	جس کا مطلب صاف نہ ہو، وضاحت ضروری ہو۔ =Ambiguous, Equivocal=

⊙ عربی زبان کی لغت کے متعلق:-

دنیا کی کسی بھی زبان کی لغت (Dictionary) عربی زبان کی طرح بے مثال وسعت کی حامل نہیں۔ عربی لغت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایک لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں اور ایک معنی کے کئی الفاظ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے عربی زبان کی لغت اتنے وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے کہ عقلیں حیران ہیں۔ قارئین کرام کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ صرف ایک معنی میں اتنی کثیر تعداد میں الفاظ وارد ہیں کہ صرف ایک معنی کے متفرق الفاظ سے ہی ایک مستقل کتاب طبع کی جا سکتی ہے اور اس قسم کی سینکڑوں کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں:-

✪ امام اجل، خاتم الحفاظ، علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی اپنی کتاب ''مزہر'' میں اور علامہ زبیدی ''مختصر کتاب الخلیل'' میں فرماتے ہیں:-

⊙ دو حرفی عربی لغت کی تعداد ..... 750 (سات سو پچاس) ہے۔

⊙ تین حرفی عربی لغت کی تعداد 19,650 (انیس ہزار، چھ سو پچاس) ہے۔

⊙ چار حرفی عربی لغت کی تعداد .. 3,03,400 (تین لاکھ، تین ہزار، چار سو) ہے

⊙ پانچ حرفی عربی لغت کی تعداد . 6,03,75,600 (چھ کروڑ، تین لاکھ، پچھتر ہزار چھ سو) ہے۔

مندرجہ مذکورہ تعداد صرف دو، تین، چار اور پانچ حرفی الفاظ کی ہے، پانچ حروف سے زیادہ

حروف والے الفاظ کی تعداد کا اس میں اضافہ کرنے سے یہ تعداد بہت ہی وسیع ہو جائے گی۔

- تیر، تلوار، نیزہ، شیر، اونٹ، بکری، سانپ، صبح و شام، آفت، مصیبت، وغیرہ الفاظ کہ جن کا ذکر کلام و گفتگو میں بار بار آتا ہے، ان تمام کے لیے ایک ایک لفظ کے اتنے وسیع پیمانہ پر پھیلے ہوئے لغت ہیں کہ آدمی حیران ہو جائے۔ ابن خالویہ کہ جن کا شمار عربی لغت کے ماہرین فن میں ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عربی لغت سے شہر (City) کے لیے پانچ سو نام جمع کیے ہیں، اور سانپ (Snake) کے دوسو (۲۰۰) نام تجویز کر کے جمع کیے ہیں۔ عربی لغت کے ایک اور ماہر فن حمزہ اصبہانی کا کہنا ہے کہ میں نے آفت اور مصیبت کے لیے موزوں ہوں ایسے کل چارسو (۴۰۰) نام لغت عرب سے جمع کیے ہیں۔ (حوالہ:- "المنجد" ص:۱۳)
- عربی لغت کے مشہور عالم اور رئیس ارباب فنِ لغت "صاحب بن عباد" کا واقعہ منقول ہے کہ ان کو کسی بادشاہ نے اپنے یہاں طلب کیا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میرے فن لغت کی کتابیں اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ اگر میں یہاں سے منتقل ہو کر کہیں جاؤں تو مجھے ساٹھ (۶۰) اونٹ اپنی فن لغت کی کتابیں منتقل کرنے کے لیے چاہئیں۔ (حوالہ:- "المنجد" ص:۱۴)

یہاں تک ہم نے صرف عربی لغت کے متعلق گفتگو کی لیکن دُنیا کی ہر زبان میں ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ اُردو زبان کی ہی مثال لیجیے۔ اُردو زبان میں بھی اس خصوصیت کی جھلک نظر آتی ہے کہ اس کا ایک لفظ کئی معنوں کا حامل ہوتا ہے۔ مثلاً:-

- رنگ = (۱) بَرن (۲) لَون (۳) رنگت (۴) روپ (۵) انداز (۶) طرز (۷) روش (۸) قسم (۹) نوع (۱۰) روغن (۱۱) بہار (۱۲) خوبصورتی (۱۳) رونق (۱۴) مانند (۱۵) نظیر (۱۶) دستور (۱۷) قاعدہ (۱۸) رسم (۱۹) طریقہ (۲۰) مزہ (۲۱) لطف (۲۲) شغل (۲۳) خمار (۲۴) نشہ (۲۵) طاقت (۲۶) قوت (۲۷) سلوک (۲۸) برتاؤ (۲۹) ہمسر (۳۰) جوڑ (۳۱) مکر (۳۲) فریب (۳۳) حیلہ (۳۴) ہنسی (۳۵) مذاق (۳۶) کھیل کود (۳۷) ناچ (۳۸) راگ (۳۹) گانا

(۴۰) کیفیت (۴۱) حالت (۴۲) حال (۴۳) خوشی (۴۴) خوشحالی (۴۵) مسرت (۴۶) تماشا (۴۷) سماں (۴۸) گنجفے کی آٹھوں بازیوں کے نام (۴۹) تاش کی چاروں بازیوں کے نام (۵۰) خون (۵۱) لہو (۵۲) ترپ Troop یعنی ساٹھ یا اسی سواروں کی جماعت (۵۳) ترمپ Trump یعنی تاش میں انگ مقرر کر کے کھیلنا۔ (حوالہ:- فیروز اللغات ،ص:۷۲۰)

جب اُردو زبان میں ایک لفظ کے پچاس سے زائد معنی ہو سکتے ہیں تو عربی زبان تو بہ اعتبار لغت تمام زبانوں سے فصیح و بلیغ اور کثیر المعنی لغت کی حامل ہے۔ جیسا کہ اوپر کے فقرہ میں عرض کیا ہے کہ ''شہر'' کے لیے پانچ سو (۵۰۰) اور ''سانپ'' کے لیے دو سو (۲۰۰) اور ''آفت'' کے لیے چار سو (۴۰۰) نام لغتِ عرب میں وارد ہیں۔ ہم نے اُردو زبان کے لفظ ''رنگ'' کے لغت سے پچاس سے بھی زائد معنی پیش کیے ہیں۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم لفظ ''رنگ'' کو پچاس الگ الگ معنوں میں استعمال کر کے بطور مثال پچاس جملے لکھ دیتے۔

⦿ لغت کے تعلق سے کی گئی گفتگو کا ماحصل:-

دُنیا کی ہر زبان کی لغت میں ایک لفظ کے متعدد معنی ہونے کی خصوصیت ہے۔ کسی لفظ کو ہر جگہ صرف ایک ہی معنی میں استعمال کرنے سے بڑی گڑبڑی پیدا ہوگی۔ کسی لفظ کو ہر جگہ صرف ایک ہی معنی میں وہی استعمال کرے گا۔ جو علم و ادب سے ناآشنا اور فنِ لغت سے نرا جاہل ہوگا۔ اہل عرب کی روز مرہ بولی جانے والی عربی زبان کی لغت کی وسعت سے جب ہم متحیر ہیں بلکہ ہماری عقلیں بھی دنگ ہیں تو پھر قرآن مجید کی عربی زبان کی لغت کا کیا عالم ہوگا؟

اب ہم ہمارے موضوع سخن کی طرف واپس پلٹتے ہیں۔

سورۂ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی آیت نمبر ۱۹، اور سورۂ الفتح کی آیت: ۲، میں جو لفظ "ذَنْبٌ" وارد ہے اس کا منافقینِ زمانہ ''گناہ'' اور ''خطا'' معنی اخذ کرتے ہیں اور آیت کا ترجمہ توہین و تنقیص رسول پر مشتمل کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مفسرین عظام کی اصطلاح کے مطابق یہ دونوں آیتیں ''متشابہات'' سے ہیں، جن کی مناسب تاویل کرنی ضروری اور

لازمی ہے۔ان آیات سے الفاظ کے ظاہری لفظی معنوں کو ہرگز دلیل نہیں بنا سکتے۔ دوسری بات یہ کہ لفظ "ذَنْبٌ" کے کئی دیگر معنی بھی ہیں۔

لغت عربی کی مشہور کتاب "المنجد" کے ص:۲۵۶ پر لفظ "ذَنْبٌ" کے معنی "دُم" کے وارد ہیں۔علاوہ ازیں "ذَنْبٌ" مصدر سے مشتق لفظ "الذ نـابة" کے معنی "قرابت" کے لکھے ہوئے ہیں۔عام عربی بول چال میں لفظ "ذنب" کا استعمال گناہ اور خطا کے علاوہ دُم، قرابت، وغیرہ معنی میں ہوتا ہے۔مثلاً:۔

(۱) ذنبُ الکلب = کتے کی دُم

(۲) ذنابۃ الزید = زید کے قرابت والے

"ذنب" کے دیگر معنوں میں ⊙ اتباع کرنے والا یعنی متبع ⊙ پیروی کرنے والا Follower ⊙ ذریت یعنی اولاد اور نسل ⊙ بعد میں آنے والا وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔

"دُم" کو "ذنب" اس لیے کہا جاتا ہے کہ جانور کی دُم اس کے جسم کی تابع ہوتی ہے۔ جہاں جسم جائے گا، اس کی پیروی کرتے ہوئے دُم بھی جائے گی۔علاوہ ازیں دُم جسم کے بعد جائے گی۔پہلے جسم جائے گا بعد میں دُم جائے گی۔اسی طرح قرابت، ذریت، اولاد اور نسل کو "ذنب" کہنے کی یہی وجہ ہے کہ کسی شخص کی اولاد اور نسل اس کے بعد ہوتی ہے۔ ہر شخص مقدم یعنی پہلے ہوتا ہے اور اس کی اولاد و نسل مؤخر یعنی بعد میں ہوتی ہے۔ اسی طرح اتباع کرنے والے، پیروی کرنے والے یعنی اُمتی کو بھی اسی وجہ پر محمول کرکے "ذنب" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جو متبوع ہوتا ہے یعنی جس کی پیروی کی جاتی ہے وہ پہلے کسی امر پر عمل کرتا ہے اور متبع یعنی تابع یعنی پیروی کرنے والا متبوع کی متابعت میں بعد میں عمل کرتا ہے۔مثال کے طور پر جب نماز فرض کی گئی تو سب سے پہلے حضور اقدس، سید المعصومین، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی پھر آپ کی پیروی اور اتباع کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز پڑھی۔المختصر! دونوں آیات میں وارد لفظ "ذنب" کا ترجمہ "گناہ" یا "خطا" نہیں ہے۔ بلکہ:۔

✪ "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ"

(سورۂ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)، آیت: ۱۹)

ترجمۂ ایمانی:۔ ''اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو'' (کنز الایمان)

✪ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔

(سورۃ الفتح، آیت:۲)

ترجمۂ ایمانی۔ ''تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے'' (کنز الایمان)

تفسیر:۔'' اور تمہاری بدولت اُمت کی مغفرت فرمائے۔ (تفسیر خازن اور تفسیر روح البیان، بحوالہ:۔تفسیر خزائن العرفان، ص:۹۲۰)

امام عشق ومحبت، امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مندرجہ بالا دونوں آیات مقدسہ کے ایسے ایمان افروز تراجم فرمائے ہیں کہ ایمان تازہ ہونے کے ساتھ قرآن مجید کی آیات کی بھی مخالفت وخلاف ورزی نہیں ہوتی بلکہ مطابقت وموافقت ہوتی ہے۔منافقینِ زمانہ نے ان دونوں آیات کے علی الترتیب مندرجہ ذیل تراجم کیے ہیں:۔

(۱) ''اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے''

(ترجمہ از:۔مولوی محمود الحسن، دیوبندی)

(۲) ''تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے''

(ترجمہ:۔مولوی اشرف علی تھانوی)

مندرجہ بالا دونوں ترجموں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ''گناہ'' اور ''خطا'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔جو قرآن مجید کے ارشاد کے سراسر خلاف ہے کیونکہ:۔

''گناہ'' اور ''خطا'' اُسی سے سرزد ہوتے ہیں جو راہ سے بھٹک کر بے راہ چلتا ہے۔سیدھی راہ یعنی صراطِ مستقیم پر قائم رہنے والے یعنی انبیائے معصومین سے گناہ کا ارتکاب نہیں ہوتا کیونکہ وہ راہ سے بھٹکتے نہیں اور بے راہ چلتے نہیں۔رہے وہ لوگ جن سے گناہ واقع ہوتے ہیں جو راہِ حق سے بھٹکتے ہیں اور بے راہ بھی چلتے ہیں، ان سے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے قرآن مجید کی سورۃ النجم، آیت:۲، میں

صاف ارشاد ہے کہ:-

"مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى"

ترجمہ:- "تمہارے صاحب نہ بہکے، نہ بے راہ چلے۔" (کنزالایمان)

یعنی آپ کی ذاتِ گرامی نے نہ کبھی کوئی گناہ کیا ہے اور نہ ہی آپ سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہے۔ یہ کسی کے گھر کی بات نہیں بلکہ قرآن مجید کا فیصلہ ہے۔ جو لوگ گناہ اور خطا کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کے پاس سورۃ النجم کی اس آیت کا کیا جواب ہے؟

✪ ایک ضروری نکتہ:-

سورۃ الفتح کی مذکورہ آیت کے ترجمہ میں ہم نے منافقین زمانہ کے دو پیشواؤں (۱) مولوی اشرف علی تھانوی اور (۲) مولوی محمود الحسن دیوبندی کے تراجم پیش کیے۔ ان تراجم میں حضور اقدس سید المعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت ایسا لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ آپ کی:-

"اگلی پچھلی خطائیں اور وہ گناہ معاف کرے جو آگے ہو چکے اور جو پیچھے رہے۔"

(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔

مندرجہ بالا تراجم کے رد و ابطال میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ بلکہ اسی موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے لیکن ہماری اس کتاب کا موضوع "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیتِ کریمہ کی وضاحت اور تشریح کرنا ہے، کچھ وضاحت ہو چکی ہے اور ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے لہٰذا سورۃ الفتح کی آیتِ کریمہ "لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" کا منافقین زمانہ کے پیشواؤں نے جو تراجم کیے ہیں اس کے تعلق سے بالتفصیل تبصرہ نہ کرتے ہوئے اجمالاً اور کنایتاً کچھ اہم نکات کی طرف قارئین کرام کو توجہ دلاتے ہیں۔ اہل ذوق اور اہل علم حضرات ان نکات کے ذریعہ وسیع اور مفصل وضاحت و تشریح کر کے منافقین زمانہ کے منہ پر مہر لگا دیں گے۔

"وَمَا تَاَخَّرَ" غیر مقید ہونے کی وجہ سے اس کی میعاد تا قیامت بھی ہو سکتی ہے۔ لہذا یہاں آیت کا ترجمہ گناہ اور خطا میں ہرگز درست نہیں کہ کیونکہ "وما تاخر" کے غیر مقید ہونے نے یہ ذہن دیا ہے اور خطا صادر ہونے کا کوئی امکان نہیں تو مستقبل میں اور وہ بھی قیامت تک گناہ کا صادر ہونا محال اور غیر ممکن ہے۔ البتہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمت کے مومنین ماضی میں بھی ہوئے ہیں۔ اور مستقبل میں قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ اسی حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام عشق ومحبت، امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس آیت کا حسب ذیل ایمان افروز ترجمہ فرمایا ہے کہ:- "تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے" (کنزالایمان)

اس ایمانی ترجمہ میں "تمہارے اگلوں کے" سے مراد وہ مومن امتی ہیں جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات پاک کے زمانہ میں انتقال فرمایا یعنی وہ حضرات اس دنیا سے پردہ کرنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے تھے لہذا وہ "تمہارے اگلوں کے" میں شمار ہوں گے اور اس ایمانی ترجمہ میں "تمہارے پچھلوں کے" سے مراد وہ تمام مؤمنین ہیں جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد انتقال کیا یعنی انہوں نے حضور اقدس کے بعد دنیا سے کوچ کیا اور تا قیامت کوچ کرتے رہیں گے لہٰذا وہ "تمہارے پچھلوں کے" میں شمار ہوں گے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے "اگلے" اور "پچھلے" اُمتیوں کے گناہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس کے سبب سے معاف فرمائے گا۔

منافقین زمانہ میں عقل وفہم کا ایسا فقدان ہے کہ "اگلے" گناہ کے ساتھ "پچھلے" کو بھی جوڑ دیا اور "پچھلے" نے ان کو ایسا پچھاڑا کہ پیچھا چھڑانا بھی ان کے لیے پیچیدہ ہو گیا۔

الختصر! منافقین زمانہ پر قائم کیے گئے سوالات کا سوال نمبر ۴۰، ہر پہلو سے ان کو بھاری پڑتا ہے۔ اسی ایک سوال سے ان کے حواس باختہ ہو جائیں گے اور گیارہ سوالات کے جوابات دیتے ہوئے ان کا دم گیا کا گیارہ جائے گا۔

⦿ امام احمد رضا کے ترجمہ پر اعتراض کے امکان کا مُقدَّم اِختصاراً جواب

''ہوسکتا ہے کہ کسی معترض کو یہ اعتراض ہو کہ آیت کریمہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ کا ترجمہ ''تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے'' جو امام احمد رضا نے کیا ہے اس ترجمہ میں ''تمہارے سبب سے'' کا جملہ زائد ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ میں ایسا کوئی بھی لفظ وارد نہیں جس کا ترجمہ ''تمہارے سبب سے'' ہوتا ہو۔ بلکہ آیت میں لفظ ''لَكَ'' وارد ہے، جس کے معنی ہوتے ہیں ''تیرے لیے'' اور اس معنی میں وارد لفظ ''ذنب'' کا ترجمہ ''گناہ'' کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ ''تیرے لیے تیرے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیے'' یہ ترجمہ ہی ہونا چاہئے یہ عجیب و غریب ترجمہ ''تمہارے سبب سے'' کے اضافہ کے ساتھ کیسے ہوا۔''

جواباً عرض ہے کہ آیت میں وارد لفظ ''لک'' میں جو ''ل'' ہے اس لام پر ہی پورے ترجمہ کا دارومدار ہے۔ جن لوگوں نے ''تیرے لیے تیرے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے۔'' کے معنی میں آیت کا ترجمہ کیا ہے انہوں نے ''لک'' کے حرف جر ''ل'' کو تخصیص کے معنی میں استعمال کیا ہے اور علم نحو کی اس پہیلی کو نہ سلجھا سکے اور ترجمہ میں گڑبڑی کر دی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں وارد لفظ ''لک'' میں کاف سے پہلے جو حرف جر ''ل'' ہے وہ بجائے تخصیص کے ''تعلیل وسبب'' کے معنی میں ہے اور ''لام سببیہ'' حرف جر لام کے معانی مشترکہ اور خواص میں سے ہے۔ امام اجل، خاتم الحفاظ، علامہ جلال الملۃ والدین، عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اس آیت میں وارد لفظ ''لک'' کے ''ل'' کو لام سبب و تعلیل تسلیم فرمایا ہے اور لام کو لامِ تعلیل وسبب تسلیم کرنے سے خود بخود ''تمہارے سبب سے'' کے معنی رونما ہوں گے۔

علم صرف اور علم نحو کے ضوابط و اصول سے بہت ہی اختصاراً جواب عرض کر دیا ہے، اہل علم حضرات اس کی گہرائی تک پہنچنے کے لیے دریائے علم میں غوطہ زن ہو کر علوم و عرفان کے بے بہا گوہر و جواہر برآمد فرمائیں گے۔ ... اور ... اتنا بتاتا ہے کہ امام

عشق ومحبت، امام احمد رضا نے اس آیت کا جو ترجمہ فرمایا ہے، اس ترجمہ کی تائید وتوثیق، صاحب "تفسیر جلالین شریف" فرما رہے ہیں، جیسے کہ سورۃ الضحیٰ کی آیت کریمہ "وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی" کے ترجمہ کی تائید جلیل القدر صحابئ رسول، امین الامت، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان فرمودہ تفسیر سے ہوئی ہے۔ جس کا مفصل بیان اوراق سابقہ میں آپ حضرات نے مطالعہ فرمایا ہے۔

"اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" خطاب کن سے ہے؟"

حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے والے دور حاضر کے منافقین ایک بات یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی طرف سے "بشر" نہیں کہتے بلکہ ہم تو حضور اقدس کا قول جو انہوں نے خود اپنے متعلق اللہ کے حکم سے کہا ہے، اُسے دہراتے ہیں کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" یعنی "میں تمہاری طرح بشر ہوں۔" رسول اللہ کو اپنے جیسا بشر کہنے میں کوئی توہین نہیں ہے۔ ہم پر یہ غلط الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ کو اپنے جیسا بشر کہہ کر توہین کرتے ہیں۔ بلکہ ہم تو وہی کہتے ہیں کہ جو رسول اللہ نے اپنے متعلق کہا ہے بلکہ اللہ نے قرآن مجید میں ان کو حکم فرمایا ہے کہ "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ"

اس قسم کی چال بازی سے منافقین زمانہ بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں پھنستے ہیں۔ عوام بیچارے مذہبی معلومات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کی جعل سازی کا شکار بنتے ہیں۔

بے شک! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" لیکن حضور اقدس نے یہ ارشاد کب، کیوں اور کن کو مخاطب بنا کر فرمایا ہے؟ اس کو سمجھنا بھی اشد ضروری ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الخ) یہ آیت کریمہ قرآن مجید کی سورۃ الکہف اور سورۃ حم سجدہ، دونوں میں ہے۔ یہ دونوں سورتیں مکیہ ہیں یعنی دونوں سورتیں مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہیں۔ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات پاک دو حصوں میں منقسم ہے۔ (۱) مکی زندگی اور (۲) مدنی زندگی۔ مکی زندگی بھی دو حصوں میں حسب ذیل منقسم ہے:-

(۱) ظاہری نبوت کے پہلے کی زندگی یعنی ولادت اقدس سے بعثت تک یعنی چالیس (۴۰) سال کی عمر شریف تک۔

(۲) اعلان نبوت (بعثت) سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے تک یعنی ترپن (۵۳) سال کی عمر شریف تک۔

اب ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے دوسرے حصے یعنی ظاہری نبوت سے سرفراز ہونے (۴۰ رسال کی عمر شریف) سے ہجرت (۵۳ رسال کی عمر شریف) تک کے کل تیرہ (۱۳) سال کی حیات طیبہ ۶۱۰ء میں جب آپ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی توحید کی دعوت دی اور کفر و شرک کے افعال رذیلہ وقبیحہ مثلاً بت پرستی، ستاروں کی پرستش، تین خدا ہونے کا عقیدہ، خدا کے لیے اولاد کا فاسد اعتقاد وغیرہ سے ممانعت فرمانے کے ساتھ ساتھ چوری، ڈکیتی، جوا، شراب نوشی، زنا، وغیرہ افعال مذمومہ سے لوگوں کو روکا، تو مکہ معظمہ کے کفار ومشرکین تلملا اٹھے اور آپ کے جانی دشمن بن گئے۔ آپ کو قولی وفعلی تکالیف اور اذیتیں پہنچانی شروع کردیں، لوگوں کو آپ کے خلاف ورغلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن آپ کی ذات متعدد صفات اور آپ کے اخلاق حسنہ سے لوگ ایسے متاثر تھے کہ رشد وہدایت پر مشتمل آپ کی نصیحتیں ہمہ تن گوش ہوکر سنتے تھے اور آپ کی بات ایسی اثر پذیر ہوتی تھی کہ لوگ آپ کی دعوت حق کی طرف راغب ہوئے اور اپنے آبائی دین باطل کو خیرآباد کہہ کر اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حالانکہ شروع شروع میں لوگوں کے دخول اسلام کی رفتار اور تعداد کم تھی لیکن لوگوں کا دخول اسلام کا غیر منقطع سلسلہ جاری تھا۔ روزانہ کوئی نہ کوئی اسلام وایمان کی دولت لازوال سے مالامال ہو رہا تھا۔ آج فلاں شخص اسلام لایا، کل فلاں سردار قبیلہ ... فلاں ... قوم ایمان لایا۔ وغیرہ

وغیرہ ایسی خبریں روزانہ پھیلتی تھی۔ کفار مکہ کو جب اس بات کی اطلاع ہوتی تھی کہ فلاں فلاں اشخاص نے اسلام قبول کرلیا ہے تو غصہ میں لال ہو جاتے تھے۔ اور دانتوں سے انگلیاں کاٹتے تھے۔ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر کفار و مشرکین بوکھلا اٹھے اور ان کے پاؤں تلے سے زمین سرکنے لگی۔ لوگوں کو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے سے روکنے کے لیے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور ظلم و تشدد پر اُتر آئے۔ دینِ اسلام اختیار کرنے والے مؤمنین کو سخت مصائب و تکالیف پہونچانی شروع کیں لیکن شمعِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پروانوں کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہ ہوا بلکہ اسلام کی حقانیت و صداقت ان کے دلوں میں زیادہ مستحکم اور راسخ ہوگئی۔

مکہ معظمہ کے کفار و مشرکین بڑی الجھن اور کشمکش میں مبتلا تھے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف کارگر ہوسکے ایسا ایک بھی اصولی ہتھیار ان کے پاس نہ تھا۔ لہذا انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہمیت گھٹانے کے لیے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ:-

⊙ اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا (سورۃ التغابن، آیت:۶، پارہ:۲۸)

ترجمہ:- ''کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے؟''

یہ کہنے کا ان کا منشاء صرف یہی تھا کہ اے لوگو! تم جس کے کہنے پر اپنے باپ دادا کے دین سے منحرف ہو کر نیا دین اپناتے ہو، وہ دعوت دینے والا آدمی یعنی ''بشر'' ہی تو ہے۔ تو کیا ایک بشر ہمیں راہ بتائے گا؟ کیا ایک بشر کے کہنے پر تم نے اپنی قوم کے پرانے دین سے منہ موڑ لیا ہے؟

کفار و مشرکین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوتِ حق سے لوگوں کو پراگندہ ذہن کرنے کے لیے ''بشر'' ہونے کا ہی ہتھیار اس لیے اٹھایا تھا کہ حضور اقدس رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرزمین مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ اسی شہر میں آپ کا بچپن گزرا۔ جوانی کے ایام بھی اسی شہر کے لوگوں کے درمیان بس[illegible]ے لیکن آپ نے کبھی بھی، کہیں بھی، کوئی بھی، اور کسی طرح بھی ایک بھی فعل مکروہ کا [illegible] نہیں [illegible]ا تھا بلکہ اخلاق حسنہ کے پیکر جمیل بن

کر رشد و ہدایت کی روشنی سے عالم دنیا کو تابناک فرما رہے تھے۔ آپ کی دیانتداری اور ایمانداری ایسی شہرت یافتہ تھی کہ کفار و مشرکین بھی اس کے معترف تھے اور آپ کو "محمد امین" کے معزز و معظم لقب سے پکارتے تھے۔ آپ کی ظاہری اور نجی زندگی میں ذرہ برابر بھی کسی قسم کی کوئی خامی یا نقص نظر نہیں آتا تھا کہ جس کو موضوع بنا کر آپ کے خلاف بولا جاسکے۔ لے دے کر انہیں صرف ایک ہی بہانہ ملا اور وہ بہانہ بھی وہی ملا جو زمانہ ماضی کے کفار و مشرکین نے انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خلاف تجویز کیا تھا لہٰذا کفار مکہ نے بڑے شدومد کے ساتھ یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ یہ تو بشر ہیں۔ کیا ایک "بشر" ہمارا ہادی و رہنما بنے گا؟ ہرگز نہیں؟ یہ تو ہمارے تمہارے جیسے بشر ہیں۔ الحاصل! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف اپنی مہم اور تحریک چلانے کے لیے کفار و مشرکین نے صرف ایک ہی نعرہ بلند کیا کہ یہ تو ہمارے جیسے بشر ہیں۔ نتیجتاً وہ دولت ایمان سے محروم رہے اور کفر کے ظلمت کدہ میں بھٹکتے رہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ:

⊙ "فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا"

(پارہ:۲۸، سورۃ التغابن، آیت:۶)

ترجمہ:- "تو بولے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے؟ تو کافر ہوئے۔" (کنز الایمان)

⊙ "اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا"

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت:۹۴)

ترجمہ:- "جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا۔" (کنز الایمان)

⊙ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" (پارہ:۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت:۳)

ترجمہ:- "ان کے دل کھیل میں پڑے ہیں اور ظالموں نے آپس میں خفیہ مشورت کی کہ یہ کون ہیں۔ ایک تم ہی جیسے آدمی تو ہیں۔" (کنز الایمان)

الحاصل! کفار و مشرکین نے حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف

صرف ایک ہی آواز اٹھائی تھی کہ وہ بشر ہیں۔ جہاں دیکھو وہاں بشر، بشر اور بشر کی رٹ لگی ہوئی تھی۔ کفار و مشرکین نے بشر کی بانسری کے بھدے سُر کی بھد بھد سے ماحول کو پراگندہ کر رکھا تھا۔ ان کفار اور مشرکین کو جواب مرحمت فرماتے ہوئے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" یعنی "میں تمہارے جیسا بشر (آدمی) ہوں۔" ذرا غور فرمائیں! حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور کیوں ایسا فرمایا؟ جواب صاف ہے کہ حضورِ اقدس کا یہ ارشاد جوابا ہے یعنی کفار و مشرکین نے "بشر" ہونے کا جو غوغا مچا رکھا تھا اس کا مسکت جواب دیتے ہوئے ان کافروں سے فرمایا تھا کہ "میں تمہارے جیسا بشر ہوں" کسی مومن سے یہ خطاب نہیں فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں آپ نے کفار و مشرکین سے صرف یہ فرمایا تھا کہ "میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔" آپ نے ہرگز ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ "میں تمہارے جیسا ہی بشر ہوں" بلکہ "میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔" فرمانے کے بعد کا جو جملہ ہے یعنی "یُوْحٰی اِلَیَّ" یعنی "مجھے وحی آتی ہے" یہ جملہ کفار و مشرکین کو منہ توڑ اور دندان شکن جواب ہے کہ تم مجھے اپنے جیسا بشر کہتے ہو اور مجھے بشر کہہ کر میری اور میری دعوت حق کی اہمیت گھٹانا چاہتے ہو، تو سن لو! ہاں ہاں! میں تمہارے جیسا بشر ہوں یعنی ظاہری صورت بشری میں تمہارے جیسا بشر ہوں کیونکہ میں بصورت انسان پیدا ہوا ہوں لیکن میں تمہارے جیسا ہی بشر نہیں ہوں یعنی درجات و مراتب میں تمہارے جیسا بشر نہیں ہوں، میں تم جیسے عام انسانوں کی طرح نہیں ہوں کیونکہ "یُوْحٰی اِلَیَّ" یعنی "مجھے وحی آتی ہے" اور وحی ہر بشر پر نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور ذی مرتبت بشر پر یعنی نبی اور رسول پر ہی وحی آتی ہے۔ اور تم میں اور مجھ میں نزول وحی کا فرقِ عظیم ہونے کی بناء پر ہمارے درمیان بشری صورت کی ظاہری مساوات ہونے کے باوجود بھی میں تمہارے جیسا عام انسان نہیں۔

حضورِ اقدس، نورِ حق، ظلِ رب، نبی کریم، رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا جواب کفار اور مشرکین کے اوہام و اتہام کے منہ پر ایسا طمانچہ تھا کہ اگر ان میں ذرہ برابر بھی غیرت انسانی ہوتی تو وہ اس جواب سے سبق حاصل کر کے اپنی حرکتوں سے باز آجاتے، مگر انہوں نے "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" والی مثل پر عمل کرتے ہوئے الٹا دھڑا دھند عداوت اور سرکشی

پر اتر آئے۔

یہاں ایک ضروری وضاحت کرنا بھی اشد ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار ومشرکین کو ایسا جواب کیوں ارشاد فرمایا کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ یعنی" میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔" اس کا جواب کتب احادیث میں مذکور اس واقعہ سے بآسانی سمجھ میں آجائے گا کہ ایک مرتبہ کفار مکہ کے سردار ابوجہل لعین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ تمہارے جیسا ناپسندیدہ چہرہ میں نے کسی کا نہیں دیکھا۔ جواب میں سرکار دو عالم نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یارسول اللہ! آپ کے چہرہ اقدس جیسا حسین وجمیل چہرہ میں نے کسی کا نہیں دیکھا۔ اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا۔ ابوجہل اور حضرت صدیق اکبر کے دو متضاد اقوال کے جواب میں حضور اقدس نے ایک ہی جواب مرحمت فرمایا۔ اس پر صحابہ کرام کو تعجب ہوا اور اس کی وجہ پوچھی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آئینۂ حق نما بنایا ہے۔ ہر شخص مجھ میں اپنا عکس دیکھتا ہے۔ ابوجہل نے مجھ میں اپنا عکس دیکھ کر اپنا سراپا بیان کیا۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا پرتو مجھ میں دیکھ کر اپنے سراپا کی تعریف کی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ ہر شخص سے اس کی زبان میں اور اس کی عقل کے مطابق گفتگو فرماتے تھے بلکہ حدیث میں ارشاد ہے کہ "کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی حَسَبِ عُقُوْلِھِمْ۔ یعنی" لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو۔" علاوہ ازیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے ہر شخص سے ایسی کامل واقفیت رکھتے تھے کہ ہر شخص کی فطرت، عادت اور خصلت سے آپ کامل طور پر واقف تھے۔ بلکہ حدیث میں ارشاد ہے کہ "مَنْ لَّمْ یَعْرِفْ اَھْلَ زَمَانِہٖ فَھُوَ جَاھِلٌ" یعنی" جو اپنے زمانہ کے لوگوں کو نہ پہچان سکے وہ جاہل ہے۔" لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار ومشرکین کے قول "ھَلْ ھٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ یعنی" وہ یہ کون ہیں؟ تمہیں جیسے آدمی تو ہیں۔" کا جواب ان کے قول کے منشاء کو پہچانتے ہوئے اور ان کی عقلوں کی بساط سے آگہی

رکھتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی "آدمی (بشر) ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں۔" لیکن اس جواب کے جملہ کے فوراً بعد علی الاتصال یہ بھی فرمایا کہ "يُوحىٰ اِلَيَّ" یعنی "مجھے وحی آتی ہے" حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ایسا جامع و مانع ہے کہ بہ نظر عمیق، نگاہِ انصاف کے زاویہ سے اور غیر متعصبانہ و غیر جانبدارانہ رویہ اپنا کر اس پر غور و فکر کرنے والا اپنی زبان سے کبھی بھی یہ نہیں کہے گا کہ رسول اللہ ہمارے جیسے بشر تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے جو کچھ بھی ارشاد ہوا وہ وحی الٰہی ہے۔ کبھی اس مقدس زبان سے قرآن مجید کی آیات سننے میں آتی تھیں اور کبھی بہ شکلِ حدیث خدا کا حکم اور وحی جاری ہوتی تھی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:۔

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○
(پارہ:۲۷، سورۃ النجم، آیت:۳،۴)
ترجمہ:۔ "اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔" (کنزالایمان) تفسیر:۔ "اس میں یہ اشارہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات و افعال میں فنا کے اُس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ اپنا کچھ باقی نہ رہا، تجلی ربانی کا یہ استیلائے تام ہوا کہ جو کچھ فرماتے ہیں وحی الٰہی ہوتی ہے۔ (تفسیر روح البیان، بحوالہ:۔ تفسیر خزائن العرفان، ص:۹۳۶)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے نکلی ہوئی ہر بات وحیِ خدا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام شان جامعیت کا حامل ہے۔ فرماتے ہیں کہ

"اِنِّیْ قَدْ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ" (الحدیث)

ترجمہ:۔ "مجھے جامع کلمات سے نوازا گیا ہے۔"

- امیر المؤمنین، سیدنا مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت دیکھی تو عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم ایک ہی خاندان میں پیدا ہوئے لیکن آپ ہر زبان کے لوگوں سے ان کی زبان میں گفتگو فرما لیتے ہیں، حالانکہ ہم اُن کی بات تک سمجھ نہیں پاتے۔ آپ نے فرمایا اے علی! "اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ" یعنی "میری تربیت تعلیم میرے رب نے کی ہے اور بہت ہی اچھی کی ہے۔"
- امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں یہاں تک عرض کیا کہ "لَقَدْ طِفْتُ فِی الْعَرَبِ وَسَمِعْتُ فَصَاحَتَهُمْ فَمَا سَمِعْتُ اَفْصَحَ مِنْكَ" یعنی "میں سارا عرب گھوما ہوں اور عرب کے فصحاء کو بھی سنا ہے مگر آپ سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں پایا۔"
- حضرت بُرَیدہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی فصیح عرب میں نہ پہلے پیدا ہوا ہے، نہ پیدا ہوگا۔"

الحاصل! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام ایسا جامع و مانع اور فصیح و بلیغ ہوتا تھا کہ ایک جملہ میں بہت کچھ ارشاد فرما دیتے تھے اور ہر طبقہ کے لوگوں کے ساتھ ان کی عقلی و ذہنی بساط اور حیثیت کے مطابق کلام فرماتے تھے۔ کفار و مشرکین اور منافقین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہا تو حضور نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی بھی مومن سے یہ نہیں فرمایا کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں بلکہ کیا فرماتے تھے؟

''حضورِ اقدس نے صحابۂ کرام سے کیا فرمایا؟ اور صحابۂ کرام حضورِ اقدس کو اپنے جیسا بشر کہتے تھے یا نہیں؟ بلکہ کیا کہتے تھے؟

حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار و مشرکین سے خطاب فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے تھے کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" لیکن آپ نے کبھی بھی، کہیں بھی، کسی موقعہ پر بھی، کسی وجہ سے بھی اور کسی بھی مؤمن سے یہ نہیں فرمایا کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" بلکہ کیا فرماتے تھے وہ دیکھیں:-

- رمضان المبارک میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض راتوں میں وصال فرماتے تھے یعنی ''صومِ وصال'' یعنی پے در پے روزے اس طرح رکھتے تھے کچھ بھی نہ کھائیں یا پئیں اور افطار کریں بلکہ مسلسل روزہ رکھتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی ''صوم وصال'' رکھنے شروع کردیئے۔ نتیجتاً کچھ ہی دنوں میں ان کے جسموں میں لاغری، ناطاقتی، ناتوانی اور کمزوری آگئی۔ کچھ حضرات تو علیل و بیمار ہوگئے۔ اس امر کی حضورِ اقدس کو اطلاع ہوئی تو آپ نے از راہِ شفقت و رحمت صحابۂ کرام کو ''صومِ وصال'' کی ممانعت فرمادی۔ جیسا کہ ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت فرمودہ حدیث میں ہے۔ حضور نے صحابۂ کرام کو منع فرمایا تو صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب

آپ صوم وصال رکھتے ہیں تو ہمیں کیوں منع فرماتے ہیں باوجود یکہ ہم حضور کی متابعت کی تمنا رکھتے ہیں۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ مِثْلِیْ" "میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں"

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ "اَیُّکُمْ مِثْلِیْ" ترجمہ:- "تم میں سے کون میری مثل ہے؟" پھر ارشاد فرمایا "اِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ" ترجمہ:- میں اپنے رب کے حضور رات کا قیام کرتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔"

(حوالہ:- (۱) مسلم شریف، باب الصوم (۲) مدارج النبوۃ، از شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۴۲۳)

✪ حضرت عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ مجھے خبر پہونچی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والے کے مقابل میں آدھی (نصف) نماز ہے۔ (یعنی نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے) اس کے بعد جب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا۔ میں نے یہ گمان کیا کہ شاید حضور اقدس کو بخار ہے لہذا بیماری کی وجہ سے آپ بیٹھ کر نماز ادا فرمارہے ہیں۔ لہذا میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جبین اقدس (پیشانی شریف) پر اپنی ہتھیلی رکھی کہ معلوم کروں کہ آپ کو تپ (بخار) تو نہیں؟ جب میں نے مقدس پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا تو میری اس حرکت پر حضور نے فرمایا کہ اے عبداللہ! کیا ہے؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ! بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق تو آپ نے ایسا کچھ فرمایا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں آپ بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے ہیں؟ حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب عنایت کرتے ہوئے حضور اقدس نے فرمایا کہ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنكُمْ ترجمہ:- میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں"۔ (حوالہ:- مسلم شریف، باب الصلوۃ)

اس حدیث کے ضمن میں (۱) خاتمۃ المحققین، امام اجل، علامہ محمد بن علی دمشقی حصکفی (المتوفی ۱۰۸۸ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "دُرِّ مُختَار شَرحِ تَنوِيرُ الاَبصَار" میں اور (۲) علامہ محقق، امین الدین محمد بن عابدین شامی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی کتاب "رَدُّ المُحتَارُ عَلَى الدُّرِ المُختَار" میں فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے یعنی آپ بیٹھ کر بھی نماز ادا فرمائیں گے تب بھی آپ کے لیے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کا ثواب ہے۔

- حدیث شریف کی تقریباً تمام معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کئی موقعوں پر یہ فرمایا ہے کہ "اَيُّنَا مِثْلَهٗ" یعنی:- "ہم میں سے کوئی ایک بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثل نہیں"۔

مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ:-

(۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں اور تم میں سے کون میری مثل ہے۔

(۲) صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے تھے کہ ہم میں سے کوئی بھی حضور اقدس کی مثل نہیں۔

لہٰذا! ثابت ہوا کہ:-

- کفار، مشرکین اور منافقین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے تھے لہٰذا حضور اقدس نے ان سے فرمایا کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔
- صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر نہیں کہتے تھے لہٰذا حضور اقدس نے صحابہ سے فرمایا کہ میں تم جیسا

بشر نہیں ہوں۔

ایک اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ:-

ہ) حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا کافروں، مشرکوں اور منافقوں کا طریقہ تھا۔ دورِ حاضر میں جو لوگ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں وہ کفار، مشرکین اور منافقین کے طریقے کی پیروی کررہے ہیں۔

ج) حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے جیسے بشر نہیں ہیں اور ہم حضورِ اقدس کی طرح نہیں ہیں۔ یہ عقیدہ صحابۂ کرام کا تھا۔ لہٰذا جو اہلِ عشق ومحبت حضرات حضورِ اقدس کو بشر کہنے کے بجائے نورِ خدا اور نوری بشر کہتے ہیں، وہ صحابۂ کرام کے نقشِ قدم پر چل کر دولتِ ایمان سے مالا مال ہیں۔

”قرآن مجید کی آیتوں کے الفاظ کے ظاہری لغوی معنوں کو دلیل بنا کر کوئی عقیدہ یا عمل مقرر کرنا گمراہیت و بے دینی کا دروازہ کھولنا ہے۔“

قرآن مجید ربِ عظیم کا کلام ہے۔ پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کا کوئی ثانی یا مثل نہیں، اسی طرح اس کے کلام کا بھی کوئی ثانی و مثل نہیں۔ ربِ عظیم و اعلیٰ جل جلالہٗ کا کلام بھی تمام کلاموں سے عظیم و اعلیٰ اور افضل و بالا ہے۔ قرآن مجید کو اس کے صحیح معنی، مطلب، مفہوم، منشاء اور مراد میں سمجھنے کی ہر کسی میں صلاحیت نہیں ہوتی کیونکہ جیسا کہ ہم نے اوراق سابقہ میں

تفصیل کے ساتھ عرض کیا ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں کی کئی قسمیں ہیں مثلاً ⊙ آیاتِ محکمات ⊙ متشابہات ⊙ مبہمات ⊙ مقدمات ⊙ مؤخرات ⊙ عامات ⊙ خاصات ⊙ ناسخات ⊙ منسوخات ⊙ مجملات ⊙ مبینات ⊙ مطلقات ⊙ منطوقات ⊙ معطوفات وغیرہ وغیرہ۔

علاوہ ازیں قرآن مجید کی عربی لغات کثیر المعنی کی حامل ہے۔ ایک لفظ کے متعدد معنی ہوتے ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید کی آیت کا صحیح معنی مطلب سمجھنے کے لیے وسیع پیمانہ پر علم درکار ہے۔ لیکن وادحسرتا! دورِ حاضر میں منافقینِ زمانہ نے ملت اسلامیہ پر قیامت ڈھاتے ہوئے ماحول ایسا خستہ اور پراگندہ کردیا ہے کہ جاہلوں کی ٹولی کے ساتھ ایک دوچلتے کرآنے والے دوجاہل بلکہ اجہل کٹھ ملا کہ جس کو قرآن مجید ناظرہ پڑھنا بھی جاں گداز ہوتا ہے، اسے دوچار منسوخ اور متشابہ آیات طوطے کی طرح رٹا دیتے ہیں اور وہ اجہل ملا "پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل" والی مثل کا مصداق بن کر خطیب ملت اور مقرر اعظم کے تکبر و غرور میں ان منسوخہ اور متشابہ آیات کے الفاظ کے ظاہری لفظی معنوں کو دلیل اور سند بنا کر کفر، شرک اور بدعت کے زبانی فتوے دینے کے تنور پھیلاتا ہے۔ خصوصاً انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی عظمت و محبت کے جائز اور مستحب کاموں کو وہ اپنی شرک کے فتوے کی مشین گن کا نشانہ بناتا ہے۔ صدیوں سے رائج اور صحابہ، اولیاء، ائمہ، صلحاء، صوفیا اور اکابر علماء کے اقوال و افعال سے مستند شدہ اعتقاد و اعمال کو غیر اسلامی، خارج از ایمان، ناروا، نازیبا، مذموم، مقبوح، مغضوب، بلکہ شرک و بدعت ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیتوں کے ایسے تراجم اور مفہوم پیش کرتا ہے کہ اس کو آیت سے نسبت تک نہیں ہوتی۔ مختصر یہ ہے کہ منافقینِ زمانہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے کے لیے قرآن کی آیتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں اور قرآن کی آیتوں کی آڑ میں وہ اپنے مقاصد فاسدہ کی تکمیل و حصول کی سعی ناکام کرتے ہیں۔

منافقین زمانہ نے ایک منظم سازش کے تحت یہ مہم چلائی ہے کہ لوگوں میں یہ بات عام کردی جائے کہ قرآن مجید کی آیتوں کے مطلب و مفہوم کو سمجھنے کے لیے علم کی ضرورت نہیں اور علماء سے پوچھنے کی بھی حاجت نہیں بلکہ عوام الناس بھی قرآن کی آیتوں کے معنی و مفہوم بغیر کسی مشکل کے ازخود آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

✪ منافقین زمانہ کے پیشوا اور امام اول فی الہند، مولوی اسمٰعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ اور گمراہ کن کتاب "تقویت الایمان" جو در حقیقت "تفویت الایمان" یعنی "ایمان کو ختم کرنے والی" ہے۔ اس کتاب کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:-

(۱) "اور یہ عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ و رسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس کو بڑا علم چاہیے۔ ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے۔ ہماری کیا طاقت کہ اس کے موافق چلیں بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں۔ سو یہ بات غلط ہے۔ اس واسطے کہ اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف صریح ہیں۔ ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔"

(۲) "چنانچہ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے "وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَ مَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ" "ہم نے آپ کی طرف ایسی باتیں نازل کی ہیں جو صاف صاف حق کا اظہار کرنے والی ہیں اور ان کا انکار صرف فاسق کرتے ہیں یعنی ان باتوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔"

(۳) "اور اللہ و رسول کے کلام کو سمجھنے کے لیے بہت علم نہیں چاہیے کیونکہ پیغمبر تو نادانوں کو راہ بتلانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے علموں کو علم سکھلانے آئے تھے۔"

(۴) "جو کوئی یہ آیت سن کر پھر یہ کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی نہیں سمجھ سکتا اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی نہیں چل سکتا، اس نے اس آیت کا انکار کیا۔"

(حوالہ:- "تقویت الایمان" مصنف:- مولوی اسمٰعیل دہلوی، ناشر:- دار السلفیہ، بمبئی، تاریخ اشاعت اپریل ۱۹۹۷ء، ص:۱۳، ص:۱۴)

مندرجہ بالا اقتباسات کا ما حصل یہ ہے

- اللہ اور رسول کا کلام سمجھنے کے لیے بہت علم درکار نہیں۔ ہر جاہل سمجھ سکتا ہے۔
- قرآن مجید کی آیتوں کے معنی، مطلب اور مراد سمجھنے کے لیے عالموں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر شخص چاہے وہ نرا جاہل ہو، وہ قرآن شریف میں اپنے طور سے دخل دے سکتا ہے۔

ان دو اصولوں پر دورِ حاضر کے منافقین کی تحریکِ باطل کا انحصار ہے۔ عوام کو یہ ذہن دیا جا رہا ہے کہ علماء کو نظر انداز کرو۔ اللہ کا مقدس کلام قرآن مجید تم از خود سمجھ سکتے ہو۔ آیتوں کے مطلب، مفہوم اور مراد تم اپنے طور سے سمجھ سکتے ہو۔ علماء سے پوچھنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ یہ ایسی خطرناک چال ہے کہ اگر عوام کی یہ ذہنیت بن گئی کہ قرآن مجید کی تفہیم کے لیے علماء کرام سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہم بھی کچھ کم نہیں۔ ہم اپنے طور پر قرآن سمجھ سکتے ہیں۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ عوام قرآن کی تفہیم کے معاملہ میں علماء، مفسرین، مجتہدین، ائمہ دین، متکلمین، مستنبطین کسی کی بھی اتباع نہ کریں گے بلکہ قرآن کی آیات اور احادیث کے جو چاہیں و مطلب بیان کریں گے۔ ائمہ دین کی تقلید اور علماء دین کی پیروی اور اتباع سے بے قید ہو کر گمرا ہو جائیں گے۔ کیونکہ جس قوم کا علماء دین سے تعلق اور رابطہ ہے اسے آسانی اور جلدی سے گمرا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی گمراہ اور بد دین نے قرآن مجید کے حوالے سے کوئی غلط بات یا عقید، پھیلانے کی کوشش کی تو علماء سے تعلق رکھنے والے لوگ اس معاملے کی صحیح حقیقت اپنے علماء سے دریافت کریں گے اور علماء حق اہل باطل کے مکر و فریب کا پردہ فاش کر دیں گے۔ لہذا اب ۔ینی کی بنیاد رکھتے ہوئے یہ بات عام اور رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے علماء سے پوچھنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ ہر شخص بذات خود قرآن و حدیث ۔سانی سے سمجھ سکتا ہے۔

قرآن اور حدیث میں اپنی رائے کو دخل دینے کے متعلق حدیثوں میں سخت وعید وارد ہیں۔ جن کا صفحات سابقہ میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جاہل اور بے علم شخص جب قرآن و حدیث میں اپنی رائے کو دخل دیتا ہے، تو وہ شیطان کے بہکاوے میں بہت جلد آ جاتا ہے۔ اہل علم حضرات شیطان کے بہکاوے میں جلدی نہیں آتے۔ شیطان کے لیے ایک ہزار جاہلوں کو

بہکانا آسان ہے لیکن ایک عالم کو بہکانا دشوار ہے۔

حدیث:- امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ"

(مشکوٰۃ شریف، ص:۳۴)

ترجمہ:- "ایک فقیہ (عالم) شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔"

حدیث:- حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهٗ مِنْ عِبَادِهٖ وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقِ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا" (مشکوٰۃ شریف، ص:۳۳)

ترجمہ:- "اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح قبض نہ کرے گا کہ اپنے بندوں سے علم ہی ایک ساتھ اٹھالے بلکہ علم کو عالموں کے اٹھانے سے قبض فرمائے گا۔ یہاں تک کہ جب عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار (مذہبی پیشوا) بنائیں گے۔ اور ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا۔ وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

(ماخوذ از:- "اطیب البیان رد تقویۃ الایمان" مصنف:- صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی، مطبوعہ:- اہلسنت برقی پریس، مرادآباد، ص ۱۲)

مخبر صادق اور غیب جاننے والے اور بتانے والے پیارے "آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق، دور حاضر میں ہر طرف فتویٰ دینے والے جاہلوں اور واعظوں کی تعداد اس کثرت سے نظر آتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ جاہلوں کی ٹولی کے ساتھ ایک دو چلہ کر آنے والے جہلا مقرر و مفتی بنے گھومتے ہیں۔ اور بفرمان حدیث "ضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا" یعنی "خود بھی

گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں"

⦿ حضرت سیدنا مولیٰ علی نے بے علم واعظ کو مسجد سے نکلوا دیا:-

استاذ المحدثین، رئیس المفسرین، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ "تفسیر عزیزی" میں فرماتے ہیں کہ:-

"ابو جعفر نحاس از حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم روایت نمودہ کہ ایشاں روزے در مسجد کوفہ داخل شدند۔ دیدند کہ شخصے وعظ میگوید۔ پرسیدند کہ ایں کیست۔ مردم عرض کردند کہ ایں واعظ است کہ مردم را از خدای ترسانند واز گناہاں منع می کند۔ فرمودند کہ غرض ایں شخص آنست کہ خود را انگشت نمائے مردم سازد ازو چہ پرسید کہ ناسخ از منسوخ جدا میدانید یا نہ۔ او گفت کہ ایں علم خود ندارم۔ فرمودند کہ ایں را از مسجد برآرید"

(حوالہ:- تفسیر عزیزی، پارہ اول، ص:۵۰۰)

ترجمہ:- "ابو جعفر نحاس نے امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "کوفہ" شہر کی مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ ایک شخص وعظ کہہ رہا ہے۔ حضرت علی نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ واعظ (مقرر) ہے جو لوگوں کو خدا سے ڈراتا ہے اور گناہوں سے منع کرتا ہے۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ شخص وہ ہے جو اپنے آپ کو لوگوں کے درمیان رسوا کر رہا ہے۔ اسے پوچھو کہ قرآن کی ناسخ آیتوں کو منسوخ آیتوں سے جدا کر سکتا ہے؟ اس واعظ نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وعظ کرنے والے کے لیے حکم فرمایا کہ اسے مسجد سے نکال دو۔"

قارئین کرام! غور فرمائیں!! جس مقرر کو قرآن کی ناسخ اور منسوخ آیتوں کی معلومات نہ تھی اس کو امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، سیدنا مولائے کائنات علی بن ابی طالب رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے کوفہ شہر کی مسجد سے نکلوادیا۔ آج تو ایسی حالت ہے کہ واعظ کو آیات ناسخہ اور منسوخہ کا علم ہونا تو درکنار بلکہ ناسخ آیت اور منسوخ آیت یعنی کیا؟ وہ بھی معلوم نہیں ہوتا لیکن دو چار آیتیں رٹ لیتا ہے اور منبر خطابت پر چھلانگ لگا کر چڑھ بیٹھتا ہے۔ منافقین زمانہ کے جہلاء کی ٹولی ایک شہر میں پہنچی۔ سیدھے پہنچے مسجد میں اور بوریا بستر مسجد میں جمایا۔ نماز کے اختتام پر امیر الجاہلین نے کھڑے ہو کر کہا کہ دینی بھائیو! تھوڑی دیر ٹھہر جائیں۔ اللہ رسول کی باتیں ہوں گی۔ دین کی باتیں ہوں گی۔ لوگ رک گئے۔ امیر الجہلاء نے صلح کلیت کے عنوان کو موضوع سخن بنا کر قرآن مجید کی سورۃ الکافرون کی آیت ۶ "لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ" کا ترجمہ "تمہیں تمہارا دین مبارک اور مجھے میرا دین" کرتے ہوئے اپنی بقراطی چھانٹنی شروع کر دی۔ عین اسی وقت ایک سنی صحیح العقیدہ ذی علم صاحب مسجد میں آئے۔ جاہل مبلغوں کے امیر کو دوران تقریر ٹوکا کہ جناب جس آیت کی تم اپنی خیالی اور اختراعی تفسیر و تشریح بیان کر رہے ہو، وہ آیت ناسخ ہے یا منسوخ؟ امیر صاحب کی ہوا اڑ گئی۔ جواب دیتے ہوئے کہا کہ کیا ناسخ اور کیا منسوخ؟ بس اتنا سمجھو کہ قرآن کی آیت ہے۔ اللہ کا کلام ہے۔ یہ کیا تم نئی بات نکالتے ہو؟ ناسخ وناسخ ہم کچھ نہیں جانتے۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ قرآن کی آیت ہے۔ اسی کے ضمن میں ہم مؤمن بھائیوں کو دین کی باتیں بتاتے ہیں۔ امیر صاحب کی جہالت پر محترم ذی علم سنی صاحب نے امیر جی کو للکارا اور اسے بولنے سے روک کر خود کھڑے ہو کر قرآن مجید کی آیات کے اقسام اور اس کے متعلق احکام و اصول وضوابط پر ایسی علمی گفتگو فرمائی کہ امیر صاحب کو دن میں تارے نظر آنے لگے۔ فوراً سمجھ گئے کہ یہاں ہماری دال نہ گلے گی لہٰذا ہم بحث نہیں کرتے، ہم بحث نہیں کرتے، کا ورد پڑھتے ہوئے اپنی جاہلوں کی ٹولی سمیت راہِ فرار اختیار کی۔

قارئین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر بہت ہی اختصار کے ساتھ ہم آیاتِ ناسخہ اور منسوخہ کی وضاحت پیش کرتے ہیں۔

⊙ قرآن مجید کی منسوخ اور ناسخ آیتوں کے متعلق:-

بسم اللہ کی "ب" ... "... کا کلام ہونے پر ہمارا

ایمان ہے۔قرآن مجید کی تمام آیتوں کے حق ہونے پر بھی ہمارا ایمان ہے۔قرآن مجید کی آیتوں کے کئی اقسام ہیں۔جن میں سے آیاتِ منسوخہ اور آیات ناسخہ کے متعلق ہم معلومات حاصل کریں۔

(۱) منسوخ اس آیت کو کہتے ہیں کہ جس کا حکم واپس لے لیا گیا ہو یعنی اس آیت پر عمل کرنے کا حکم رد فرما دیا گیا ہو۔آیت کے منسوخ ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ آیت قرآن شریف سے رد و باطل کردی گئی۔وہ آیت منسوخ ہونے سے پہلے جس طرح قرآن کا ایک حصہ تھی، اسی طرح ہی وہ آیت منسوخ ہونے کے بعد بھی قرآن کا ایک حصہ ہی ہے۔وہ آیت قرآن مجید میں منسوخ ہونے کے بعد بھی حسّل سابق برقرار ہے۔اس کی تلاوت بھی ہوتی ہے، نماز میں بھی پڑھی جاتی ہے اور جو اجر و ثواب اور فضیلت دیگر آیات کی تلاوت میں ہے، وہی اس آیت میں بھی ہے۔البتہ اس آیت کا حکم واپس لے لیے جانے کی وجہ سے اب اس آیت کے حکم پر عمل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس آیت سے شرعی احکام و مسائل نافذ کیے جائیں گے۔الحاصل! موجودہ قرآنِ مجید میں جو منسوخ آیتیں ہیں ان کی تلاوت باقی ہے لیکن ان آیتوں پر عمل نہیں۔

اب ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ قرآنِ مجید کی بعض آیتوں کو کیوں منسوخ کر دیا گیا ہے اور قرآن کی آیتوں کے منسوخ ہونے کا قرآن میں ثبوت ہے یا نہیں؟

✪ قرآن مجید میں ہے کہ:-

"مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا"

(پارہ:۱، سورۃ البقرہ، آیت:۱۰۶)

ترجمہ:- "جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔" (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ:-

(۱) آیت کا منسوخ ہونا دو طرح ہوتا ہے۔ کبھی آیت کا صرف حکم منسوخ ہوتا ہے اور کبھی آیت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوتے ہیں۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (المتوفی ۴۵۸ھ) نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک انصاری صحابی شب کو تہجد کی نماز کے لیے اٹھے۔ اور سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورت ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اس کو پڑھنا چاہا لیکن وہ بالکل یاد نہ آئی اور سوائے "بِسْمِ اللّٰہِ" کے کچھ نہ پڑھ سکے۔ صبح کو انہوں نے دوسرے صحابۂ کرام سے اس کا ذکر کیا تو ان حضرات نے فرمایا کہ ہمارا بھی یہی حال ہے۔ وہ سورت ہمیں بھی یاد تھی لیکن اب وہ ہمارے حافظہ میں بھی نہ رہی۔ سب نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ عرض کیا۔ حضور اقدس نے فرمایا آج شب وہ سورت اٹھالی گئی۔ اس کے حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہوئے۔ یہاں تک کہ جن کاغذوں پر وہ سورت لکھی ہوئی تھی ان پر نقش تک باقی نہ رہے۔"

(حوالہ:۔ تفسیر خزائن العرفان، ص: ۳۰)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جن آیتوں کے حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہوئے ہیں، وہ آیتیں اب قرآن مجید میں موجود نہیں۔ صرف وہی منسوخ آیتیں موجود ہیں جن کا حکم تو منسوخ ہوگیا ہے لیکن تلاوت باقی ہے۔ لہٰذا آیات منسوخہ کے متعلق ہم جو وضاحت پیش کررہے ہیں اس سے وہی آیات منسوخہ مراد ہیں جن کا حکم منسوخ اور تلاوت باقی ہے۔

(۲) قرآن کی کسی آیت کا حکم قرآن ہی کی کسی دوسری آیت سے منسوخ ہوتا ہے۔ لیکن اس میں اس امر کا التزام ہوتا ہے کہ جو آیت منسوخ ہوتی ہے وہ پہلے نازل شدہ ہوتی ہے۔ یعنی آیت مقدمہ ہوتی ہے اور جو آیت ناسخ ہوتی ہے یعنی جس آیت کی وجہ سے کسی دوسری آیت یا آیتوں کا حکم منسوخ ہوتا ہے وہ ناسخ آیت بعد میں نازل شدہ ہوتی ہے۔ یعنی آیت

موخرہ ہوتی ہے۔

(۳) حدیث متواتر سے بھی کسی آیت کا حکم منسوخ ہو جاتا ہے (حوالہ:۔تفسیر خزائن العرفان، ص:۳۰) اس کی بحث بہت طویل ہے لہذا یہاں اس بحث کو طول تحریر کے خوف سے ترک کر دیتے ہیں۔

(۴) ناسخ اس آیت کو کہتے ہیں کہ جس آیت کی وجہ سے کسی آیت کا حکم منسوخ یعنی زائل ہو گیا ہو۔ ناسخ آیت کا نزول منسوخ آیت کے بعد میں ہوتا ہے۔

(۵) قرآن مجید کی آیات ناسخہ اور آیات منسوخہ دونوں رب تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہیں اور دونوں اقسام کی آیات عین حکمت پر مبنی ہیں۔ یعنی کبھی ایک حکم ایسا نازل ہوتا ہے جو بندوں کے لیے آسان اور فائدہ مند ہوتا ہے۔ پھر اسی حکم کو بدل کر اس کی جگہ زیادہ آسان اور نفع بخش حکم نازل کیا جاتا ہے۔ یعنی پہلا حکم ایک متعین مدت کے لیے اور عین حکمت پر محمول تھا اور مدت گزر جانے کے بعد اب حکمت یہ ہے کہ اس حکم کو بدل کر اس حکم سے بھی زیادہ آسان اور زیادہ نافع حکم بعد میں نافذ کیا جائے۔

(۶) ایک ضروری بات یہ بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ قرآن مجید میں ماضی کے واقعات اور ماضی کے اخبارات کا جو ذکر ہے، اور جن آیتوں میں قرآنی اخبارات اور قصص مذکور ہیں، وہ آیتیں کبھی بھی منسوخ نہیں ہوتیں بلکہ صرف وہی آیتیں منسوخ ہوتی ہیں جن میں کسی کام کا حکم دیا گیا ہو یا کسی کام سے روکا گیا ہو۔ یعنی حلال وحرام کے بعض احکام بدلے گئے ہیں لیکن جب دین حنیف یعنی شریعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکمیل ہوگئی اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" (پارہ:۶، سورۃ المائدہ، آیت:۳)

ترجمہ:- "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔" (کنزالایمان)

تو اب قرآن کے حلال و حرام کے احکام میں تبدیلی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں رہا کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد قیامت تک اب کوئی بھی منصب نبوت پر فائز نہیں ہوگا۔ لہذا حلال و حرام کے احکام میں اب کوئی رد و بدل نہیں کر سکتا۔

اب ہم ایک مثال ایسی پیش کرتے ہیں تاکہ اس مثال سے قارئین کرام کو ناسخ اور منسوخ کی صحیح تفہیم حاصل ہونے کے ساتھ دورِ حاضر کے منافقین کی جعل سازی، دروغ گوئی، کذب بیانی، فریب دہی، اور قرآن مجید کی مقدس آیت کی آڑ میں قوم و ملت کے ساتھ کی جانے والی دھوکہ بازی سے آگہی اور واقفیت حاصل ہو، اور ان کے دام فریب میں پھنسنے سے محفوظ رہیں۔

⊙ "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ" آیت منسوخ ہے اور کیوں منسوخ ہے؟

جب اسلام کا ابتدائی دور تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری نبوت اور توحید خالص کے اعلان کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور چند حضرات ہی اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ قریش مکہ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی روک تھام کے لیے روزانہ نئی ترکیب تجویز کرتے تھے۔ ان میں سے ایک ترکیب یہ تھی کہ:-

> "قریش کی ایک جماعت نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے دین کا اتباع کیجیے، ہم آپ کے دین کا اتباع کریں گے یعنی ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ! میں اللہ کے ساتھ غیر کو شریک نہیں کروں گا۔ اس پر قریش کی جماعت نے کہا کہ آپ ہمارے کسی معبود (یعنی بت) کو صرف ہاتھ ہی لگا دیجیے، ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ اس پر سورۃ

الکافرون نازل ہوئی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام (خانۂ کعبہ) میں تشریف لے گئے۔ وہاں قریش کی وہ جماعت موجود تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں یہ سورت یعنی سورۃ الکافرون پڑھ کر سنائی تو وہ مایوس ہو گئے اور حضور کے اور حضور کے اصحاب کے درپے ایذا ہو گئے۔"

(حوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص:۱۰۸۵)

جب کفار مکہ اپنی ترکیب میں کامیاب ہونے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے ظلم وستم اور زور وتشدد کا طریقہ اپنایا۔ اور حالت یہ تھی کہ صحابۂ کرام ہر وقت کفار و مشرکین کے ظلم وستم کے نشانہ پر تھے۔ قرآن مجید کی آیت کریمہ "اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا" (پارہ:۱۷، سورۃ الحج، آیت:۳۹) ترجمہ:- "پروانگی (اجازت) عطا ہوئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا۔" (کنزالایمان) کی تفسیر میں مرقوم ہے کہ:-

"کفار مکہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزمرہ ہاتھ اور زبان سے شدید ایذائیں دیتے اور آزار پہنچاتے تھے اور صحابہ حضور کے پاس اس حال میں پہنچتے تھے کہ کسی کا سر پھٹا ہے، کسی کا ہاتھ ٹوٹا ہے، کسی کا پاؤں بندھا ہوا ہے۔ روزمرہ اس قسم کی شکایتیں بارگاہ اقدس میں پہنچتی تھیں اور اصحاب کرام کفار کے مظالم کی حضور کے دربار میں فریادیں کرتے۔ حضور یہ فرمادیا کرتے کہ صبر کرو۔"

(حوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص:۶۰۵)

صحابۂ کرام کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق صبر کرنا اور کسی قسم کی جوابی کارروائی نہ کرنا کفار مکہ کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث بنا۔ انہوں نے صحابہ کرام کے صبر کو کمزوری میں شمار کرتے ہوئے ظلم وستم کرنے میں حد سے تجاوز کرنے لگے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار مکہ کو تہدید اور تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے کہ اگر تمہیں میری دعوت حق قبول نہیں تو سرزمین حرم مقدس پر لڑائی اور جھگڑا کیوں کرتے ہو۔ لڑائی جھگڑے کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ:

"لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ"

(پارہ: ۳۰، سورۃ الکافرون، آیت: ۶)

ترجمہ:- "تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین۔" (کنز الایمان)

یعنی تمہارا کفر و شرک تمہارے لیے ہے اور اس کا وبال تمہارے ہی سر پہ ہے اور رہے گا اور میرے لیے میری توحید، میرا اسلام اور سچائی کی راہ ہے۔

اس وقت کا ماحول ایسا تھا کہ کفار مکہ کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد سالن میں نمک کی مقدار کی طرح تھی۔ کفار مکہ کے ظلم و ستم کی جوابی کارروائی کا قدم اٹھانا نقصان دہ تھا۔ وقت کا تقاضا یہی تھا کہ کفار مکہ سے تعرض نہ کیا جائے بلکہ مناسب وقت اور موقعہ آنے تک صبر کیا جائے۔ لہذا قرآن میں "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ" کا حکم نازل ہوا۔

وقت اپنی تیز رفتاری سے گزرتا گیا۔ ظاہری نبوت کے اعلان کو تیرہ سال کا عرصہ گزر گیا کفار مکہ نے ان تیرہ سال کے عرصے کے درمیان مسلمانوں کا جینا مشکل کر دیا تھا۔ ظلم و ستم غلو کی حدیں بھی متجاوز کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ شیخ نجدی (شیطان) کی معیت و موجودگی میں "دارالندوہ" میں کفار مکہ کے سرداروں نے میٹنگ بلائی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش کی لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے شب میں ہی مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں آفتاب اسلام کی تابناکی شباب پر آئی اور لوگ جوق در جوق اور گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے۔ مسلمانوں کی تعداد میں روزانہ اضافہ ہونے لگا اور اچھی خاصی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ کفار مکہ کے ایماء و اشارہ پر مدینہ منورہ کے کفار و مشرکین اور یہودیوں نے سرکشی اور شرارتیں شروع کیں۔ لیکن صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے صبر سے کام لیتے تھے اور جو روپیہ مکہ معظمہ میں اپنایا تھا یعنی "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ" پر عمل کرتے ہوئے جوابی کارروائی سے باز رہے۔

مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مکہ معظمہ میں کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کا جواب دیتے ہوئے جنگی اقدام اٹھانے مضر اور نقصان دہ تھے لہذا وہاں سورۃ

الکافرون نازل ہوئی اور "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ" کا حکم نافذ فرمایا گیا لیکن اب مدینہ منورہ کا دیگر ماحول تھا۔ اسلام نے تقویت حاصل کرلی تھی اب مدینہ طیبہ میں "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ" پر عمل کرتے ہوئے خاموش بیٹھا رہنا نقصان دہ ہے کیونکہ کثرت تعداد کے باوجود بھی کچھ نہ کرنا اور سر پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا کمزوری اور بزدلی میں شمار ہوگا۔ لہذا ۲ ھ میں مدینہ طیبہ میں سورۃ الحج نازل ہوئی اور سورۃ الحج کی آیت نمبر ۳۹ "اُذِنَ لِلَّذِيْنَ الخ" نازل ہوئی۔ یہ وہ پہلی آیت ہے جس میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس آیت سے کفار و مشرکین کے ساتھ جہاد اور قتال کرنے کا حکم نافذ ہوا۔

غور فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت کا تقاضا کتنا عظیم ہے۔ مکہ معظمہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جہاد وقتال سے منع کیا گیا تھا۔ حالانکہ صحابۂ کرام روزانہ کفار مکہ کے ہاتھوں زخمی ہوکر خدمت اقدس میں آتے تھے اور کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کی فریادیں کرتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو صبر کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ مجھے قتال و جہاد کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے جب مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت فرمائی تو اس کی اجازت دی گئی۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ چونکہ مکہ مکرمہ میں کفار و مشرکین بہت زیادہ تعداد میں تھے اور ان کو اقتدار و غلبہ حاصل تھا، جب کہ مسلمان بہت کم، خال خال اور کمزور تھے۔ اس بنا پر رب العزت کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جہاد وقتال کی مشروعیت کو اس وقت تک مؤخر رکھا جائے جب تک کہ محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز نہ ہو جائیں۔ چنانچہ جب حضور اقدس مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور صحابہ کرام کی جمعیت اچھی خاصی تعداد میں ہوگئی، تب سورۃ الحج کی آیت: ۳۹ کے ذریعہ جہاد وقتال کی مشروعیت مستقل طور پر ہوئی۔

۲ ھ میں جہاد وقتال کی اجازت عطا ہونے کے بعد غزوات اور سرایا کا آغاز ہوا۔ اور حسب ذیل غزوات اور سرایا وقوع پذیر ہوئے۔

۲ھ ✪ غزوات:- (۱) جنگ بدر اولی (۲) جنگ بدر (۳) ابواء (۴) بواط (۵) عشیرہ (۶) سویق (۷) قرقرۃ الکدی (۸) غزوۂ قینقاع

✪ سرایا:- (۱) دار ارقم (۲) سعد بن ابی وقاص (۳) عبداللہ بن جحش (۴) عمیر بن عدی (۵) سالم بن عمیر

نوٹ:- غزوات جمع ہے غزوہ کی۔ اور غزوہ اس لشکر کو کہتے ہیں جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذات خود تشریف لے گئے ہوں۔

سرایا جمع ہے سریہ کی اور سریہ اس لشکر کو کہتے ہیں کہ جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذات خود تشریف نہ لے گئے ہوں بلکہ اپنے اصحاب کو کسی کی سرداری میں دشمنوں کے مقابلہ میں بھیج دیا ہو۔ مثال کے طور پر ۲ھ میں خرار نامی پتھروں کی وادی جو جحفہ کے قریب ہے اس کی طرف حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ فرمایا۔ اس لشکر کے لیے سفید علم (Flag) تیار کیا گیا تھا اور حضرت مقداد بن الاسود اس کے علمبردار تھے۔ اس سریہ کا نام سریہ سعد بن ابی وقاص مشہور ہے۔

۳ھ ✪ غزوات:- (۱) جنگ احد (۲) غزوۂ غطفان (۳) غزوۂ نجران

✪ سرایا:- (۱) سریۂ قردہ (۲) سریۂ رجیع (۳) سریہ ابوسلمہ مخزومی (۴) سریہ عبداللہ بن انیس

۴ھ ✪ غزوات:- (۱) غزوۂ بنی نضیر (۲) غزوۂ بدر صغریٰ

✪ سرایا:- (۱) سریہ بیر معونہ

۵ھ ✪ غزوات:- (۱) غزوۂ مریسیع (غزوۂ بنی المصطلق) (۲) غزوۂ احزاب (خندق) (۳) غزوۂ بنو قریظہ (۴) غزوۂ دومۃ الجندل

✪ سرایا:- (۱) سریہ ابوعبیدہ بن الجراح بجانب سیف البحر

⊙ ۶ھ ✪ غزوات:- (۱) غزوۂ ذات الرقاع (۲) غزوۂ ذی قرد (۳) غزوۂ بنولحیان

✪ سرایا:- (۱) سریہ محمد بن مسلمہ بجانب بنی کلاب (۲) سریہ محمد بن مسلمہ بجانب بنی ثعلبہ (۳) سریہ محمد بن مسلمہ بجانب نجد (۴) سریہ عکاشہ بن محصن بجانب بنی اسد (۵) سریہ زید بن حارثہ بر موضع جموم (۶) سریہ زید بن حارثہ بر موضع عیص (۷) سریہ زید بن حارثہ بجانب وادی القریٰ (۸) سریہ زید بن حارثہ بجانب ام قرفہ (۹) سریہ زید بن حارثہ بجانب طَرف (۱۰) سریہ زید بن حارثہ بجانب حِسْمیٰ (۱۱) سریہ زید بن حارثہ بجانب وادی القریٰ بار دوم (۱۲) سریہ عبدالرحمٰن بن عوف بسوئے بنی کعب (۱۳) سریہ عبداللہ بن رواحہ بسوئے اسیر بن رزم یہودی بمقام خیبر۔

مندرجہ بالا وضاحت کے مطابق جہاد اور قتال کی اجازت عطا ہونے کے بعد یعنی ۲ھ سے ۶ھ تک کل بیس (۲۰) غزوات اور چوبیس (۲۴) سرایا واقع ہوئے۔ ان تمام محاذات میں اسلامی لشکر نے فتح و کامیابی حاصل کی اور کفار، مشرکین و یہود کو شکست فاش ہوئی۔ ان غزوات اور سرایا کے نتائج نے دشمنوں کو مغلوب، مرعوب اور خوف زدہ کر دیا۔ اسلام اور مسلمانوں کا رُعب و دبدبہ چھا گیا اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔

۶ھ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے لیکن قریش مکہ مانع ہوئے لہٰذا آپ مکہ معظمہ سے نو (۹) میل کے فاصلہ پر واقع حدیبیہ نام کے مقام پر ٹھہرے۔ وہاں کل بیس (۲۰) دن آپ نے اقامت کی۔ حدیبیہ میں "بیعت رضوان" اور "صلح حدیبیہ" کے واقعات وقوع پذیر ہوئے جن کا ذکر یہاں نہیں کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب "ضجنان" نام کے مقام پر پہنچے اور ایک روایت میں ہے کہ جب "کراع الغمیم" نام کے مقام کے قریب پہنچے تو سورۃ الفتح ("انا فتحنا لك فتحاً مبيناً" پارہ:۲۶) نازل ہوئی۔ اس مقدس سورت کی

ایک آیت تلاوت کرنے کا شرف حاصل کریں:-

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ"
(پارہ:۲۶،سورۃ الفتح،آیت:۲۹)
ترجمہ:-"محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل"(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) (کنز الایمان)

اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی صفت بیان کی جارہی ہے کہ" کافروں پر سخت ہیں"یعنی اب مکہ معظمہ کی طرح ظلم وستم برداشت کرتے ہوئے "لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ" والا معاملہ نہیں بلکہ اب حالات تبدیل ہوگئے ہیں۔اب کفار ومشرکین کے ظلم وستم کا دنداں شکن جواب دیا جائے گا۔چنانچہ:-

⊙ ۷ھ ✪ غزوات:- (۱) غزوۂ خیبر (۲) غزوۂ وادی القری

✪ سرایا:- (۱) سریہ فدک (۲) سریہ ابوبکر صدیق (۳) سریہ عمر بن الخطاب (۴) سریہ بشیر بن السعد انصاری (۵) سریہ غالب لیثی بجانب میفہ (۶) سریہ غالب لیثی بجانب بنی الملوح

⊙ ۸ھ ✪ غزوات:- (۱) غزوۂ حنین (ہوازن) (۲) فتح مکہ (۳) غزوۂ طائف

✪ سرایا:- (۱) سریہ موتہ (۲) سریہ غالب لیثی بسوئے کدید (۳) سریہ عمرو بن العاص بجانب ذات السلاسل (۴) سریہ الخبط (۵) سریہ ابو عامر اشعری (جنگ اوطاس)

یعنی صرف دو سال کے قلیل عرصہ میں کل پانچ (۵) غزوات اور گیارہ (۱۱) سرایا وقوع میں آئے۔

سورۃ الفتح نازل ہونے کے دو سال کے بعد یعنی ۷ھ اور ۸ھ دو سال کی مدت میں کل پانچ (۵) اہم غزوات ... (۱) ... خیبر، غزوۂ حنین اور

غزوۂ فتح مکہ نے ملک عرب کے کفار اور مشرکین نیز یہود و نصاریٰ کی کمریں توڑ دیں اور انہیں پسپا کر کے رکھ دیا۔ اسلامی لشکر کی ہیبت اور دبدبے سے دشمن لرزنے اور کانپنے لگے اور اسلام نے ایسا غلبہ حاصل کیا کہ اعدائے دین میں اب آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت تک باقی نہیں تھی۔ ایک طرف سے کفار، مشرکین اور یہود کا معرکۂ جنگ میں شکست اور ہزیمت اٹھانا، ان کی فوجی طاقت کا نیست و نابود ہونا، ان کے معاونین کا جان بچانے کی خاطر ادھر ادھر متفرق علاقوں میں منتشر ہونا اور دوسری طرف سے اسلامی لشکر کی فتوحات اور فتوحات کے ذریعہ کثیر تعداد میں مال غنیمت حاصل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا مالی، اقتصادی اور فوجی اعتبار سے مضبوط و قوی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام قبول کرنے والوں کا جم غفیر وغیرہ وجوہات کی بناء پر اب مسلمانوں نے ایسا غلبہ حاصل کر لیا کہ اب کفار و مشرکین کی کسی قسم کی زیادتی اور شرارت کا بڑھ چڑھ کر منہ توڑ جواب دینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ جب ایسا ماحول قائم ہو گیا تب قرآن مجید کی سورۃ التوبہ نازل ہوئی۔ ایک حوالہ سورت کے وقت نزول کے متعلق پیش خدمت ہے۔

"سورۃ التوبہ ۹ھ یعنی فتح مکہ کے ایک سال بعد نازل ہوئی ہے۔"

(حوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص:۳۳۶)

✪ اب ہم سورۃ التوبہ شریف کی ایک آیت کی تلاوت کا شرف حاصل کرتے ہیں:-

" فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ "
⊙ = پارہ: ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت: ۵ = ⊙
ترجمہ:- " تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور قید کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔" (کنز الایمان)

اس آیت کے ہر لفظ اور ترجمے پر غور فرمائیں، اس آیت کو مفسرین کرام کی اصطلاح میں آیت قتال کہتے ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے سے سورۃ الکافرون کی آیت لَکُم

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ" منسوخ ہوئی ہے۔ سورۃ الکافرون کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:-

"هٰذِهِ الْاٰيَةُ مَنْسُوْخَةٌ بِاٰيَةِ الْقِتَالِ"

ترجمہ:- "یہ آیت منسوخ ہے آیت قتال سے۔" (حوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص:۱۰۸۵)

صرف آیت قتال ہی نہیں بلکہ پوری سورۃ التوبہ میں کفار، مشرکین اور منافقین کے ساتھ شدت اور سختی کے ساتھ جہاد و قتال کرنے کے احکام نازل ہوئے ہیں۔ مثلاً:-

"يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ"
⊙= پارہ:۱۰، سورۃ التوبہ، آیت:۷۳ =⊙
ترجمہ:- "اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو۔ اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔" (کنز الایمان)

سورۃ التوبہ کی تفسیر میں ہے کہ:-

- "اس سورت کے اوّل میں "بِسْمِ اللّٰه" نہیں لکھی گئی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سورت کے ساتھ بسم اللہ لے کر نازل ہی نہیں ہوئے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ حضرت علی مرتضیٰ سے مروی ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورت تلوار کے ساتھ امن اُٹھا دینے کے لیے نازل ہوئی ہے۔" (حوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص:۳۳۶)

یہاں تک کہ تفصیلی وضاحت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سورۂ کافرون مکہ معظمہ میں ہجرت اقدس سے پہلے نازل ہوئی تھی اور اُس وقت کے ماحول کی سنگینی اور نزاکت و نیز کفار

[illegible] تھا اور غلبہ اہل مسلمانوں کی قلیل تعداد و کمزوری کی وجہ سے حکمت الہیہ کا اقتضاء [illegible] ۔ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ کا حکم نازل فرمایا گیا۔ اس آیت پر ۹ھ تک عمل رہا کیونکہ ۹ھ تک یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی تھی لیکن ۹ھ میں سورۃ التوبہ کی آیت نمبر:۵ یعنی آیت [illegible] سے "تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین" پر عمل کرنے کا حکم منسوخ فرمادیا گیا اور نیا حکم [illegible] [illegible] لوں کو مارو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور قید کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔"

القصہ سورۃ الکافرون کی آیت "لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ" آیت قتال سے منسوخ ہے۔ اب اس کی صرف تلاوت باقی ہے۔ اس پر عمل نہیں لیکن......؟

منافقین زمانہ منسوخ اور متشابہ آیات ہی بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں:-

منافقین زمانہ کا ہمیشہ یہ وتیرہ رہا ہے کہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے کے لیے آیات متشابہات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور اس کے ظاہری لفظی معنوں سے استدلال کر کے گمراہیت پھیلاتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کے لیے سورۃ الکہف اور سورۃ حم السجدہ کی آیت "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" بطور سند پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح اپنے اور اپنے پیشواؤں کے کفریات پر پردہ ڈالنے کے لیے "لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ" پیش کر کے لوگوں کی زبانوں پر تالا لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس آیت کی من گھڑت اور باطل تشریح کرتے ہوئے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ٹھسانے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے کہ کسی کو [illegible] مت کہو۔ بد کو بد کہنے کی فرصت کہو۔

منافقت [illegible] حیثیت سے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] "لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ" [illegible]

[illegible]

فلاں پیشوا نے اپنی فلاں فلاں کتاب میں حضور اقدس جان ایمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔ اس معاملہ میں تمہارا کیا کہنا ہے؟ تب وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے اور لوگوں کو فریب دینے کے لیے اسی آیت کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں انہیں برا بھلا کہنے کا کوئی حق نہیں۔ جب کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے تو یہ حضرات تو بہت بڑے عالم تھے۔ ان کو کافر و مرتد کیسے کہہ سکتے ہیں؟ ان کے اعمال ان کے ساتھ اور ہمارے اعمال ہمارے ساتھ۔ اس معاملہ میں ہمیں کچھ بھی نہیں کہنا چاہیے۔ یہ عالموں اور مولویوں کے جھگڑے ہیں۔ ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ دین کے معاملہ میں جھگڑا فساد نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ یعنی ”تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین“

واہ! صاحب واہ! جب اپنے پیشواؤں کے کفریات کا معاملہ درپیش ہوا تو فوراً قرآنِ مجید کی آیت ”لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ“ پیش کر کے رفع دفع کر دیا۔ اگر واقعی تم اس آیت پر صحیح معنی میں عمل کرتے ہو تو پھر ⊙ یا رسول اللہ! کہنے والے کو ⊙ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والے کو ⊙ درودِ تاج پڑھنے والے کو ⊙ انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے توسل واستمداد طلب کرنے والے کو ⊙ رسول اللہ کو حاضر و ناظر ماننے والے کو اور دیگر عقائد صحیحہ رکھنے والے کو کیوں کافر و مشرک کہتے ہو؟ تب کیوں نہیں کہتے کہ جب کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے تو کروڑوں کی تعداد میں کلمہ گو اور اسلام کے پابند مسلمانوں کو کافر کیسے کہیں؟ تب تمہیں ”لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ“ آیت کیوں یاد نہیں آتی؟ تب تمہیں اور تمہارے پیشواؤں کو لرزہ کیوں نہیں آتا؟ تب اس آیت کا کیوں لحاظ نہیں کرتے؟ بلکہ جرأت و دلیری سے قلم کے ایک جھٹکے سے لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں پر کفر اور شرک کے فتوے کیوں تھوپتے ہو؟ تمہارے پیشواؤں نے کن کن مسلمانوں کو کافر و مشرک کہا ہے وہ نظر واحد میں ملاحظہ کرو:-

⊙ عبدالنبی، عبدالرسول، نبی بخش، علی بخش، غلام محی الدین، غلام حسین وغیرہ نام رکھنے والا مشرک ہے۔ (تقویۃ الایمان از مولوی اسمٰعیل دہلوی)

- انبیائے کرام کو حاضر و ناظر سمجھنے والا اور انہیں پکارنے والا مشرک ہے۔ (تقویت الایمان)
- "اللہ اور رسول نے چاہا تو فلاں کام ہو جائے گا" ایسا کہنے والا مشرک ہے۔ (بہشتی زیور، از:۔ مولوی تھانوی)
- انبیاء و اولیاء کے لیے تصرف کا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے۔ (تقویت الایمان)
- یا رسول اللہ کہنے والا مشرک ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، از:۔ مولوی رشید احمد گنگوہی)
- سہرا باندھنے والا مشرک ہے۔ (بہشتی زیور)
- کسی ولی کی قبر پر غلاف اور چادر ڈالنے والا مشرک ہے۔ (تقویت الایمان)
- درود تاج پڑھنے والا مشرک ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ)
- کسی کی قبر یا درگاہ کا مجاور بن کر بیٹھنے والا، درگاہ سے رخصت ہوتے وقت اُلٹے پاؤں چلنے والا، درگاہ کے کنویں کے پانی کو متبرک سمجھ کر پینے والا اور درگاہ پر روشنی کرنے والا مشرک ہے۔ (تقویت الایمان)

یہ تو صرف چند نمونے ہیں جو تمہارے پیشواؤں نے شرک کی مشین گن سے شرک کے گولے (فتوے) کے طور پر ملت اسلامیہ کے کروڑوں کلمہ گو پر برسائے ہیں۔ اندازہ لگاؤ کہ مندرجہ بالا اقتباسات میں مرقوم شرک کے فتاویٰ کی ضد میں کتنے مسلمان آگئے؟ کتنی کثیر تعداد میں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں تم نے مسلمانوں کو کافر و مشرک کہہ دیا؟ شرک کے مندرجہ بالا فتوے مسلمانوں کے سروں پر تھوپتے وقت "لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ" آیت کیا تم بھول گئے تھے؟

کافر کو کافر کہنا چاہیے یا نہیں؟

صلح کلیت کی مذموم ہوا پھیلاتے ہوئے دور حاضر کے منافقوں نے یہ بات اس قدر رائج و عام کردی ہے کہ "کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے"۔ اور اس باطل نظریے کے ثبوت میں قرآن مجید کی سورۃ الکافرون کی آیت "لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ" کی من گھڑت تفسیر و تشریح

پیش کرتے ہیں اور ان کے دام فریب میں آکر بہت سے لوگ ایسا نظریہ قائم کر لیتے ہیں۔

کافر کو یقیناً اور ضرور کافر ہی کہا جائے گا۔ اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات، احادیث کریمہ اور ائمہ دین کی کتب معتبرہ شاہد و عادل ہیں۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ اس عنوان پر تفصیلی بحث کی جائے۔ اس عنوان کی وضاحت و تفہیم کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ و انشاء حبیبہ (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مستقبل قریب میں اس عنوان پر فقیر راقم الحروف مبسوط بحث پر مشتمل تصنیف ارقام کرنے کا عزم مصمم رکھتا ہے۔ یہاں اشارۃً اور کنایتاً چند اہم نکات قارئین کی فرحت طبع کی خاطر پیش خدمت ہیں۔

(۱) ''کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیے'' ایسا کہنے والا خود ہی اپنے جال میں پھنس رہا ہے۔ اس سے یہ سوال کرو کہ کس کو کافر نہیں کہنا چاہیے؟ تو جواب دے گا کہ کافر کو۔ یعنی تم نے تو پہلے اس کو ''کافر'' کہہ دیا۔ اسی لیے تو کہتے ہو کہ کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے۔ تمہارے اس جملہ میں تم نے اس کے کافر ہونے کا اقرار و اعتراف کر لیا اسی لیے تو اسے کافر مان کر کافر کہہ رہے ہو۔ عجیب بات ہے کہ کس کو کافر کہنے سے منع کر رہے ہو؟ کافر کو۔ اسی کو مدہوش کا جنونی خیال کہا جاتا ہے کہ خود تو اسے کافر کہیں، بحیثیت کافر ہی اس کا ذکر کریں اور اوپر سے یہ بے تکی ہانکتے ہوئے اوروں کو نصیحت و تنبیہ کرنا کہ اسے کافر مت کہو۔ یعنی کافر ہے، ہم کافر کہتے ہیں لیکن کافر کہنے سے منع بھی کرتے ہیں۔ کافر ہے اسی لیے تو کہتے ہیں کہ کافر کو کافر مت کہو۔

(۲) ''کافر کو کافر کیوں نہیں کہنا چاہیے؟'' ۔ جب یہ سوال ان منافقوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تو جواب دیتے ہیں کہ کافر کو کافر اس لیے نہ کہنا چاہیے کہ نہ جانے کب اسے اللہ ہدایت عطا فرما دے اور وہ مسلمان ہو جائے؟ واہ جناب! بڑی دور کی اور لمبی سوچی۔ اگر یہی بات ہے تو پھر کسی بھی مسلمان کو مسلمان مت کہو کیونکہ نہ جانے کب اسے شیطان بہکا دے اور وہ دین

اسلام سے منحرف ہو کر کافر ہو جائے؟ اور ایسے بہت سے واقعات کتب احادیث و کتب سیر و تواریخ میں درج ہیں کہ ایمان لانے کے بعد مشہور و معروف شخصیتیں بھی بعد میں کافر و مرتد ہوئی ہیں۔ مثلاً:-

- مسیلمہ بن ثمامہ کذاب کہ جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور وہ "مسیلمۃ الکذاب" کے نام سے مشہور ہے۔ وہ جھوٹا مدعی نبوت مسیلمہ کذاب ۱۰ھ میں قبیلۂ بنی حنیفہ کے وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا تھا۔ لیکن بعد میں مرتد ہو کر کافر ہو گیا۔ خلافت صدیقی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید "سیف اللہ" کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوبیس ہزار کا لشکر لے کر مسیلمۃ الکذاب کے چالیس ہزار کے لشکر سے مقابل ہوئے۔ اس جنگ کا نام "جنگ یمامہ" ہے۔ جو ۱۱ھ میں ہوئی۔ اس جنگ میں مسیلمۃ الکذاب مارا گیا۔
- "ابن خطل" نام کا ایک شخص کہ جس کا پورا نام عبدالعزیٰ ابن خطل تھا۔ وہ فتح مکہ سے پہلے مدینہ طیبہ آیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام عبدالعزیٰ بدل کر عبداللہ رکھا۔ یہ شخص کاتب وحی کی خدمت بھی انجام دیتا تھا یعنی حضور اقدس پر جو وحی نازل ہوتی تھی، اسے آپ مختلف کاتبوں سے لکھوایا کرتے تھے۔ ان کاتبوں میں عبدالعزیٰ ابن خطل بھی تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے اس کے قبیلہ میں بھیجا۔ تو وہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ فتح مکہ کے دن ابن خطل نے اپنی جان بچانے کے لیے خانۂ کعبہ کی پناہ لی اور خانۂ کعبہ کے غلاف سے چمٹ کر چھپ گیا۔ کسی [illegible] بارگاہ رسالت میں

اطلاع دیتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ابن خطل کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے۔ حضور اقدس نے فرمایا اسے قتل کردو۔ چنانچہ اسے خانہ کعبہ کے غلاف سے لپٹی ہوئی حالت میں قتل کر دیا گیا۔

(حوالہ:- مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد:۲،ص:۹۶۲)

- جبلہ ابن ایہم غسانی کہ جو قبیلۂ بنو غسان کا سردار تھا۔ وہ خلافتِ فاروقی میں امیر المومنین خلیفۃ المسلمین، سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لاکر مسلمان ہوا لیکن بعد میں کافر و مرتد ہو گیا اور ملک شام چلا گیا۔ ہرقل بادشاہ سے ملا اور ہرقل بادشاہ نے اسے اسلامی لشکر کے ساتھ لڑنے جنگ یرموک میں ساٹھ ہزار نصرانی عربوں کا سردار بنایا تھا۔ جس کی مفصل تفصیل حقیر و فقیر، سراپا تقصیر، راقم الحروف کی کتاب "سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب" میں درج ہے۔

ایسے تو کئی واقعات پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن ہم نے صرف تین واقعات پر اکتفا کیا ہے۔ ان واقعات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایمان لانے کے بعد بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں قرآن مجید کی چند ان آیتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کریں جن میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جانے والے افراد کا ذکر ہے۔

- آیت نمبر ۱:-

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا"

(پارہ:۵، سورۃ النساء، آیت:۱۳۷)

ترجمہ:- "بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے، اللہ ہرگز نہ انہیں بخشے، نہ انہیں راہ دکھائے۔" (کنزالایمان)

- آیت نمبر ۲:-

"لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ"

(پارہ:۱۰، سورۃ التوبہ، آیت:۶۶)

ترجمہ:- "بہانے نہ بناؤ، کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔" (کنز الایمان)

✪ آیت نمبر ۳:-

"وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ"

(پارہ:۱۰، سورۃ التوبہ، آیت:۷۴)

ترجمہ:- "اور بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہو گئے۔" (کنز الایمان)

ایسی کئی آیات پیش کی جاسکتی ہیں لیکن ہم نے اختصار اختیار کرتے ہوئے صرف تین آیات ہی تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان آیات پر اور آیات کے ماقبل حدیث کے تین واقعات پر بھی کسی قسم کا تبصرہ نہیں کیا۔ انشاء اللہ اس عنوان پر ہم نے جس کتاب لکھنے کا عزم کیا ہے اس میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ قرآن حدیث سے ثابت ہے کہ ایمان لانے کے بعد بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے اور جو شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے اس کو کافر ہی کہا جائے گا اور اس کے ساتھ کافر جیسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ تو جو شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے، ایسے شخص کو جب کافر کہا جا سکتا ہے تو اس شخص کو کیوں کافر نہیں کہا جائے گا جو پہلے ہی سے کافر ہے اور اب بھی اپنے کفر پر جما ہوا ہے۔ جو شخص جیسا آج ہے ویسا ہی اُسے کہا جائے گا۔ کل وہ کیا بن جائے گا؟ اُس کو آج قیاس کیسے کر سکتے ہیں؟ شریعت کا حکم اس کی آج کی موجودہ ظاہری حالت ہی پر نافذ ہو گا۔ اس کی آئندہ کل کی ممکن حالت کو قیاس کر کے اس کی آج کی حالت کے متعلق جو شرعی حکم ہے اسے موقوف یا رد نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید میں سینکڑوں کی تعداد میں ایسی آیات پائی جاتی ہیں جن میں لوگوں کو ان کی موجودہ حالت کے بموجب ذکر کیا گیا ہے یا خطاب کیا گیا ہے۔ مثلاً:-

✪ مؤمنین کے لیے

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا = بے شک ایمان والے

(۳) یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا = اے ایمان والو

(۴) اَلْمُؤْمِنُوْنَ = ایمان والے

(۵) اَلْمُؤْمِنَاتُ = ایمان والیاں

✪ کافروں کے لیے:۔

(۱) وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا = اور وہ جنہوں نے کفر کیا

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا = بے شک کفار

(۳) یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ = اے کافرو

✪ مشرکوں کے لیے:۔

(۱) اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ = بے شک مشرک لوگ

(۲) وَالْمُشْرِکِیْنَ = اور مشرکوں

(۳) مُشْرِكٌ = مشرک

ایسی تو قرآن کی آیت کے حوالے سے سینکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ قرآن میں جس طرح مؤمن کو مؤمن، کافر کو کافر اور مشرک کو مشرک فرمایا گیا ہے اسی طرح:۔

✪ یہودیوں کو اَلْیَھُوْدُ ✪ نصرانیوں کو اَلنَّصٰرٰی ✪ منافق مردوں کو اَلْمُنَافِقِیْنَ ✪ منافق عورتوں کو اَلْمُنٰفِقٰتُ ✪ ظالموں کو اَلظّٰلِمُوْنَ اور اَلظَّالِمِیْنَ ✪ سرکشوں کو طٰغِیْنَ ✪ شیطان اور اس کے گروہ کو اَلشَّیْطٰنُ، اِبْلِیْسُ اور اَلشَّیٰطِیْنَ ✪ گندے یعنی خبیث مردوں کو اَلْخَبِیْثِیْنَ ✪ گندیاں یعنی خبیث عورتوں کو اَلْخَبِیْثٰتُ ✪ جھوٹ بولنے والوں یعنی جھوٹوں کو اَلْکَاذِبِیْنَ ✪ بے حکم لوگوں یعنی فاسقوں کو اَلْفَاسِقِیْنَ اور اَلْفَاسِقُوْنَ ✪ زنا (پرائی عورت سے بدکاری) کرنے والے مرد کو اَلزَّانِیُ ✪ زنا کرنے والی عورت کو اَلزَّانِیَۃُ ✪ چوری کرنے والے مرد کو اَلسَّارِقُ ✪ چوری کرنے والی عورت کو اَلسَّارِقَۃُ ✪ جرم کرنے [illegible] گنہگار کو اَلْمُذْنِبُ اور [illegible]

⭘ اندھے کو عَمِیٌ اور اَعْمٰی ⭘ گونگے کو بُکْمٌ ⭘ بہرے کو صُمٌّ اور اسی طرح دیگر افراد کو ان کی اصلیت اور خصلت کے مطابق اس کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

جو شخص جیسا ہے، اسے ویسا ہی کہا جائے گا۔ قرآن مجید کی بھی یہی تعلیم ہے۔ جو لوگ یہ تحریک چلا رہے ہیں کہ "کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے" وہ لوگ قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف مہم چلا رہے ہیں۔ ایک قیاس اور گمان کی بناء پر کہا جا رہا ہے کہ کافر کو کافر اس لیے نہیں کہنا چاہیے کہ کب اس کو ہدایت مل جائے اور وہ مؤمن ہو جائے۔ اس کا مؤمن ہو جانا یقینی نہیں ہے بلکہ قیاسی امکان ہے۔ امکان اور وہ بھی یقینی نہیں بلکہ قیاسی وخیالی ہے۔ ایسے خیالِ خام اور خواب وخیالِ فاسد جیسی بات کو دلیل اور سند بنا کر قرآن مجید کے صاف اور صریح احکام کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔ شریعت کا حکم ہر شخص کی موجودہ اور ظاہری حالت پر ہی نافذ ہوتا ہے۔ وہم وگمان میں کسی کی مستقبل کی یقینی نہیں بلکہ امکانی حالت کو موجودہ حالت پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور اس کی کوئی وقعت اور اہمیت بھی نہیں۔ ایسا وہم وگمان نقلاً اور عقلاً باطل ہے۔

مستقبل میں کسی کی امکانی حالت کو زمانہ حال پر محمول کرنا تو دور کی بات ہے بلکہ کسی کی مستقبل کی یقینی حالت کو بھی زمانہ حال پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً:-

⊙ قرآن مجید کی آیت "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" کے مطابق ہر جاندار کو موت کی آغوش میں جانا ہے۔ یعنی مردہ ہونا ہے۔ اور یہ یقینی بات ہے، بلکہ اس میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش وامکان نہیں کہ ہر زندہ ایک دن ضرور مردہ ہونے والا ہے۔ لیکن کیا اس یقین کی بناء پر یہ کہنا درست ہے کہ زندہ آدمی کو زندہ مت کہو کیونکہ یقیناً وہ ایک دن مردہ ہونے والا ہے۔

⊙ ... کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک مختلف طبقات سے اس کی زندگی گزرتی ہے یعنی بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ بچپن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا یقینی ہے۔ تو کیا یہ کہنا عقل وخرد کے دائرہ سے باہر نہیں کہ کسی بچے کو بچہ مت کہو کیونکہ وہ یقیناً جوان ہونے والا ہے اور کسی

جوان کو جوان مت کہو کیونکہ اس کے لیے بڑھاپا یقینی ہے۔

- باغبانی کا طریقہ یہ ہے کہ زمین میں پہلے بیج بویا جاتا ہے۔ پھر وہ بیج کونپل بن کر پھوٹتا ہے۔ پھر وہ کونپل رفتہ رفتہ پودے کی شکل اختیار کرتی ہے۔ پھر وہ پودا پھولتا پھلتا ہے اور بالآخر وہ سایہ دار درخت بنتا ہے۔ یہ عام تجربہ کی بناء پر یقینی بات ہے۔ اب کوئی عقل کا مارا یہ کہے کہ پودے کو پودا مت کہو کیونکہ وہ یقینی طور پر کب سایہ دار درخت ہو جائے؟

یہ تین مثالیں تو مستقبل میں یقینی طور پر حالت متبدل ہونے کی ہیں۔ جس کی حالت کا مستقبل میں تبدیل ہونا یقینی ہے، پھر بھی اس یقین کی بناء پر اس کی موجودہ حالت کو مستقبل پر ہرگز محمول نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے وہی کہا جائے گا جو اس کی اس وقت کی موجودہ حالت ہے یعنی زندہ کو زندہ، بچے کو بچہ، جوان کو جوان اور پودے کو پودہ ہی کہا جائے گا۔ جب یقین کے درجہ میں ہونے والے معاملے کو خاطر میں نہیں لایا جاسکتا تو منافقین زمانہ تو قیاس وگمان کرتے ہوئے امکانی درجہ میں کہتے ہیں کہ "کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیئے کیونکہ نہ جانے کب وہ مسلمان ہو جائے۔" اگر قیاس وامکان میں ہونے والی مستقبل کی حالت کو اہمیت دیتے ہوئے زمانہ حال کی موجودہ حالت کی حقیقت سے انکار کیا جائے گا تو آدمی کا جینا دوبھر ہو جائے گا۔ چند امکانی مثالیں ملاحظہ فرمائیں:۔

- اپنی بیوی کو بیوی مت کہو، نہ جانے کب تم اسے طلاق دے دو اور تم سے طلاق حاصل کرنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کر کے اس کی بیگم بن جائے؟
- تمہارے گھر میں چوری کرنے کوئی چور گھسے تو "چور آیا۔ چور آیا" اور "چور کو پکڑو" مت چلاؤ۔ اس چور کو چور مت کہو، نہ جانے کب وہ چوری کے دھندے سے توبہ کر کے دیانتدار اور راست باز ہو جائے۔
- ڈاڑھی منڈانے والے کو فاسق مت کہو نہ جانے وہ کب توبہ کرے ڈاڑھی رکھ کر متقی بن جائے۔

- گٹر اور نالی میں بہتے ہوئے ناپاک اور گندے پانی کو ناپاک مت کہو، نہ جانے یہ کب سمندر میں جا ملے اور سمندر کے پانی میں مل کر پاک اور صاف ہو جائے۔
- جاہل کو جاہل مت کہو نہ جانے کب علم سیکھ کر عالم ہو جائے۔
- دودھ کو دودھ مت کہو نہ جانے وہ کب دہی یا چھاچھ بن جائے۔
- درخت کو درخت مت کہو نہ جانے کب وہ کٹ کر لکڑی بن جائے اور لکڑی کو بھی لکڑی نہیں کہنا چاہیے نہ جانے کب وہ جل کر کوئلہ ہو جائے اور کوئلہ کو بھی کوئلہ مت کہو نہ جانے کب وہ راکھ ہو جائے۔
- ناپاک کپڑے کو ناپاک مت کہو نہ جانے کب اسے دھو کر پاک کر لیا جائے۔
- آنکھ والے کو انکھیارہ مت کہو نہ جانے کب وہ اندھا ہو جائے۔
- لذیذ عمدہ کھانوں اور پھل و میوات کی مرغوب خوشبو کی وجہ سے اسے خوشبو دار مت کہو نہ جانے کب وہ کھائے جانے کے بعد بدبودار پاخانہ ہو جائے۔
- شرابی کو شرابی مت کہو نہ جانے کب وہ نمازی ہو جائے۔
- نافرمان کو نافرمان مت کہو نہ جانے کب وہ فرمانبردار ہو جائے۔
- دن کو دن مت کہو، ہو سکتا ہے کہ آفتاب غروب ہونے پر وہ رات ہو جائے۔
- رات کو رات مت کہو، نہ جانے کب آفتاب طلوع ہو جائے اور دن ہو جائے۔
- دوست کو دوست مت کہو نہ جانے کب وہ دشمن ہو جائے اور اسی طرح دشمن کو بھی دشمن نہ کہو، نہ جانے کب وہ ہمدرد دوست ہو جائے۔ وغیرہ وغیرہ

"نہ جا[illegible]" کو مدار بنا کر ایسی سینکڑوں

بلکہ بزرگوں خصوصاً صحابہ کی بے ادبی تک پہنچتی ہے۔ "منجانب" اور "ہو سکتا ہے کہ" کا جملہ مستعمل ہے۔ یہی بات تا قیامت التفات و سماعت ہوتی ہے۔ لیکن بہت ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ یہ قول ہے۔ منافقین زمانہ کا نظریہ "کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیے کیونکہ نہ جانے اور ہو سکتا ہے کہ وہ کب مسلمان ہو جائے" یہ نظریہ بھی سراسر غلط اور عقل و انصاف کے خلاف ہونے کے ساتھ قرآن و حدیث کے صاف صریح ارشادات کی مخالفت پر مبنی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کریمہ کی قطعی دلیلوں کے مقابلے میں ایسی خیالی، قیاسی اور امکانی بات کو بطور دلیل وہی شخص پیش کر سکتا ہے، جس کی عقل کے طوطے اڑ گئے ہوں۔ یا جو جان بوجھ کر ہٹ دھرمی، بہت دھرمی اور منہ زوری کرتا ہے اور اس کا مقصد ملت اسلامیہ کے سیدھے سادے اور بھولے بھالے لوگوں کو بہکا کر گمراہی و ضلالت پھیلا کر بے دینی کا بازار گرم کر کے فتنہ و فساد برپا کرتا ہے۔

اگر معاذ اللہ دور حاضر کے منافقین کا نظریہ "کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیے" اس وجہ سے قبول کر لیا جائے کہ "نہ جانے وہ کب مسلمان ہو جائے" تو پھر کسی کو کچھ بھی نہیں کہہ سکیں گے۔ نہ اچھے کو اچھا کہہ سکیں گے اور نہ ہی برے کو برا کہہ سکیں گے کیونکہ نہ جانے اچھا کب برا ہو جائے اور نہ جانے کب برا اچھا ہو جائے۔ ہر شخص کی زبان پر تالا لگ جائے گا۔ دنیا کی کسی بھی زبان میں کسی کو کچھ بھی نہیں کہہ سکیں گے، کیونکہ کچھ بھی کہتے وقت یہ احتمال لاحق ہوگا کہ ہو سکتا ہے یا نہ جانے کب وہ ایسے میں سے ویسا ہو جائے۔

(۳) یہاں تک جو مختصر گفتگو کی گئی ہے اس گفتگو کے مطابق منافقین زمانہ کے "کافر کو کافر نہ کہنا چاہیے" والے فاسد نظریہ کا جواب دیا جاتا ہے تو وہ بوکھلا جاتا ہے اور "ہر فرعونے را موسیٰ" والی مثل کے مطابق وہ "غرق نیل" ہونے کے بجائے نیل ڈھلا (بے حیا) اور نیل بگڑا (بے عقل) ہو کر اپنی نیل جلی کا ثبوت دیتے ہوئے فوراً گفتگو کا رخ پلٹ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جناب آپ تو خوامخواہ مشتعل اور برانگیختہ ہو گئے۔ آپ ہمارا مطلب نہیں سمجھے۔ کافر کو کافر مت کہو سے ہماری مراد یہ ہے کہ کسی بھی کافر کو "اے کافر" کہہ کر خطاب نہیں کرنا چاہیے۔ [illegible] اخلاق

وتہذیب کے خلاف ہے۔ نیز اس کافر صاحب کی دل آزادی بھی ہے لہٰذا کسی کافر کو "اے کافر" کہہ کر نہیں پکارنا چاہیے اور یہی مطلب ہے ہمارے مقولے "کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیے" کا جو آپ نہیں سمجھے۔

اسی کو کہتے ہیں سمجھ کا الٹی ہونا اور سمجھ پر پتھر پڑنا۔ خود تو ناسمجھی کی بات کریں دوسروں کو سمجھ بوجھ سے سمجھوتا کرنے کی نصیحت کریں۔ "کافر کو اے کافر کہہ کر نہیں پکارنا چاہیے" یہ نظریہ بھی سراسر غلط اور قرآنِ مجید کی آیت کے خلاف ہے۔ جس سورت کی آخری آیت لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ" کی غلط تفسیر و تشریح پیش کر کے منافقینِ زمانہ صلح کلیت کا مہلک مرض پھیلا رہے ہیں، اسی سورت یعنی سورۃ الکافرون کی پہلی آیت تلاوت کریں:-

"قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ"
⊙ = پارہ: ۳۰، سورۃ الکافرون، آیت: ۱ = ⊙
ترجمہ:- "تم فرماؤ اے کافرو!" (کنزالایمان)

آیت کریمہ کا ترجمہ بغور ملاحظہ فرمائیں۔ آیت کے شروع میں لفظ "قُلْ" وارد ہے۔ جو "قَوْلْ" مصدر کا صیغۂ امر ہے یعنی لفظ "قُلْ" کے ذریعہ کہنے کا حکم فرماتا ہے۔ کیا کہنے کا حکم فرماتا ہے؟ اور کس کو کہنے کا؟ تو جواب صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ "کافروں کو اے کافرو! کہو" ایسا حکم اپنے محبوب کو اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کو فرماتا ہے۔

ثابت ہوا کہ کافر کو "اے کافر" کہنا قرآن سے ثابت ہے۔ نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ:-

⊙ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر کو اے کافر کہو۔

⊙ منافقینِ زمانہ کہتے ہیں کہ کافر کو اے کافر مت کہو۔

قارئین فیصلہ فرمائیں ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا ہے یا منافقینِ زمانہ کا؟ کافر کو کافر کہنے یا نہ کہنے کے معاملہ میں منافقینِ زمانہ اوٹ پٹانگ دلیلیں پیش کر کے آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا جیسی حالت سے دوچار ہوتے ہیں لیکن پھر بھی "رسی جل گئی پر بل نہیں گیا" والی کہاوت پر عمل

کرتے ہوئے سورۃ الکافرون کی مذکورہ آیت کی مزید اناپ شناپ تاویل کرتے ہیں۔اُس وقت ان کی حالت "میاں ناک کاٹنے کو پھریں بیوی کہے مجھے نتھ گھڑا دو" کی طرح خراب ہوتی ہے۔

اس بحث کو مزید طول نہ دیتے ہوئے ہم اسے یہیں اختتام پر پہنچاتے ہیں۔اس عنوان کے سلسلہ میں منافقینِ زمانہ کی تمام ریشہ دوانیوں کا انکشاف ہم ہماری اس عنوان پر لکھی جانے والی کتاب میں تفصیل وصراحت سے بیان کریں گے۔(انشاء اللہ تعالیٰ وانشاء حبیبہ)

اس وقت ہم "قرآن مجید کی آیتوں کے الفاظ کے ظاہری لغوی معنوں کو دلیل بنا کر کوئی عقیدہ یا عمل مقرر کرنا گمراہیت و بے دینی کا دروازہ کھولنا ہے" عنوان کے تحت گفتگو کر رہے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ظاہری لفظی معنوں کو لے کر قرآن مجید کو سمجھنا محال ہے۔بلکہ گمراہ ہونے کا اندیشہ ہے۔مثلاً "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" کے ظاہری لفظی معنی اخذ کر کے منافقینِ زمانہ بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بے ادبی اور گستاخی کر کے گمراہ ہوئے۔ان کی گمراہیت کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے پیشواؤں نے ان کو ایسی ذہنیت وجرأت ولائی ہے کہ بے پڑھا لکھا شخص بھی قرآن مجید کے معنی،مطلب اور مراد کو از خود سمجھ سکتا ہے۔

⦿ قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر و وضاحت کے متعلق:۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ایسا جامع،مانع اور پر اسرار کلام ہے جس کے صحیح معنی و مراد اس کلام کو نازل فرمانے والا اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے علم سے وہ جانتے ہیں جن پر یہ مقدس کلام نازل ہوا ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے کہ:۔

(۱) "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ" (پارہ:۱،سورۃ البقرہ،آیت:۱۲۹)

ترجمہ:۔ "اے رب ہمارے اور بھیج اُن میں ایک رسول انہیں میں سے کہ اُن پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور

انہیں خوب ستھرا فرمادے۔" (کنزالایمان)

(۲) كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"

(پارہ:۲، سورۃ البقرہ، آیت:۱۵۱)

ترجمہ:۔" جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے۔"

(کنزالایمان)

(۳) "هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"

(پارہ:۲۸، سورۃ الجمعہ، آیت:۲)

ترجمہ:۔" وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔" (کنزالایمان)

ان تینوں آیات میں صاف اور واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے رسول کو کتاب کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا ہے۔ یعنی حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس صفت کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنی اُمت کو کتاب یعنی قرآنِ مجید کی تعلیم فرماتے تھے۔ اگر قرآن مجید کو ہر شخص سمجھنے کی لیاقت وصلاحیت رکھتا تو پھر حضور اقدس کا تعلیم فرمانا اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سکھانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ قرآن مجید کے معلّم اعظم کی حیثیت سے کیوں کیا گیا ہے؟ ایک ضروری نکتہ کی طرف توجہ مرکوز کرنا درکار ہے کہ قرآن مجید خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ جزیرۃ العرب کے باشندوں کی مادری زبان بھی خالص عربی ہے۔ یعنی قرآنِ مجید اہل عرب کی مادری زبان میں نازل ہوا ہے لہٰذا اہلِ عرب قرآنِ مجید کی آیتوں کے ظاہری لفظی معنوں کو سمجھنے کے لیے کسی کے محتاج نہ تھے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتا ہے کہ میرے محبوب کو لوگوں کو قرآن سکھانے بھیجا ہے۔اس سکھانے سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید کی آیتوں کی صحیح تفہیم۔یعنی قرآنِ مجید کے اسرار و رموز اور مطلب و مراد کی معلومات۔اگر ہر جاہل اور بے علم قرآن مجید کی آیتوں کے ظاہری لفظی معنوں سے قرآن مجید کو صحیح طور سے سمجھنے کی صلاحیت و لیاقت رکھتا ہے تو صحابۂ کرام کو حضور اقدس نے قرآن کی تعلیم کیوں فرمائی اور صحابۂ کرام نے حضور اقدس سے قرآن کی آیتوں کی صحیح فہم حاصل کرنے کے لیے کیوں سوال کیے اور دریافت کیا؟ صحابۂ کرام کی مادری زبان عربی تھی اور قرآن بھی عربی میں نازل ہوا تھا۔پھر بھی انہوں نے از خود قرآن فہمی کی جرأت نہ کرتے ہوئے معلّم اعظم قرآن کے سامنے زانوئے ادب کیوں تہ کیے؟ اور حضور اقدس معلّم اعظم قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے یہ نہ فرمایا کہ قرآن مجید کی آیتوں کو سمجھنے کے لیے بڑے علم کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں باتیں بہت صاف اور صریح بیان فرمائی ہیں، ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ہر آیت کی مفصل وضاحت و تفسیر فرما کر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سینوں کو علوم و عرفان و حکمت سے منوّر و لبریز فرمائے۔پھر صحابۂ کرام سے لے کر آج تک کہ ہر دور کے مفسرین کرام، ائمہ دین اور علمائے حق نے ہزاروں کی تعداد میں تفسیر قرآن اور علوم قرآن کے عنوان پر کتابیں کیوں تصنیف فرمائیں؟

⦿ قرآن کی تفسیر:-

قرآن مجید کی تفسیر کے مختلف درجات ہیں۔امام اجل، خاتم الحفاظ، علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن کمال بن ابی بکر سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب "طَبَقَاتُ الْمُفَسِّرِیْنَ" میں اس کی مبسوط بحث فرمائی ہے۔ہم یہاں اس کا ماحصل بہت ہی اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی تفسیر کا درجہ مفسر یعنی تفسیر کرنے والی ذات پر منحصر ہے۔ذیل میں تفسیر کے درجات مرقوم کیے جاتے ہیں، جس سے اس حقیقت کی تفصیلی معلومات حاصل ہوگی۔

(۱) تفسیر قرآن از قرآن:۔

قرآن مجید کی بعض آیتوں کی تفسیر قرآن مجید کی بعض آیتوں سے معلوم کی جا سکتی ہے بلکہ درحقیقت واقعی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن مجید کی سورۃ الفاتحہ کی آیت کریمہ:۔

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ"

ترجمہ:۔ "ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا"

(کنزالایمان)

اس آیت میں "جن پر تو نے احسان کیا" کا جملہ مبہم ہے۔ اس میں اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ کن پر اللہ نے احسان کیا ہے۔ لہذا یہ معلوم کرنے کی ضرورت اور خواہش ہوتی ہے کہ وہ لوگ کون ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے۔ ایک تجسس پیدا ہوتا ہے۔

سورۃ الفاتحہ کی مندرجہ آیت میں جن لوگوں پر احسان کرنے کا ذکر ہے اس کی وضاحت قرآن مجید کی آیت "فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ" (پارہ:۵، سورۃ النساء، آیت:۶۹) ترجمہ:۔ "تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید" (کنزالایمان) سے ہو گئی۔ یعنی اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل و احسان فرمایا ہے وہ انبیائے کرام، حضرات صدیقین اور شہداء کرام ہیں۔ گویا یوں کہیے کہ سورۃ الفاتحہ کی آیت نمبر ۶ کی تفسیر سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۹ سے معلوم ہوئی۔

اس تفسیر کو یعنی قرآن کی آیت سے قرآن کی آیت کی تفسیر کو تمام تفسیروں پر اولیت و فوقیت حاصل ہے اور تمام تفاسیر سے ان کا درجہ اعلیٰ ہے۔ کیونکہ قرآن نازل فرمانے والے رب تعالیٰ نے ہی قرآن کی آیت کی قرآن کی آیت سے وضاحت فرمائی ہے۔

(۲) تفسیرِ قرآن از احادیث:-

اُس تفسیر کو کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے از خود کسی آیت کی وضاحت فرمائی ہو یا کسی صحابی کے دریافت کرنے پر آیت کی وضاحت و تفسیر فرمائی ہو۔ مثال کے طور پر سورۃ الفاتحہ کی آیت نمبر ۷ "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" ترجمہ:- "نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔" (کنز الایمان)۔ اس آیت میں بھی یہ تجسس ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر غضب ہوا ہے اور وہ بہکے ہوئے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر حدیثوں میں دو طرح سے پائی جاتی ہے۔

اوّل:- حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے از خود اس آیت کی وضاحت فرمائی۔ امام احمد اور امام ترمذی روایت فرماتے ہیں کہ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ "اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" هُمُ الْيَهُوْدُ وَ اِنَّ "الضَّالِّيْنَ" النَّصَارٰى" ترجمہ:- "حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" سے یہود اور "وَالضَّالِّيْنَ" سے نصاریٰ مراد ہیں۔"

دوم:- حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی صحابی کے دریافت کرنے پر اس آیت کی وضاحت و تفسیر بیان فرمائی۔ مثلاً ابن مردویہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰه تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ قَالَ الْيَهُوْدُ، قُلْتُ اَلضَّالِّيْنَ؟ قَالَ النَّصَارٰى" ترجمہ:- "حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا "اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" سے کون لوگ مراد ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ یہود۔ پھر میں نے عرض کیا کہ "اَلضَّالِّيْنَ" سے کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا نصاریٰ"۔

[illegible] نفس قدسیہ [illegible] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ قرآن [illegible] تفسیر [illegible] قرآن [illegible] کی تفسیر سے بڑھ کر تفسیر ہو سکتی [illegible] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے [illegible] قرآن [illegible] شان میں [illegible] تفسیر [illegible] عطا فرمایا [illegible] قرآن مجید [illegible] احادیث مرفوعات تفسیر کے حصے میں [illegible]

(۳) تفسیر قرآن از صحابہ کرام:

یہ بات واضح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن کی تفسیر سماعت کی۔ حضور اقدس سے اس کو اچھی طرح سمجھا، پھر اس کو انہوں نے دیگر صحابہ کرام یا تابعین عظام کے سامنے بیان کیا۔ چاہے از خود بیان [illegible] میں انہوں نے بعینہ وہی باتیں بیان فرمائیں جو انہوں نے چشمہ علم نبوت سے براہ راست سماعت کیں۔ تفسیر بالا حادیث نبویہ یعنی تفسیر مرفوع کے بعد "تفسیر صحابہ" کا [illegible] ہے۔ صحابہ کرام کی بیان فرمودہ تفسیر کے مقابلے میں زمانہ صحابہ کرام کے بعد کے مفسرین [illegible] کی تفاسیر کو اہمیت نہیں دی جا سکتی بلکہ زمانہ صحابہ کے بعد کے کسی مفسر کی تفسیر کے مقابلہ میں صحابہ کرام کی تفسیر کو ترجیح و تفضل حاصل ہے۔

صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں کئی حضرات نے قرآن مجید کی تشریح و توضیح فرمائی ہے۔ صحابہ کرام کی مقدس جماعت کے مفسرین کرام کی فہرست بہت طویل ہے۔ لیکن صحابہ کرام کی جماعت مبارکہ میں دس نفوس قدسیہ مفسر قرآن کی حیثیت سے زیادہ شہرت یافتہ ہیں۔

ان دس حضرات کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق ۞ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم ۞ امیر

المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان ⊙ امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب ⊙ حضرت عبداللہ بن مسعود ⊙ حضرت عبداللہ بن عباس ⊙ حضرت ابی بن کعب ⊙ حضرت زید بن ثابت ⊙ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ⊙ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ان حضرات میں سے (۱) امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب (۲) حضرت عبداللہ بن مسعود اور (۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قرآن عظیم کی تفسیر کے سلسلہ میں کثرت سے روایات وارد ہیں۔ چنانچہ:-

- امیر المؤمنین، مولائے کائنات سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "خدا کی قسم! تم لوگ مجھ سے جس بات کو دریافت کرو گے اس کی میں تمہیں خبر دوں گا۔ کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق مجھے علم نہ ہو کہ وہ آیت رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں، ہموار زمین میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ پر نازل ہوئی۔"
- حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک قرآن سات حرفوں (قرأت سبعہ) پر نازل کیا گیا ہے۔ ان میں سے کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس کا ظاہر و باطن نہ ہو اور بلاشبہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس کے ظاہر و باطن دونوں کا علم ہے۔"
- قرآن مجید کی تفسیر از صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو "ترجمان القرآن" کے معزز لقب سے نوازا ہے۔ ان کا مختصر تذکرہ "منافقین آیاتِ متشابہات کے ظاہری معنی کو دلیل بنا کر گمراہیت پھیلاتے ہیں" اس عنوان کے تحت صفحہ نمبر ۵۸ پر کیا گیا ہے۔
- امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن مجید کی کسی آیت کی وضاحت و تفسیر کے سلسلہ میں اجلہ صحابہ کرام کی مجلس منعقد

فرماتے تو حضرت عبداللہ بن عباس کو نو عمری کے عالم شباب میں ہونے کے باوجود بھی اجلّہ صحابۂ کرام کے ساتھ مدعو فرماتے تھے۔ پہلے آپ اجلّہ صحابۂ کرام کی رائے معلوم کرتے اور آخر میں حضرت عبداللہ بن عباس کی رائے طلب فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس جو رائے پیش فرماتے وہ ایسی جامع اور مانع ہوتی کہ تمام صحابۂ کرام ان کی رائے سے اتفاق فرماتے اور امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو یہاں تک فرماتے کہ "مَنْ يُؤدِّينِي فِيْ هٰذا كَاَدّا اَوِ ابْنِ عَبَّاس" "یعنی" اس آیت کے ان حقائق کو میرے سامنے اس طرح کون ادا کرے گا جیسا کہ ابن عباس نے ادا کیا ہے"

- قرآنِ مجید کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی بہت بلند مقام ہے۔
- مذکورہ دس اجلّہ صحابہ کرام کے علاوہ ⊙ حضرت انس بن مالک ⊙ حضرت ابوہریرہ ⊙ حضرت عبداللہ بن عمر ⊙ حضرت جابر ⊙ حضرت سعید بن عاص ⊙ حضرت عبداللہ بن حارث بن ہشام وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی قرآن مجید کی تفسیر کے سلسلہ میں اپنی بیش بہا خدمات پیش فرمائی ہیں۔

(۴) تفسیر قرآن از تابعین

صحابہ کرام کی مقدس جماعت سے قرآن مجید کی تفسیر سماعت کرکے اور اس کا صحیح مفہوم ومطلب معلوم کرکے تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تفسیری روایتوں کو نقل فرمایا۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور کوفہ کے مفسرین عظام نے صحابہ کرام سے علم تفسیر سیکھا بلکہ باضابطہ علم تفسیر کی تعلیم لی۔ حضرت مجاہد کہ جن کے علم کا پایہ علم تفسیر کے سلسلہ میں ثبات واعتماد کے درجہ میں پہنچا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے تیس (۳۰) مرتبہ پورے قرآن کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پڑھا۔ جس میں سے تین مرتبہ تو اس طرح پڑھا کہ ہر آیت پر ٹھہر کر اس کے متعلق دریافت کیا کرتا تھا کہ یہ آیت کب اور کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔"

- تابعین عظام میں جن حضرات کا شمار معتمد، مستند اور ثقہ مفسرین میں ہوتا ہے ان میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا کہ چار شخصوں سے علم تفسیر حاصل کرو۔ (۱) حضرت سعید بن جبیر (۲) حضرت مجاہد (۳) حضرت عکرمہ اور (۴) حضرت ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

دورِ تابعین کے بعد کے مفسرین:۔

صحابۂ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ کے بعد کے جلیل القدر ائمہ وعلماء تبع تابعین نے قرآن مجید کی تفسیر کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور تفسیر و فن تفسیر میں کتابیں تصنیف و تالیف کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان حضرات تبع تابعین کی تفسیر عین صحابہ کرام اور تابعین عظام کی تفسیروں کے طرز پر تھیں۔ صحابہ و تابعین سے جو تفاسیر مروی تھیں ان میں انہوں نے ایک حرف کا فرق نہیں کیا بلکہ تقدیم و تاخیر کے ساتھ صحابہ کرام و تابعین عظام کی مرویات قولی کو تحریری جامہ پہنایا لہٰذا ان حضرات کی تفسیروں کو تفاسیر صحابہ و تابعین کے جامع کی حیثیت سے دیکھا اور تسلیم کیا جاتا ہے۔ تبع تابعین کے دور میں جو حضرات مایہ ناز مفسرین کی شان سے مشہور ہوئے ان میں سے چند شہرۂ آفاق مفسرین کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں (۱) حضرت سفیان بن عیینہ (۲) حضرت وکیع بن الجراح (۳) حضرت عبدالرزاق ابوبکر بن الہمام (۴) حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ (۵) حضرت اسحاق بن راہویہ (۶) حضرت روح بن عبادہ (۷) حضرت عبد بن حمید وغیرہم علیہم الرحمۃ والرضوان۔

حضرات تبع تابعین کے زمانے میں تفسیر اور فن تفسیر پر تصنیف و تالیف کرنے کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا اس کو بعد [illegible] اور جو عرق ریزی فرمائی

اس کے ثمرات کی حیثیت سے سینکڑوں کی تعداد میں صرف تفسیر وفن تفسیر کے عنوان پر کتابیں ارقام ہوئیں۔ جوملت اسلامیہ کے لیے لازوال سرمایہ علم وفن ہے۔

حضرات تبع تابعین کے زمانہ سے ملحق جو زمانہ تھا یعنی تبع تابعین کے زمانے کے فوراً بعد کا زمانہ اس زمانے میں (۱) حضرت امام شیخ ابوجعفر بن جریر طبری (۲) حضرت ابن ابی حاتم (۳) حضرت عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد نیشاپوری (۴) حضرت محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی (۵) حضرت ابن مردویہ (۶) حضرت ابوشیخ محمد بن حبان اور (۷) حضرت بن المنذر رحمۃ اللہ علیہم نے صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کرام کی تفاسیر سے مستند اور منسوب کر کے بلکہ ان حضرات کی ترجمانی کرتے ہوئے ایسی مبسوط اور جامع تفاسیر لکھیں جو بعد میں آنے والوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئیں۔ ان حضرات کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور ان کے طرز تفسیر کو اپناتے ہوئے تفسیریں لکھنی شروع ہوئیں اور فن تفسیر کی کتابیں تصنیف کرنے کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری ہوا اور تفسیر کی کتابیں صرف عربی زبان تک محدود نہ رہتے ہوئے دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کی تفسریں زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئیں۔

ذیل میں ہم صرف عربی زبان کی چند مشہور ومعروف اور معتمد ومعتبر تفاسیر کے نام مع اسماء مفسرین پیش کرتے ہیں۔ تفسیر کے ساتھ فن تفسیر کی کتب بھی شامل ہیں۔

۱	تفسیر ابن جریر	امام علامہ شیخ ابوجعفر بن جریر طبری (المتوفی ۳۱۰ھ)
۲	التقاسیم والانواع	ابوالشیخ محمد بن حبان (المتوفی ۳۵۴ھ)
۳	الکشف والبیان فی تفسیر القرآن۔	ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری (المتوفی ۴۲۷ھ)
۴	تفسیر ابن کثیر	امام حافظ ابوالفداء اسمٰعیل قرشی دمشقی (المتوفی ۷۷۴ھ)
۵	تفسیر معالم التنزیل	امام ابومحمد حسین بن بغوی (المتوفی ۵۱۶ھ)
٦	تفسیر بیضاوی	قاضی امام ناصرالدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی (م ۶۸۵ھ)
۷	تفسیر خازن	امام علاء الدین علی بن محمد بغدادی (المتوفی ۷۲۵ھ)

۸	تفسیر کبیر	امام فخر الدین محمد بن عمر بن عمر رازی شافعی (م ۶۰۶ھ)
۹	تفسیر عجائب القرآن المعروف تفسیر نیشاپوری	علامہ نظام الدین حسن نیشاپوری (م ۷۵۰ھ)
۱۰	الاتقان بانواع علوم القرآن	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۱	تفسیر مجمع البحرین	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۲	الدر المنثور فی التفسیر بالماثور	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۳	المبہمات القرآن فی مبہمات القرآن	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۴	ترجمان القرآن	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۵	الاکلیل فی استنباط التنزیل	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۶	لباب المنقول فی اسباب النزول	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۷	الناسخ والمنسوخ	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۸	اسرار التنزیل	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۱۹	تفسیر جلالین شریف	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۲۰	البرہان فی علوم القرآن	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۲۱	طبقات المفسرین	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۲۲	فوائد الابکار	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۲۳	طلوع الثریا باظہار ما کان خفیا	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)
۲۴	تفسیر روح البیان	شیخ اسمٰعیل حقی بروسوی (م ۱۱۳۷ھ)
۲۵	تفسیر طبری	امام شیخ ابو جعفر بن جریر طبری شافعی (المتوفی ۳۱۰ھ)
۲۶	عنایت القاضی حاشیہ علی البیضاوی	امام علامہ احمد شہاب الدین خفاجی المصری (م ۱۰۶۹ھ)
۲۷	مختارات النوازل	امام شیخ برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی
۲۸	احکام القرآن	شیخ اکبر امام ابو بکر بن العربی
۲۹	الاشارات فی علم القرآن	امام احمد بن محمد خطیب المصری القسطلانی (م ۹۲۳ھ)

۳۰	کتاب النشر	امام ابوالخیر محمد محمد محمد ابن الجزری
۳۱	نہایات الدرایات	امام ابوالخیر محمد محمد محمد ابن الجزری
۳۲	تفسیر مدارک التنزیل	امام علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی (المتوفی ۷۱۰ھ)
۳۳	تفسیر الوجیز	علامہ امام سمین
۳۴	تفسیر حسینی	علامہ حسین کاشفی حنفی
۳۵	تفسیر لباب التاویل	امام محی السنہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی

تفسیر اور فن تفسیر کے عنوان سے اکابر علماء ملت اسلامیہ کو کتنی دلچسپی تھی اور اس عنوان پر کتابیں لکھنے میں انہوں نے کیسی سعئ بلیغ فرمائی ہے، اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہو جائے گا کہ اس عنوان میں خاتم الحفاظ، امام اجل، علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اکیلے کل بتیس (۳۲) کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن میں سے چودہ (۱۴) کتابوں کے ہی نام ہم نے مندرجہ فہرست میں درج کیے ہیں۔ الحاصل! اس عنوان میں ملت اسلامیہ کے ائمہ وعلماء نے اتنی کثیر تعداد میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں کہ جس کا حصر ممکن نہیں۔

اگر بقول امام منافقینِ زمانہ مولوی اسمٰعیل دہلوی "ہر شخص پھر چاہے وہ بے علم اور جاہل ہو، قرآن مجید کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کی وضاحت کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے" تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ خیر القرون سے لے کر آج تک صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین، علماء عظام اور مفسرین کرام نے قرآن مجید کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے رات دن ایک کر کے اتنی محنت ومشقت کیوں کی؟ تفسیر اور فن تفسیر کے عنوان پر معرکۃ الآراء ونادر زمن کتب تصنیف کرنے کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کیوں کیا؟ ان کو کیا ضرورت تھی کہ قرآن مجید کی آیتوں کو سمجھنے کے لیے اور سمجھانے کے لیے اتنی عرق ریزی کرتے؟ بلکہ جلیل القدر صحابہ کرام اور تابعین عظام نے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے ماہرین علم تفسیر کے سامنے زانوئے تلمذ کیوں تہ کیے؟ صرف اسی لیے کہ قرآن مجید کی آیتوں کے معنی، مطلب اور مراد کی صحیح تفہیم [illegible] قرآن کو کیا سمجھے گا؟ قرآن

میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:-

"وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ"

(پارہ:۲۰،سورۃ العنکبوت،آیت۔۴۳)

ترجمہ:- "اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔" (کنز الایمان)

اس آیت میں صاف اور صریح وضاحت فرمادی گئی ہے کہ قرآن مجید میں جو مثالیں بیان فرمائی گئی ہیں اسے صرف علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ بے علم اور جاہل کے لیے قرآن مجید کی مثالیں سمجھنا مشکل و دشوار ہے۔ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے علم درکار ہے۔ اسی لیے تو حدیث کا ارشاد ہے کہ:-

حدیث:-

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا کہ:-

"قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْآنَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ"

ترجمہ:- "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرائض اور قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔" (حوالہ:- مشکوۃ شریف، صفحہ:۳۵)

"قرآن سیکھو" اس جملہ سے ناظرہ قرآن مجید پڑھنا ہرگز مراد نہیں ہے کیونکہ یہ ارشاد گرامی صحابہ کرام سے ہے۔ کب ہے؟ کہاں ہے؟ جواب یہ ہے چودہ سو (۱۴۰۰) سال پہلے سرزمین عرب پر جلوہ افروز ہوتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔ اہل عرب کی زبان عربی تھی۔ ہر شخص عربی زبان پڑھ یا بول سکتا تھا۔ ان کی مادری زبان عربی تھی لہذا قرآن شریف ناظرہ پڑھنا ان کے لیے کوئی دشوار کام نہ تھا بلکہ قرآن مجید کی آیتوں کے ظاہری ترجمہ اور الفاظ کے معنی و مطلب سے بھی واقف تھے۔ اس کے باوجود بھی حضور اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ''قرآن سیکھو اور سکھاؤ'' یعنی قرآن مجید ناظرہ پڑھنا سیکھو مراد نہیں بلکہ تم ناظرہ یا لفظی ترجمہ جانتے ہوئے قرآن مجید پڑھتے ہو لہٰذا اس کو سمجھنے کے لیے قرآن مجید کی تفسیر اور قرآن مجید کے علوم ظاہری باطنی، اسرار و رموز اور معنی و مطلب سے واقفیت رکھنے والے علماء سے قرآن مجید کی وضاحت و تفسیر کا علم سیکھو اور جب تم اس علم سے واقفیت حاصل کر لو تو دوسروں کو سکھاؤ۔ مگر وہ مناقشین کے بعض جہلاء اس حدیث سے صرف ناظرہ پڑھنا اور آیات کا ترجمہ معلوم کرنا کے معنی اخذ کرتے ہیں۔ جو سراسر غلط ہے۔ جس زمانہ ظاہری میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن سیکھنے اور سکھانے کا حکم ارشاد فرمایا ہے تب قرآن پڑھنے والے خالص عربی زبان کے ماہر تھے۔ آیت کے لفظی معنی وہ اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ اس کے باوجود بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سیکھنے کا حکم فرما کر اشارۃً و کنایتاً تنبیہ فرمادی کہ اے قرآن مجید کے پڑھنے والو! تم قرآن مجید کی آیتوں کے ظاہری اور لفظی معنی پر ہی اکتفاء مت کرو بلکہ قرآن مجید کے صحیح تفہیم کے لیے اہل علم حضرات سے قرآن کی آیتوں کے اسرار و رموز معلوم کرو تاکہ تمہیں قرآن فہمی حاصل ہو اور قرآن کی آیتوں کے مطلب و مراد کو سمجھ سکو۔

دراصل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''قرآن سیکھو اور سکھاؤ'' کا جو جملہ ارشاد فرمایا ہے وہ ایسا جامع اور مانع ہے کہ صرف ایک جملے میں حضور اقدس نے بہت کچھ فرما دیا ہے۔ پہلی بات تو علم القرآن سیکھنے کے متعلق جو مندرجہ بالا مذکور ہوئی۔ دوسری بات جو بہت ہی اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مقدس جملے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنی رائے کو دخل دینے سے منع فرمادیا ہے۔ کیونکہ قرآن کی آیتوں کے لفظی معنی تو اُس زمانے کے لوگ اچھی طرح جانتے تھے لہٰذا قرآن مجید کی آیت کے لفظی ترجمہ کے ضمن میں کوئی اپنی ذاتی رائے کو دخل نہ دے اس لیے حکم فرمایا کہ قرآن کی وضاحت پہلے تم سیکھو تاکہ تم اپنی رائے کو دخل نہ دو بلکہ وہ کہو جو تم نے اہل علم حضرات مفسرین سے سنا اور سیکھا۔ بعدہٗ لوگوں کو بھی وہی سکھاؤ جو تم نے سیکھا ہے تاکہ دوسرے لوگ قرآن میں اپنی رائے کو دخل دینے سے اجتناب و پرہیز کریں۔

قرآن مجید میں اپنی رائے کو دخل دینے کی سخت ممانعت اور وعید وارد ہے "منافقین آیات متشابہات کے ظاہری معنی کو دلیل بنا کر گمراہیت پھیلاتے ہیں۔" اس عنوان کے تحت صفحہ نمبر ۵۶ پر ہم نے تین احادیث کریمہ تلاوت کی ہیں۔ ان تین احادیث میں سے ایک حدیث کا صرف ترجمہ معزز قارئین کرام کی یاددہانی کے لیے اعادۃً پیش خدمت ہے۔

حدیث:-

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"جو شخص قرآن شریف میں اپنی رائے کے مطابق معنی بیان کرے، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔"

معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے معنی اور مطلب میں اپنی رائے کو دخل دینا جہنم میں اپنا ٹھکانہ مقرر کرنا ہے۔ بلکہ یہاں تک ارشاد اقدس ہے کہ:-

حدیث:-

امام ترمذی نے حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِرَأْیِهٖ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ"

ترجمہ:- "جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور اتفاقیہ وہ قول صحیح بھی ہو جب بھی وہ کہنے والا خطاکار ہے۔" (حوالہ:- مشکوۃ شریف، ص: ۳۵)

یعنی کسی شخص نے قرآن مجید کی کسی آیت کی وضاحت میں بغیر کسی علم کے صرف اپنی رائے کو دخل دیتے ہوئے اس آیت کی وضاحت و تفسیر بیان کی اور اتفاقاً اس کے بیان کردہ وضاحت تفسیر ماثورہ کے مطابق تھی پھر بھی وہ گنہگار ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اس نے گپ لگائی اور وہ گپ سچ نکلی پھر بھی وہ خطاوار ہے کیونکہ اس نے قرآن میں اپنی رائے

کو دخل دیا ہے۔ جو ممنوع و مذموم ہے۔

لیکن افسوس! صد افسوس!! ہزار افسوس!!! کہ:۔

دورِ حاضر کے منافقین نے جہلاء مبلغوں کی فوجیں کھڑی کردی ہیں جو فنون قرآنیہ اور قرآن فہمی سے یک لخت جاہل ہوتے ہیں۔ دو چار آیتوں کے تراجم رٹ لیتے ہیں اور منبر خطابت و مسند وعظ پر چڑھ جاتے ہیں اور مطلق العنان مقرر و مفسر کی حیثیت سے لشتم پشتم ایسے غلط سلط معنی لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ ہی کہنا پڑتا ہے۔

یہاں تک کی گفتگو سے قارئین کرام اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوگئے ہوں گے کہ دورِ حاضر کے منافقین قرآن مجید کی منسوخ اور متشابہ آیات کے من گھڑت تراجم اور من چاہی وضاحت کرکے ملت اسلامیہ کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟ ہدایت و نجات کی صراط مستقیم پر یا ضلالت و گمراہی کی سنگلاخ راہِ دشوار پر؟ مثلاً:۔

نمبر	اللہ اور رسول کا فرمان ہے کہ:۔	منافقین زمانہ کا کہنا ہے کہ:۔
۱	قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے علم چاہیے، ہر شخص میں قرآن مجید کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں بلکہ علم والے ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ (پارہ: ۲۰، سورۃ العنکبوت، آیت: ۴۳)	اللہ و رسول کے کلام کو سمجھنے کے لیے علم نہیں چاہیے بلکہ ہر نادان اور جاہل بھی سمجھ سکتا ہے۔ عالموں کے سوا اللہ و رسول کا کلام کوئی نہیں سمجھ سکتا یہ بات غلط ہے۔ (تقویت الایمان، ص: ۱۴)

۲	جس نے قرآن میں اپنی رائے کو دخل دیا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (مشکوٰۃ شریف)	ہر عام وخاص یعنی ہر جاہل وعالم اللہ ورسول کے کلام میں جستجو کریں اور اس کو سمجھیں۔(تقویت الایمان،ص.۱۵)
۳	قرآن مجید کی بعض آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں اور بعض آیتوں کے معنوں میں اشتباہ ہے یعنی جن کے معنی صاف اور مراد واضح نہ ہو۔ (پارہ:۳،سورۂ آل عمران،آیت:۷)	قرآن مجید کی باتیں بہت صاف اور صریح ہیں ان کا سیکھنا مشکل نہیں۔ (تقویت الایمان،ص:۱۳)

قارئین کرام فیصلہ فرمائیں کہ ہم کو اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ماننا ہے؟ یا منافقینِ زمانہ کی بات ماننی ہے؟

قارئین کرام کی خدمت عالی میں فقیر راقم الحروف کی ایک مزید گزارش یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کی اقسام میں سے ہم نے صرف چار (۴) اقسام (۱) آیات محکمات (۲) آیات متشابہات (۳) آیات منسوخات اور (۴) آیات ناسخات پر ہی بہت مختصر مگر کافی ووافی وشافی گفتگو کی ہے۔ طول تحریر کے خدشہ وخوف کی وجہ سے دیگر اقسام پر کچھ بھی بحث نہیں کی۔ آیات مبہمات کا عنوان ہی اتنا طویل ہے کہ صرف اسی عنوان کی تفصیلی بحث کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ الحاصل! قارئین کرام کو یہاں تک کی گفتگو سے یقین کے درجہ میں یہ بات باور ہو چکی ہوگی کہ قرآن مجید کی آیتوں کی وضاحت اور تفسیر کرنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔ جب تک اتنا علم نہ ہو کہ آیات کے اقسام کی تمیز، آیت میں جس واقعہ کا اشارۃً تذکرہ ہو اس واقعہ کی مکمل واقفیت، حقیقت ومجاز کا فرق، وغیرہ علوم واسرار کے فہم کی استعداد نہ ہوگی وہاں تک وہ آیت کے مطلب ومراد کی بو تک نہیں پاسکتا اور نہ ہی سمجھ سکتا ہے۔ جب خود نہیں سمجھ سکتا تو دوسروں کو کیا سمجھا سکتا ہے؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود تو گمراہیت کے دلدل میں پھنستا ہے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی پھانستا ہے اور **فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا** کا مصداق بنتا ہے۔ ایسا جاہل وکم علم شخص جب قر[illegible] ب قدم قدم پر ٹھوکر

کھاتا ہے۔ اور ایسی مہلک اور جان لیوائے ایمان ٹھوکریں کھاتا ہے کہ ایمان کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً سورۃ الکہف اور سورہ حم سجدہ کی آیت عظیمہ "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" اس آیت کے علاوہ دیگر بہت سی آیتوں کے تراجم میں منافقین زمانہ نے وہ افراتفری اور کھلبلی مچائی ہے کہ جس کو سن کر اہل ایمان کی روح ایمانی مجروح ہو جاتی ہے۔ آیت متشابہ کا مطلب و مراد واضح ہونے کے بجائے مزید دھندلا ہو جاتا ہے۔ ذیل میں ہم وہ چند آیات بطور مثال پیش کرتے ہیں جن میں منافقینِ زمانہ افراط و تفریط سے کام لیتے ہوئے "گمراہیت کی آگ لگائے تماشا دیکھے" والی مثل کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔

"اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کی طرح دیگر آیات قرآنیہ میں بھی منافقینِ زمانہ کے غلط تراجم"

قرآن مجید کو صحیح معنی، مطلب، مفہوم اور مراد میں سمجھنے کے لیے کئی قوانین، اصول اور ضوابط کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے اور یہ اس صورت میں ہی ممکن ہے کہ وسیع پیمانے پر علم حاصل ہو خصوصاً قرآن مجید میں مذکور واقعات کی مکمل اور صحیح واقفیت، احکام شریعت مثلاً اوامر و نواہی، فرائض منہیات، حلال و حرام کی بالاستیعاب معلومات وغیرہ لازمی اور ضروری ہے۔ ان لوازمات میں سے یہ بھی ہے کہ آیت کا ترجمہ کرتے وقت ایسے الفاظ کا قطعاً استعمال نہ کیا جائے جن سے بارگاہِ الوہیت اور بارگاہِ انبیائے کرام اور اولیائے عظام میں کسی قسم کی توہین و بے ادبی نہ ہو، توہین و بے ادبی ہونا تو بہت بڑی بات ہے لیکن اُن الفاظ کا استعمال بھی نہیں ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ، انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کی شان کے لیے لائق اور زیبا نہ ہوں۔

علاوہ ازیں ترجمہ اور تفسیر کرنے والے کے لیے اتنا علم ہونا بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں کسی کی صفت ذکر کی گئی ہو تو وہ تمیز کر سکے کہ یہ حقیقتاً کہا گیا ہے یا مجازاً۔ اگر حقیقت ومجاز کے فرق کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اسے کوئی حق نہیں پہونچتا کہ قرآن مجید کے ترجمہ، تفسیر، تشریح اور توضیح کے سلسلہ میں ہاتھ میں قلم تھام کر اسے ایمان کے لیے مہلک شمشیر بنا ا بنائے۔ لہٰذا لغت کا علم بھی ضروری ہے۔ صرف عربی زبان کی لغت پر ہی اکتفاء نہ کرے بلکہ جس زبان میں قرآن کا ترجمہ کر رہا ہو اس زبان کی لغت سے بھی کامل طور پر واقفیت کا حامل ہو کیونکہ زبان یعنی بھاشا کے بدلنے سے لفظی ترجمہ میں توہین کا شائبہ ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ یعنی ایک لفظ کسی زبان میں اچھے معنی میں استعمال ہوتا ہے وہی لفظ دوسری زبان میں بُرے معنی میں مستعمل ہوتا ہے لہٰذا ایسے الفاظ کے استعمال سے اجتناب و پرہیز بھی لازمی ہے۔ مثال کے طور پر لفظ "مکر" عربی زبان میں "خفیہ تدبیر" "اور دشمن کو غافل کر کے اس پر ضرب لگانے کی تدبیر" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ معنی مذموم نہیں بلکہ مستحسن ہیں۔ لیکن لفظ "مکر" اردو زبان میں بُرے اور قبیح معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ اور انبیائے کرام کی شان میں ایسے الفاظ کا اردو زبان میں استعمال سخت ممنوع ہے۔ اس کی وضاحت ذیل میں درج ہے۔

متاخرین زمانہ نے قرآن فہمی سے ناواقفیت ہونے کے باوجود بھی "کوا چلا ہنس کی چال اپنی ہی بھول گیا" والی مثل کے مصداق بنتے ہوئے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کرنے کی شوقین اور بے باکی کر کے اللہ و رسول کی شان میں ایسے نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں کہ جسے دیکھ کر مومن کے ایمانی جذبات کو شدید ٹھیس پہنچتی ہے۔ ایسے جاہل قلمکاروں کے تراجم کو بھی ترجمہ [illegible] ن مدون وہ عصر اعظم کا لقب دیتے ہوئے [illegible] کی [illegible] سے [illegible] ان تراجم پڑھنے کی تحقیق [illegible] کر [illegible] میں پھنسنے کی [illegible] ہیں [illegible] کرنے والوں کے لیے بھی [illegible] ہے کہ [illegible] سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

ذیل میں [illegible] —

آیت 1۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں لفظ "مکر" کا استعمال:-

"وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ"

(پارہ ۳، سورۃ آل عمران، آیت ۵۴)

اس آیت کا ترجمہ دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے استاذ مولوی محمود الحسن دیوبندی نے اس طرح کیا ہے کہ:-

"اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔"

اس ترجمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے لفظ "مکر" کا استعمال کیا گیا ہے۔ اب ہم اردو لغت میں "مکر" کے معنی دیکھتے ہیں -

مکر = دھوکا، فریب، دغا، چھل، چالاکی، عیاری، چالبازی، حیلہ، بہانہ، جھوٹ، بہروپ، بھیس، ریا، منافقت، دورنگی، نفاق، خلاف واقع بات۔

(حوالہ:- فیروز اللغات، ص نمبر ۱۲۷)

مولوی محمود الحسن دیوبندی صاحب نے کافروں کی دغا، دھوکہ اور فریب پر مشتمل حرکت کو اور اللہ رب تعالیٰ کی خفیہ تدبیر اور حکمت کو، ایک ہی لفظ "مکر" سے متصف کیا ہے۔ جس لفظ "مکر" کا استعمال دغا، دھوکہ اور فریب جیسی بدترین صفات کے لیے ہوتا ہے وہی لفظ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے لیے استعمال کرنے بارگاہ الوہیت میں بے ادبی ہے۔

اب اس آیت کا ایمانی و عرفانی ترجمہ دیکھیں:-

"اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔"

(کنز الایمان از امام احمد رضا محدث بریلوی)

آیت۲:- اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''داؤ'' کا استعمال:-

"وَ يَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ"

(پارہ:۹، سورۃ الانفال، آیت:۳۰)

دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے کہ:-

''اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔''

اس ترجمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی مقدس ذات کے لیے ''داؤ کرنا'' کی صفت منسوب کی گئی ہے۔ ''داؤ کرنا'' مبتذل صفت ہے، جس کی نسبت خدائے تعالیٰ کے لیے جائز نہیں۔ لغت میں ہے کہ:-

✪ داؤ کرنا = دھوکہ دینا، فریب کرنا، کشتی میں پیچ کرنا۔

(حوالہ:- فیروز اللغات، ص:۶۱۴)

قارئین کرام انصاف فرمائیں! جو شخص اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کو ''سُبُّوحٌ'' اور ''قُدُّوسٌ'' مانتا ہو، وہ شخص اللہ رب العزت کے لیے دھوکہ دینا اور فریب کرنا کے لغوی معنوں والی صفت ''داؤ کرنا'' کا انتساب کرسکتا ہے؟

آیت۳:- اللہ تعالیٰ کے لفظ ''دغا'' کا استعمال:-

"اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ"

(پارہ:۵، سورۃ النساء، آیت ۱۴۲)

ترجمہ از مولوی محمود الحسن دیوبندی:-

''البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا''

اس ترجمہ میں اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ اللہ ان کو ''دغا دے گا''۔ کسی کو دغا دینا

فعل قبیح اور معیوب ہے۔ لغت میں "دغا دینا" کے کیا معنی ہیں وہ دیکھیں:۔

⊕ **دغا دینا** = دھوکہ دینا، فریب دینا۔ (حوالہ:۔ فیروز اللغات، ص: ۶۳۰)

اللہ سبحنہٗ وتعالیٰ کی مقدس ذات کی صفت میں ایسے الفاظ منسوب کرنا سخت توہین و بے ادبی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ دغا، جھوٹ، دھوکہ، فریب اور ہر عیب سے پاک ہے۔ اس کی تفصیلی وضاحت بخوف طوالت تحریر نہیں کرتے۔ جن حضرات کو اس عنوان کی مفصل تشریح درکار ہو وہ امام عشق ومحبت، اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، مجدد دین وملت، امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی "**سُبْحٰنَ السُّبُّوْحِ عَنْ عَیْبِ کِذْبٍ الْمَقْبُوْحِ**" کا ضرور ضرور مطالعہ فرمائیں۔

منافقین زمانہ نے مندرجہ بالا آیت کے ترجمے میں بڑی گڑبڑی کی ہے اور شان الوہیت میں نادرست، ناراست، ناشائستہ، نامناسب اور نامعقول الفاظ کا استعمال کر کے سوء ادبی کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ سب قرآن ناسمجھی اور ادب واحترام کے فقدان کا نتیجہ ہے۔

اب اس آیت کا ایمانی وعرفانی ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا۔" (کنزالایمان)

⊙ آیت ۴:۔ حضرت آدم کے لیے "گمراہ" اور "نافرمانی" کے الفاظ کا استعمال:

"**وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی**" (پارہ: ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت: ۱۲۱)

دیوبندی مکتبہ فکر کے نامور مصنف اور مورخ جنہوں نے "تذکرۃ الرشید" کے نام سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی اور "تذکرۃ الخلیل" کے نام سے مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کی سوانح عمریاں لکھی ہیں، وہ مولوی عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی سو گمراہ ہو گیا۔"

حضرت سیدنا ابو البشر آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اولوالمرتبہ کا بھی پاس اور لحاظ نہ کرتے ہوئے جناب میرٹھی صاحب نے "نافرمانی" اور "گمراہ" کے توہین آمیز الفاظ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کردیے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جلیل القدر پیغمبر خدا ہیں۔ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام "معصوم" ہیں۔ ان سے گناہ کا صادر ہونا ناممکن ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی یقیناً گناہ ہے۔ علاوہ ازیں تمام انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت یافتہ ہیں۔ ان کا "گمراہ" ہونا محال ہے۔ یہ بات تو بے پڑھے لکھے عوام بھی جانتے ہیں۔ جو بات عوامی سطح کے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں ایسی سیدھی بات سے بھی منافقینِ زمانہ کے بڑے بڑے القاب اور ٹائٹل والے ملا اور مولوی حضرات ناواقف ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔

فارسی زبان کی ایک مشہور کہاوت ہے کہ "یک مَن عِلم را دَہ مَن عَقل باید" یعنی "ایک مَن علم کے لیے دس مَن عقل چاہیے"۔ "وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی" کا ترجمہ کرتے وقت مولوی عاشق الٰہی میرٹھی صاحب نے عقل پر پردہ ڈال رکھا ہوا ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس آیت کا ترجمہ کرتے وقت عقل وفہم کو لمحہ بھر بھی زحمت نہیں دی اور آیت کے الفاظ کے ظاہری لغوی معنوں پر اکتفاء کر کے سبکدوش ہوگئے۔ میرٹھی صاحب نے آیت کے الفاظ کا حسب ذیل طریقہ سے ترجمہ کردیا:-

✪ وَ = اور ✪ عَصٰی = نافرمانی کی ✪ آدَمُ = آدم نے ✪ رَبَّہٗ = اپنے رب کی ✪ فغوٰی = پس گمراہ ہوئے۔ اس طرح ترجمہ کرنے سے جملہ بنا "اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے" عربی لغت میں "عَصٰی" کے معنی "نافرمانی کی" کے ضرور ہوتے ہیں۔ لفظ "عصٰی" فعلِ ماضی معروف کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اسی طرح "غوٰی" کے معنی "گمراہ" ہونے کے ہوتے ہیں لیکن عربی زبان کی لغت کی ایسی وسعت ہے کہ ایک لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں۔ "عصٰی" کا صرف ایک معنی ہی نہیں بلکہ کئی معنی ہوتے ہیں۔ ان معنوں میں سے ایک معنی "لغزش" بھی ہوتا ہے۔ نافرمانی اور لغزش چونکہ لفظ "عصٰی" کے معنی میں ... لیکن ایک ... تے کے باوجود دونوں

میں معنوی اور عرفی اعتبار سے بہت فرق ہے۔ ''نافرمانی'' اس جرم کو کہتے ہیں کہ جرم کرنے والا حاکم کے حکم اور قانون کو خاطر میں نہ لائے اور بے اعتنائی سے گناہ پر جرأت کرے اور قصداً وعمداً حکم اور قانون کی خلاف ورزی کرے اور اس جرم کے ارتکاب کے وقت اسے معلوم ہو کہ میں حکم اور فرمان قانون کو توڑ رہا ہوں۔ جب کہ لغزش ان قباحتوں سے ملوث نہیں ہوتی۔ لغزش کا اطلاق اس فعل پر ہوتا ہے کہ آدمی کسی کے بہکاوے میں آ کر یا سہواً قانون کی کامل طور پر بجا آوری میں ڈگمگا جائے اور اس کے استقلال میں فرق آ جائے۔ علاوہ ازیں نافرمانی کا اطلاق گناہ کے مستقل عادی، رذیل، جرائم پیشہ اور قصداً قانون توڑنے کی ذہنیت رکھنے والے عوامی اور نچی وہلکی سطح کے افراد پر ہوتا ہے۔ نیک، پارسا، فرمانبردار، ذی شعور، مطیع، متقی، پرہیزگار، ذی مرتبت، مقرب، معزز، معظم، اولوالعزم اور اعلیٰ درجات کے حامل اشخاص سے جب حکم اور قانون کی کامل طور سے بجا آوری میں فرق واقع ہوتا ہے تو اسے ''لغزش'' کہا جاتا ہے۔

حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر، اولوالعزم، رفیع الدرجات اور ذی مرتبت ''نبی'' تھے۔ علاوہ ازیں نافرمانی کا لفظ حکم نہ ماننے اور سرکشی کرنے کے معنی میں ہے۔ حکم نہ ماننا اور سرکشی کرنا یقیناً گناہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام نبی گناہوں سے یقینی طور پر ''معصوم'' ہیں۔ لہٰذا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس ذات گرامی کو ''نافرمانی'' کی صفت سے متصف ومنسوب کرنا بارگاہ نبی میں بے ادبی اور گستاخی ہے۔

مذکورہ آیت میں وارد لفظ ''غویٰ'' کا ترجمہ میرٹھی صاحب نے ''گمراہ ہوئے'' کیا ہے۔ لفظ ''غویٰ'' پر علم صرف ونحو کے ضوابط واصول کے تحت بحث نہ کرتے ہوئے اختصاراً عرض کرنا ہے۔ کہ عربی زبان کی وسیع لغت کے اعتبار سے ''غویٰ'' لفظ کے متعدد معنی ہیں۔ مثلاً

✪ مقصد پورا نہ ہونا ✪ مراد ومطلب نہ ہونا ✪ کسی چیز کا گم ہو جانا ✪ ہاتھ سے نکل جانا ✪ کسی شئی کا فوت ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام معنوں سے لاأبالی ہو کر میرٹھی صاحب نے صرف ''گمراہ ہوئے'' کا معنی ہی اخذ کیا۔ گمراہیت سے ایسا لگا ہے کہ دیگر موزوں اور واقعے سے مناسبت رکھنے والے معنوں سے انحراف کر کے ''گمراہ ہوئے'' کے گمراہ کن معنی کرنے کی

گمراہیت اپنائی

جیسا کہ ہم نے اوراق سابقہ میں عرض کیا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں زمانہ ماضی کے کسی واقعے کا تذکرہ ہو تو اس آیت کا ترجمہ کرتے وقت مترجم کے ذہن میں اس واقعے کی من وعن تفصیل ہونی چاہیے تاکہ وہ اس واقعہ کی مناسبت سے آیت کا ترجمہ کر سکے۔ اور آیت کا ترجمہ ایسا ہو کہ صرف ترجمے سے ہی اس واقعے کی اصل نوعیت کا نقشہ سامنے آجائے یعنی ترجمہ کرنے والا آیت کی تفسیر کی معلومات اور واقفیت سے مناسب الفاظ میں موزوں ترجمہ کرے یعنی تفسیر سے ترجمہ سمجھے اور ترجمہ پڑھنے والا ترجمہ پڑھ کر ہی تفسیر کی قدرے معلومات حاصل کرے۔ اگر ترجمہ کرنے والا اصل واقعے کو ذہن سے ہٹا کر صرف لفظی ترجمہ کرے گا تو آیت کا مفہوم ومطلب کچھ کا کچھ ہو جائے گا اور ایک قسم کا انتشار وتردد قائم ہو جائے گا جیسا کہ اس آیت کے ترجمہ میں مولوی جناب عاشق الٰہی میرٹھی صاحب نے گڑبڑی برپا کی ہے۔

آیت کریمہ "وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى" میں اس واقعہ کا ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گیہوں کا دانہ تناول فرمایا نتیجتاً آپ کو جنت سے عالم دنیا میں تشریف لانا پڑا۔ اب اس واقعہ کی اصل حقیقت کیا ہے وہ معلوم کریں:-

''حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعظیم کا سجدہ کرنے سے انکار کرنے کی وجہ سے ابلیس راندۂ درگاہ ہو کر مردود ہوا تھا۔ اسے یقین کے درجے میں معلوم تھا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سبب ہی مجھ پر تباہی آئی ہے لہٰذا اس کے دل میں انتقام کی آگ شعلہ زن تھی۔ حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان کی ان کی طرف عداوت اور اس کے مکر وفریب سے متنبہ وآگاہ فرما دیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

"فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ" (پارہ: ۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت: ۱۱۷)

ترجمہ:- ''تو ہم نے فرمایا اے آدم! بے شک یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے۔ تو ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے'' (کنز الایمان)

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بدلہ لینے کے لیے شیطان بے چین وبے قرار تھا۔

وہ ہر وقت اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ حضرت آدم کی وجہ سے مجھے جنت سے نکالا گیا ہے لہٰذا میں بھی کوئی ایسی چال چلوں کہ حضرت آدم کو بھی جنت سے نکلنا پڑے۔ لہٰذا اس نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مکروفریب کی چال چلی اور وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جنت کے ایک درخت کے پاس نہ جانے کی ممانعت فرمائی تھی "وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ" (پارہ:۱، البقرہ، آیت:۳۵) ترجمہ:-"اور اس پیڑ کے پاس نہ جانا" (کنز الایمان)۔ لہٰذا شیطان نے حضرت آدم کو اس پیڑ کے معاملے میں دھوکہ دینے کی تدبیر وترکیب کی۔ "فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى" (پارہ،۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت:۱۲۰) ترجمہ:-"تو شیطان نے اُسے وسوسہ دیا۔ بولا اے آدم کیا میں تمہیں بتاؤں ہمیشہ جینے کا پیڑ اور وہ بادشاہی کہ پرانی نہ پڑے۔" (کنز الایمان) یعنی شیطان نے حضرت آدم سے کہا کہ اگر آپ اس درخت کا پھل یا دانہ کھالیں گے تو ہمیشہ کے لیے آپ جنت میں ہی رہیں گے۔ شیطان کی اس تجویز کا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف انکار فرمادیا لہٰذا "وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ" (پارہ:۸، سورۃ الاعراف، آیت:۲۱) ترجمہ:-اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔" (کنز الایمان) یعنی شیطان نے خدا کی جھوٹی قسم کھا کر حضرت آدم کو دھوکہ دیا اور پہلا جھوٹی قسم کھانے والا ابلیس ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گمان بھی نہ تھا کہ کوئی اللہ کی قسم کھا کر جھوٹ بول سکتا ہے بایں خیال حضرت آدم اور حضرت حوا کو جنت سے عالم دُنیا میں تشریف لانا پڑا۔ یعنی آپ نے جس مقصد کے لیے درخت سے کھایا تھا وہ مقصد یعنی جنت میں ہمیشہ کے لیے رہنے کا مقصد پورا نہ ہوا اور آپ کو جنت کی سکونت ترک فرما کر جنت سے باہر تشریف لانا پڑا۔"

یہ ہے اصل واقعہ۔ اب اس واقعے کو سامنے رکھتے ہوئے۔ اس واقعہ کا جس آیت میں ذکر ہے یعنی "وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى" اس کا مولوی عاشق الٰہی میرٹھی صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے اس ترجمے "اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے" کو ملاحظہ فرماؤ اور اصل واقعہ اور میرٹھی صاحب کے ترجمے کا تقابل کرو تو کسی طرح بھی تطبیق وتوافق نہیں پایا

جاتا کیونکہ:۔

- حضرت آدم نے شیطان کے دھوکہ دینے کی وجہ سے "شجر خلد" (جنتی درخت) کا دانہ یا پھل کھایا۔ اس کو مولوی عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے "رب کی نافرمانی" سے موسوم کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس درخت کے قریب نہ جانے کی ممانعت فرمائی تھی اس کے باوجود بھی حضرت آدم نے اس درخت سے کھایا اور اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کی اور یہ "رب کی نافرمانی" ہے۔

اس فاسد وضاحت کے ردوابطال میں دلائل قاہرہ ساطعہ سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن راہ اختصار اپناتے ہوئے عرض ہے کہ حضرت آدم کو خیال ہوا کہ "**لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ**" کی جو ممانعت ہے وہ تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ اگر آپ اس ممانعت کو تحریمی سمجھتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے کیونکہ انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں۔ یہاں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجتہاد میں خطا ہوئی ہے۔ اور خطائے اجتہادی گناہ نہیں۔ دوسری بات یہ کہ درخت کے قریب جانے کی ممانعت تھی۔ اس درخت سے کچھ کھانا یا نہیں کھانا ایسی کوئی وضاحت حکم میں نہ تھی لہٰذا حضرت آدم علیہ والصلوٰۃ والسلام نے بھی قیاس فرمایا۔ تیسری بات یہ کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو درخت سے کچھ لے کر نہیں کھایا تھا بلکہ حضرت حوا نے آپ کو جو دیا تھا وہی کھایا تھا۔ بہرصورت ان تینوں صورتوں میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمداً وقصداً اللہ کی نافرمانی کرنے کے ارادے سے کچھ نہیں کیا تھا جو کچھ بھی کیا تھا وہ قیاس کی بناء پر کیا تھا اور آپ سے اجتہاد میں خطا ہوئی تھی اور اجتہادی خطا شرعاً گناہ نہیں۔ لہٰذا اس اجتہادی خطا کو ہرگز "نافرمانی" نہیں کہا جا سکتا بلکہ اس کو ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے "لغزش" ہی کہنا پڑے گا۔

- حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں "دخول ابدی" یعنی ہمیشہ رہنے اور کبھی بھی باہر نہ نکلنے کے مقصد سے ہی "شجر خلد" سے کھایا تھا۔ لیکن آپ کا جنت میں دائمی رہنے کا مقصد پورا نہ ہوا اور آپ کو جنت سے

باہر تشریف لانا پڑا۔ اس واقعہ کو مولوی عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے ''گمراہ ہوئے'' سے معنون اور تعبیر کیا ہے۔ یعنی ''جنت سے باہر آئے'' کا مطلب ''گمراہ ہوئے'' کیا ہے۔ تو کیا معاذ اللہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام جنت سے عالم دنیا میں تشریف لائے تب گمراہ تھے؟ دورِ حاضر کے منافقین حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے گمراہ ہونے کا قرآن وحدیث سے ثبوت پیش کرسکتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ میرٹھی صاحب نے آیت کا ترجمہ کرتے وقت اصل واقعے کو پیش نظر نہیں رکھا اور ''غویٰ'' لفظ کا لغوی معنی ''گمراہ'' کر کے بکھیڑا کھڑا کر دیا۔ اس آیت کے لفظ ''غویٰ'' کا ترجمہ ''گمراہ ہوئے'' کرنا اصل واقعے سے ذرہ بھر بھی مناسبت نہیں رکھتا، علاوہ ازیں اللہ کے مقدس نبی کی شان میں گمراہ ہوئے'' لکھنا یا کہنا سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ منافقینِ زمانہ کو انبیائے کرام کی شان میں توہین آمیز جملے لکھنے یا کہنے میں کون سا لطف آتا ہے؟ غالباً انہوں نے انبیائے کرام کی شان میں توہین کرنے کا نام ہی ''توحید'' رکھ دیا ہے۔ ہر وقت اس تگ ودو میں رہتے ہیں کہ لگ لپٹ کر کسی طرح بھی انبیائے کرام کی شان میں تنقیص کی جائے۔ قرآن مجید کی آیتوں میں بھی یہی جستجو کرتے ہیں کہ انبیائے کرام کی توہین کا پہلو مل جائے۔ حالانکہ پورے قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی بھی لفظ میں کسی بھی نبی ورسول کی توہین وتنقیص تو درکنار بلکہ ان مقدس حضرات کی شان ارفع واعلیٰ کے لیے موزوں نہ ہو ایسا خطاب بھی نہیں فرمایا گیا۔ اس آیت کے لفظ ''غویٰ'' کا ''گمراہ ہوئے'' ترجمہ واقعی حیرت انگیز وتعجب خیز ہے۔ اگر منافقینِ زمانہ سے اس ''گمراہ ہوئے'' کے ضمن میں سوالات کیے جائیں کہ گمراہ ہوئے سے تمہاری مراد کیا ہے؟ کب گمراہ ہوئے؟ کیوں گمراہ ہوئے؟ گمراہی اعتقادی تھی یا عملی تھی؟ اگر اعتقادی تھی تو کن عقائد میں تھی؟ اگر عملی تھی تو اوامر میں تھی یا نواہی میں؟ گمراہی علانیہ تھی یا خفیہ تھی؟ اس گمراہی کا دوسروں پر کیا اثر پڑا؟ یہ گمراہی عارضی تھی یا مستقل؟ عارضی تھی تو کتنے عرصہ تک تھی؟ پھر کب ہدایت حاصل ہوئی؟ اور یہ کر ہوئی؟ وغیرہ وغیرہ سوالات پیش کر کے قرآن وحدیث کے ثبوت سے جوابات طلب کیے

جائیں تو دن میں تارے نظر آنے لگیں گے۔

اس آیت کا امام عشق و محبت، امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایسا ایمان افروز ترجمہ فرمایا ہے کہ اس ترجمہ سے اصل واقعے کو مکمل طور سے مناسبت بھی ہوتی ہے اور اللہ کے مقدس نبی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ادب کا تقاضا بھی پورا ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔'' (کنزالایمان)

تفسیر:۔''یعنی اس درخت کے کھانے سے دائمی حیات نہ ملی۔''

(تفسیر خزائن العرفان، ص:۵۷۶)

الحاصل! قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کی ہر کس و ناکس میں صلاحیت نہیں ہوتی۔ وسیع پیمانے پر علم ہونے کے ساتھ ساتھ نور ایمان کی بصیرت ہونا بھی لازمی ہے۔ آیت کے الفاظ کے لغوی معنی لکھ دینے سے ترجمے کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ صرف لفظی و لغوی ترجمہ کر کے اپنے آپ کو ''ترجمان القرآن'' یا ''مترجم قرآن'' کہلانے والے ''ٹوٹی ٹانگ، ہاتھ نہ پاؤں، کبے چلوں گھوڑوں کے ساتھ'' والی مثل کے مصداق بنتے ہیں۔

اگر کسی شخص نے انگریزی زبان سیکھ لی اور لغت کی بھی اچھی خاصی معلومات حاصل کر لی پھر وہ بازار سے کسی بک اسٹال سے طبابت یعنی ڈاکٹری کے فن کی دو چار کتابیں خرید لایا اور اس کو پڑھ ڈالا تو ظاہری بات ہے کہ اس کو فن طبابت کی قدرے معلومات حاصل ہوگی۔ وہ شخص صرف اتنی ہی معلومات کے بل بوتے پر دواخانہ کھول کر بیٹھ جائے اور اپنے کو طبیب حاذق سمجھ کر لوگوں کے علاج معالجے شروع کردے اور رفتہ رفتہ وہ جراحی (Operation) کرنا شروع کردے تو کیا انجام ہوگا؟ کیا کوئی عقلمند ایسے جعلی جراح (Surgeon) کے پاس آپریشن کرائے گا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ایسے سرجن کے آپریشن ٹیبل پر لیٹنا اور جنازہ میں لیٹنا دونوں برابر ہے یعنی سامنے سے چل کر موت کی آغوش میں لیٹنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ ''نیم حکیم خطرۂ جان'' ہوتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان کے قوانین صرف و نحو اور لغت کی قدرے معلومات حاصل ہونے پر کوئی شخص [illegible] قرآن مجید کا ترجمہ اور

تفسیر لکھنے کی جرأت کرے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ایمان کا طوطا ہی اُڑ جائے گا۔ ایسے جفا شعار، کور چشم و باطن، گستاخ و بے ادب کا ترجمہ پڑھنے سے ایمان کے لالے پڑ جائیں گے کیونکہ "نیم ملا خطرۂ ایمان" ہوتا ہے۔ دورِ حاضر کے منافقین کے پرانے پرانے چوٹی کے سیانے پیشواؤں کے قرآنی تراجم کا جائزہ لینے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کو قرآن فہمی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس کے باوجود بھی ان کے گمراہ کن تراجم کو دھوم دھام سے روحانی اور عرفانی تراجم میں شمار کرانے اور کرنے کا ڈھوم دھڑ کا مچایا جاتا ہے۔ اہل ایمان ایسے مفسد العقائد اور مہلک الایمان تراجم سے کنارہ کش ہو کر اجتناب و احتراز کریں۔

"اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کے لفظی معنی کو دلیل بنا کر حضور اکرم کو اپنے جیسا بشر کہنے والے خود اپنی جال میں پھنستے ہیں"

دورِ حاضر کے منافقین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں اور اپنے اس باطل نظریہ کے ثبوت میں **سورۃ الکھف** اور **حٰمٓ سجدہ** کی آیت مقدسہ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ منافقینِ زمانہ بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توہین و بے ادبی کرنے کی غرض سے زمانہ ماضی کے کفار و مشرکین اور منافقین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ اپنے اس باطل عقیدہ کو مناسب ٹھہرانے کے لیے قرآن مجید کی آیت کا ناجائز طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ بھولے بھالے عوام الناس کو مغالطہ دینے کے

لیے اور اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ ✪ قُلْ = کہہ دو ✪ اَنَا = میں ✪ بَشَرٌ = آدمی (بشر) ہوں ✪ مِثْلُكُمْ = تمہارے جیسا۔ یعنی "کہہ دو میں آدمی ہوں تمہارے جیسا"۔ اس طرح قرآن مجید کی آیت کا ترجمہ کر کے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہم اپنی طرف سے "اپنے جیسا بشر" نہیں کہتے بلکہ قرآن مجید نے کہا ہے۔ ہم تو وہی کہتے ہیں جو قرآن میں ہے۔ منافقوں کے اس مکر و فریب کے جال میں بہت سے لوگ پھنس جاتے ہیں اور گمراہیت کی راہ سنگلاخ پر چل پڑتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ یہ آیت آیاتِ متشابہات میں شمار ہوتی ہے لہٰذا اس کے ظاہری لفظی معنوں کو دلیل بنا کر بطور ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ جس کی تفصیلی وضاحت ہم نے اوراق سابقہ میں کردی ہے۔ منافقینِ زمانہ کے جہلاء مبلغین میں سے اکثر و بیشتر کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آیات متشابہات کس کو کہتے ہیں۔ لہٰذا وہ ہمیشہ علمی بحث سے گریز ہی کرتے ہیں۔ ایسے گریز پا بھگوڑوں کو آسان علمی دلیل سے دبوچنا چاہیے۔ بلکہ آیت کے ظاہری لفظی معنوں کو پیش کرنے کا ان کا جو طریقہ ہے، وہی طریقہ بطور حجت اختیار کر کے "جس کی جوتی اس کے سر" والی مثل اپنانی چاہیے۔ قرآنِ مجید کی آیت کے ظاہری لفظی معنی پیش کر کے منافقینِ زمانہ کو مات دینے کے لیے ذیل میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ جن کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے سے منافقینِ زمانہ دم بخود ہو کر رہ جائیں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ وحبیبہ)

⊙ دلیل نمبر ۱:-

عام طور سے مسلمان کو "مؤمن" کہا جاتا۔ مؤمن کی جمع مؤمنین ہے۔ قرآن مجید میں مسلمان کو "مؤمن" اور مسلمانوں کو "مؤمنین" کہا گیا ہے۔ مؤمن کا لفظ مسلمان کے معنی میں رائج ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں "مؤمن" ہوں تو اس سے یہ مراد لی جائے گی کہ میں مسلمان ہوں۔ عوام و خواص لفظ مؤمن کو مسلمان کے معنی اور مطلب میں استعمال کرتے ہوئے بولتے ہیں مثلاً پیارے "مؤمن بھائیو" یا "معزز مؤمن بھائیوں کو معلوم ہو" وغیرہ۔ الحاصل مسلمان کو قرآنی اصطلاح میں اور عام اصطلاح میں بھی مؤمن کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں مسلمان کو مؤمن کہا گیا ہے۔

○ "وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ"

(پارہ:۲، سورۃ البقرہ، آیت:۲۲۱)

ترجمہ:-"اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے۔" (کنزالایمان)

نتیجہ۔- اس آیت میں مسلمان کو مؤمن کہا گیا ہے۔

○ "هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَيۡمِنُ الۡعَزِيۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَكَبِّرُ"

(پارہ:۲۸، سورۃ الحشر، آیت:۲۳)

ترجمہ-"وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اللہ ملک ہے، قدوس ہے، سلام ہے، مؤمن ہے، مہیمن ہے، عزیز ہے، جبار ہے، متکبر ہے۔"

نتیجہ:- اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت میں لفظ "مؤمن" کا استعمال ہوا ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ مؤمن ہے۔

سورۂ حشر کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کو "مؤمن" اور سورۂ بقرہ کی آیت:۲۲۱ میں مسلمان کو بھی "مؤمن" کہا گیا ہے۔ یعنی اللہ بھی مؤمن ہے اور مسلمان بھی مؤمن ہے۔

اب ایک مزید آیت کریمہ تلاوت کریں:-

○ "اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ" (پارہ:۲۶، سورۃ الحجرات، آیت:۱۰)

ترجمہ-"مسلمان مسلمان بھائی ہیں" (کنزالایمان) یعنی مؤمن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اب ہم منافقین زمانہ سے سوال پوچھتے ہیں کہ:-

سورۃ البقرہ میں مسلمان کو مؤمن کہا گیا ہے۔ سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ کو مؤمن کہا گیا ہے۔ اور سورۃ الحجرات میں ایسا فرمایا گیا ہے کہ تمام مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو جس طرح تم قرآن مجید کی سورۃ الکھف اور سورہ حم سجدہ کی آیت "اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ" کے ظاہری لفظی معنی اخذ کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہو، اسی طرح سورۃ البقرہ، سورۃ الحشر اور سورۃ الحجرات کی مندرجہ بالا تینوں آیات کے ظاہری لفظی معنی کی

بناء پر اللہ کو اپنا بھائی کہو گے؟ کیا ان آیات کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر اللہ تعالیٰ کو اپنا بھائی کہنا درست ہے؟ کیا ان آیات کے ظاہری لفظی معنوں کی بناء پر اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کو اپنا بھائی کہا تو اس نے شانِ الوہیت میں بے ادبی اور گستاخی کی ہے یا نہیں؟ ایسا کہنے والا شخص ایمان کے دائرے سے خارج ہو جائے گا یا نہیں؟

قارئینِ کرام سے التماس ہے کہ ہم نے مندرجہ بالا تین آیات مقدسہ لفظ ''مؤمن'' کے تعلق سے صرف منافقینِ زمانہ کو ساکت ومبہوت کرنے کے لیے پیش کی ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے کے لیے "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت پیش کر کے اس کے ظاہری لفظی معنی کی بنا پر جو لوگ اُچھل کود کرتے ہیں، ان کے اُچھلنے کودنے کو لگام دینے کے لیے ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لیے ہم نے لفظ ''مؤمن'' کے ظاہری لفظی معنی والی دلیل پیش کی ہے۔ تاکہ ان کے دماغ کی گرمی اتر جائے اور ان کی بے تکی منطق کا استیصال بھی ہو جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مندرجہ آیات کے ظاہری لفظی معنوں کی بناء پر اللہ تعالیٰ کو بھائی کے معنی یا مسلمان کے معنی میں مؤمن کہنا ہرگز درست نہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوراق سابقہ میں معروض کیا ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں حقیقت اور مجاز کا فرق کرنا اشد ضروری ہے، لہذا:-

جب لفظ ''مؤمن'' کی نسبت مسلمان کی طرف کی جائے گی تو اس کے معنی ''ایماندار'' یا ''ایمان لانے والا'' ہوں گے اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کی طرف ''مؤمن'' کی صفت منسوب کی جائے گی تو اس کے معنی ہوں گے ''امان بخشنے والا'' یا ''امان دینے والا''

⊙ **دلیل نمبر ۲:-**

اللہ تبارک وتعالیٰ کے بے شمار صفاتی نام ہیں۔ ان ناموں میں **رَءُوْفٌ، رَحِيْمٌ، شَهِيْدٌ** بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان تینوں صفاتی اسماء کا قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر فرمایا گیا ہے۔ مثلاً:-

- "**هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ**" (پارہ: ۲۸، سورۃ الحشر، آیت: ۲۲)
- "**اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ**" (سورۃ الفاتحہ، آیت: ۲)
- "**وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ**" (پارہ: ۳، سورۃ آل عمران، آیت: ۳۰)
- "**قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ**"

(پارہ:۲۱، سورۃ العنکبوت، آیت:۵۲)

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے تین صفاتی نام رحیم، رؤف اور شہید مذکور ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ رحیم ہے، رؤف ہے اور شہید ہے۔ شہید بمعنی گواہ کے ہے۔ اب ہم قرآن مجید کی دیگر دو آیت کریمہ تلاوت کرتے ہیں:-

✪ "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ"

(پارہ:۱۱، سورۃ التوبہ، آیت:۱۲۸)

ترجمہ:- "بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان" (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں حضورِ اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رؤف اور رحیم کی صفت سے متصف کیا گیا ہے۔

✪ "فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا" (پارہ:۵، سورۃ النساء، آیت:۴۱)

ترجمہ:- "تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "شہیدا" (گواہ) فرمایا گیا ہے۔

مندرجہ بالا کل چھ آیات سے ثابت ہوا کہ

⊙ اللہ تبارک وتعالیٰ	⊙ رحیم ہے	⊙ رؤف ہے	⊙ شہید ہے
⊙ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	⊙ رحیم ہیں	⊙ رؤف ہیں	⊙ شہید ہیں

یہ حقیقت قرآن سے ثابت ہے۔ کسی کے گھر کی ایجاد کردہ بات نہیں بلکہ قرآن کا فیصلہ ہے۔ جس پر قرآن مجید کی آیات مبینات شاہد عادل ہیں۔

اب ہم منافقین زمانہ سے سوال پوچھتے ہیں کہ:-

قرآن مجید کی آیت "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر تم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے کی جرأت کرتے ہو، تو کیا اب ان چھ آیات کے ظاہری لفظی معنوں کی بناء پر یہ کہو گے کہ قرآن مجید میں بھی معاذ اللہ شرک کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو رؤف، رحیم اور شہید کہا گیا ہے اور اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی رؤف رحیم اور شہید کہا گیا ہے۔ عبدالنبی اور عبدالرسول نام رکھنے پر تم نے شرک کا واویلا اور غوغا صرف اس لیے مچا رکھا ہے کہ اللہ کا بندہ اور رسول کا بھی بندہ؟ یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ اس میں مساوات یعنی اللہ کے ساتھ رسول اللہ کی برابری کی جاتی ہے۔ تو قرآن کی مندرجہ چھ آیات میں جو اللہ کی صفتیں رؤف، رحیم اور شہید بیان ہوئی ہیں، انہیں صفات سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی متصف کیا گیا ہے، تو کیا یہ بھی شرک ہے؟ یہاں بھی مساوات اور برابری کا رونا دھونا کرو گے؟ اگر کسی کا نام عبدالنبی یا عبدالرسول ہوتا ہے تو تم بلا کسی تامل، بلا کسی تاخیر، بلا کسی جھجک اور بلا کسی وضاحت کے دھڑا دھڑ شرک کے فتوے صادر کرتے ہو، تو اگر کسی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبی رحیم یا نبی رؤف یا رؤف و رحیم نبی کے القاب سے ملقب کیا تو ان القاب میں اللہ تعالیٰ کی صفات سے مساوات ہوتی ہے یہ بہانہ کر کے اور حیلے حوالے کر کے شرک کے فتوے کے پتھر برساؤ گے؟

قارئین کرام کی خدمت عالی میں وضاحت پیش کرتے ہوئے عرض ہے کہ:-

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ رؤف ورحیم وشہید ہے۔ اور بے شک اللہ کے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی رؤف ورحیم وشہید ہیں۔ لیکن یہاں حقیقت ومجاز اور ذاتی وعطائی کا فرق کرنا ضروری ہے۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ رؤف ورحیم وشہید ذاتی ہے اور اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عطائی رؤف ورحیم وشہید ہیں۔ نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ حقیقی اور ذاتی رؤف ورحیم وشہید رب تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم کو اپنی عطا سے رؤف ورحیم وشہید بنایا۔ اگر حقیقت ومجاز اور ذاتی وعطائی کا فرق سمجھ میں آگیا تو توحید ورسالت کے تعلق سے تمام مسائل حل ہو جائیں گے مثلاً علم غیب، حاضر وناظر، تصرف واختیارات وغیرہ کے تعلق سے جتنے بھی اختلافی مسائل ہیں وہ بآسانی سمجھ میں آجائیں گے اور نورِ ایمان کی ضیاء وحلاوت حاصل ہوگی

اور اگر حقیقت ومجاز اور ذاتی وعطائی کا فرق کرنے کی صلاحیت نہیں تو ہر معاملہ میں شرک کے شرارے ہی نظر آئیں گے اور رفتہ رفتہ وہ شرارے کو وآتش فشاں بن کر ایوانِ ایمان کو جلا کر راکھ کردیں گے۔

⊙ **دلیل نمبر ۳:-**

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک صفاتی نام "رَبّ" ہے۔ رب کے معنی ہوتے ہیں پالنے والا، پرورش کرنے والا، پروردگار، مالک وغیرہ۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس صفت کا کثرت سے ذکر ہے:-

✪ **"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"** (سورۃ الفاتحہ، آیت:۱)

ترجمہ:- ''سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا۔'' (کنز الایمان)

✪ **"رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ"**

(پارہ:۲۷، سورۃ الرحمٰن، آیت:۱۷)

ترجمہ:- ''دونوں پورب کا رب اور دونوں پچھم کا رب'' (کنز الایمان)

✪ **"وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ"** (پارہ:۲۹، سورۂ نوح، آیت:۲۶)

ترجمہ:- ''اور نوح نے عرض کی اے میرے رب'' (کنز الایمان)

✪ **"قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ"** (پارہ:۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت:۲۵)

ترجمہ:- ''عرض کی اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے'' (کنز الایمان)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے صفاتی نام کی حیثیت سے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر قرآن مجید میں ''رب'' کا لفظ وارد ہے۔ اسی طرح ماں باپ کو بھی قرآن میں ''رب'' کہا گیا ہے۔

✪ **"وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِیْ صَغِیْرًا"**

(پارہ:۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت:۲۴)

ترجمہ:- ''اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا'' (کنز الایمان)

اس آیت میں ماں باپ کے لیے ''رب'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اب ہم منافقینِ زمانہ سے سوال پوچھتے ہیں کہ:-

قرآن مجید کی آیت مقدسہ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر تم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہو، تو کیا سورۂ بنی اسرائیل کی مندرجہ بالا آیت کی بناء پر اپنے والد کو "ربی" یعنی "میرا رب" کہہ سکتے ہیں؟ کیا اپنے ماں باپ کے لیے مطلق رب کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں؟ جس معنی میں اللہ تعالیٰ کو "رب" کہتے ہیں، اسی معنی میں اپنے ماں باپ کو "رب" کہہ سکتے ہیں؟ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ تیرا رب کون ہے؟ اور وہ یہ جواب دے کہ میرا رب میرا باپ ہے اور وہ اپنے باپ کو اپنا رب ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت کو بطورِ دلیل پیش کر سکتا ہے؟ کیا اس کی دلیل مانی جائے گی؟ اگر ہاں میں جواب ہے تو سوال ہے کہ کیوں مانی جائے گی؟ اور "نا" میں جواب ہے تو یہ بتائیں کیوں نہیں مانی جائے گی؟ تمام سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کے دلائل سے مرحمت کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

قارئین کرام کی خدمت میں وضاحتاً عرض ہے کہ:-

اس آیت میں ماں باپ کو ضرور رب کہا گیا ہے لیکن مجازاً کہا گیا ہے۔ کیونکہ رب لفظ کے لغوی معنی ہیں پالنے والا یا پرورش کرنے والا۔ چونکہ ماں باپ اپنی اولاد کو پالتے ہیں اور اس کی پرورش کرتے ہیں، اس معنی میں ماں باپ کو رب کہا گیا ہے یعنی پالنے والے یا پرورش کرنے والے اور یہ معنی مجاز پر محمول ہیں۔ پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ ہی پالتا ہے۔ اس حقیقت کی بناء پر اللہ تعالیٰ رب ہے اور یہ معنی حقیقت پر محمول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ذاتی اور حقیقی رب یعنی پالنے والا ہے اور رب حقیقی کی عطا سے ماں باپ مجازی اور عطائی رب یعنی پرورش کرنے والے ہیں۔ حقیقت ومجاز اور ذاتی وعطائی کا فرق کرنے سے آیت کا مفہوم، مطلب اور مراد اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔

⊙ **دلیل نمبر ۴:-**

جیسا کہ ہم نے اوراقِ سابقہ میں عرض کیا ہے کہ قرآن مجید کی خالص عربی زبان کی لغت کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ ایک لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور کسی لفظ کے ایک معنی بھی

ہوتے ہے۔ جس لفظ کے کئی معنی ہوتے ہوں اس لفظ کا معنی واقعے کی نوعیت، محل وموقعہ، انداز بیان، مخاطب اور مخاطب کی حیثیت، حقیقت ومجاز، طنز واستفہام، مبتداء وخبر، شرط وجزا، اطناب وایجاز، تذلیل وتکریم، وعید وبشارت، زجر وتنبیہ، تشبیہ واستعارہ، وغیرہ جیسے ضروری امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور آیت کی تفسیر میں وارد اصل واقعے کی مکمل واقفیت رکھ کر اس سے مناسبت رکھنے والے موزوں طور پر ہی کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر لفظ ''کریم''۔ قرآن مجید میں لفظ ''کریم'' اتنے متعدد اور مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ اگر ترجمہ کرنے والا بالغ النظر اور وسیع علم کا حامل نہیں تو وہ ترجمہ کرنے میں ٹھوکریں کھائے گا۔ حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں لفظ ''کریم'' اللہ تبارک وتعالیٰ کے صفاتی نام کی حیثیت سے وارد ہے اور یہی لفظ کریم سے ابو جہل جیسے کافر کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ اور دونوں جگہ لفظ ''کریم'' کا صحیح صحیح استعمال ہوا ہے لیکن معنی، مطلب اور مراد کا فرق عظیم ہے۔ قارئین کرام کی فرحت طبع کے خاطر لفظ ''کریم'' کے تعلق سے ہم قرآن مجید کی مختلف آیات بطور مثال پیش کر کے اس پر بہت ہی اختصاراً بحث کرتے ہیں:-

- ''کریم'' اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسم ذات کے ساتھ اس کی اضافت کر کے عام بول چال میں بھی یہ لفظ رائج اور مستعمل ہے۔ مثلاً اللہ کریم، رب کریم وغیرہ۔ قرآن مجید میں لفظ ''کریم'' اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت کے طور پر وارد ہے:-

"یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ"

''(پارہ: ۳۰، سورۃ الانفطار، آیت: ۶)

ترجمہ:- ''اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے'' (کنز الایمان)

اس آیت میں ''کرم والے'' کے معنی میں لفظ ''کریم'' کا استعمال اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت کے طور پر ہوا ہے۔

اب ہم ناظرین کرام سے مؤدبانہ التماس کرتے ہیں کہ اپنی تمام توجہات براہ کرم مرلوز فرما کر مطالعہ فرمائیں اور ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن مجید میں لفظ ''کریم'' کتنے مختلف معنوں میں

اور متفرق انداز میں استعمال ہوا ہے۔

✪ لفظ ''کریم'' کا استعمال قرآن مجید کی صفت کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے۔

"اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ" (پارہ:۲۷، سورۃ الواقعہ، آیت:۷۷)

ترجمہ:۔ ''بے شک یہ عزت والا قرآن ہے۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں ''عزت والا'' کے معنی میں لفظ کریم کا استعمال قرآن مجید کی صفت و تعریف کے طور پر ہوا ہے۔

✪ جلیل القدر نبی و رسول حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو لفظ ''کریم'' کی صفت سے موصوف کیا گیا ہے۔

"وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ" (پارہ:۲۵، سورۃ الدخان، آیت:۱۷)

ترجمہ:۔ ''اور ان کے پاس ایک معزز رسول تشریف لایا۔'' (کنزالایمان)

تفسیر:۔ ''یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام'' (تفسیر خزائن العرفان، ص:۸۹۳)

اس آیت میں "مُعَزَّز" یعنی عزت دار، باوقعت، بڑا شریف، بزرگ کے معنی میں لفظ کریم کا استعمال حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف و توصیف میں وارد ہے۔

✪ لفظ ''کریم'' کا استعمال خسرو خیز ملک، خادم سلطان عرب، جلیل القدر ملائکہ حضرت سیدنا جبرئیل علیہ السلام کی مدح و ثنا کے طور پر بھی ہوا ہے۔

"اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ" (پارہ:۳۰، سورۃ التکویر، آیت:۱۹)

ترجمہ:۔ ''بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے۔'' (کنزالایمان)

تفسیر:۔ ''یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام'' (تفسیر خزائن العرفان، ص:۱۰۵۷)

نوٹ:۔ اس آیت میں رسول بمعنی فرشتہ کے ہے۔

اس آیت میں ''عزت والے'' کے معنی میں لفظ ''کریم'' کا استعمال حضرت سیدنا جبرئیل علیہ السلام کی تعریف و توصیف میں کیا گیا ہے۔

✪ قارئین کرام کو تعجب ہوگا کہ قرآن مجید میں خیرات کرنے والے مرد و عورت کو جو ثواب ہوگا، اس ثواب یعنی اچھے بدلے اور اجر کو بھی لفظ

''کریم'' سے متصف فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ○

(پارہ:۲۷، سورۃ الحدید، آیت:۱۸)

ترجمہ:۔''بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ جنہوں نے اللہ کو اچھا قرض دیا۔ ان کے دونے ہیں اور ان کے لیے عزت کا ثواب ہے۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں لفظ ''کریم'' کا استعمال صدقہ اور خیرات کرنے والے مؤمنین کے اجر و ثواب کو ''عزت والے'' ثواب سے سراہنے کے لیے کیا گیا ہے۔

- خدائی کا دعویٰ کرنے والے مغرور فرعون کی فوج کے ہلاک ہونے والے فرعونی سپاہیوں کے عمدہ مکانات یعنی آراستہ پیراستہ اور مزین گھروں کو بھی قرآن مجید میں لفظ ''کریم'' سے متصف کیا گیا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قوم بنی اسرائیل کے فرمانبردار افراد کو اپنے ساتھ لے کر مصر سے روانہ ہوئے اور راہ میں دریائے نیل واقع اور حائل ہوا تو حالت یہ تھی کہ آگے دریا تھا اور پیچھے فرعون کا لشکر تعاقب کرتے ہوئے آ رہا تھا۔ آپ کے تمام ہمراہی گھبرا گئے، تب آپ نے عظیم معجزہ ظاہر کرتے ہوئے دریا پر اپنا مقدس عصا یعنی ڈنڈا مارا تو دریا میں بارہ راستے بن گئے۔ ان راستوں پر چل کر قوم بنی اسرائیل پار ہونے لگی۔ قوم بنی اسرائیل کو دریا میں تراشیدہ راستوں میں چل کر جاتی ہوئی دیکھ کر فرعون کا لشکر بھی قوم بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہوئے ان راستوں پر چل پڑا۔ قوم بنی اسرائیل دریا پار کر کے جب سامنے والے کنارے پر پہونچی تب فرعون کا لشکر بیچ دریا میں تھا۔ قوم بنی اسرائیل کے سامنے والے کنارے پر پہنچتے ہی حکمِ الٰہی سے دریا پھر اپنی سابقہ حالت پر

آ گیا اور دریا میں جو راستے تھے وہ ہموار پانی کی شکل میں تبدیل ہو گئے اور فرعون کا پورا لشکر غرقِ دریا ہو کر ہلاک ہو گیا۔ فرعون کا مع اپنے لشکر کے ہلاک ہو جانے پر ان کے ہرے بھرے باغات، سرسبز و شاداب کھیت، چشمے اور عیش و آرام کے سامان سے آراستہ اور عالی شان مزین مکانات اور دیگر مال و متاع مصر شہر میں دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اس واقعہ کا قرآن مجید میں اس طرح بیان ہے کہ:-

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۝ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝

(پارہ:۲۵، سورۃ الدخان، آیت:۲۴ تا ۲۶)

ترجمہ:- "اور دریا کو یونہی جگہ جگہ سے کھلا چھوڑ دے، بے شک وہ لشکر ڈبویا جائے گا، کتنے چھوڑ گئے باغ اور چشمے، اور کھیت اور عمدہ مکانات" (کنزالایمان)

تفسیر:- "تاکہ فرعونی راستوں سے دریا میں داخل ہو جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان ہو گیا اور فرعون اور اس کا لشکر دریا میں غرق ہو گیا اور ان کا تمام مال و متاع اور سامان یہیں رہ گیا۔ عمدہ مکانات یعنی آراستہ پیراستہ مزین مکانات۔" (تفسیر خزائن العرفان، ص:۸۹۴)

اس آیت میں فرعون اور فرعونیوں کے "عمدہ مکانات" یعنی آراستہ پیراستہ اور مزین مکانات کو "مقامِ کریم" کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ یعنی قوم فرعون کے "عمدہ مکانات" کے لیے بھی لفظ "کریم" کا استعمال کیا گیا ہے۔

- رئیس الکفار والمشرکین، عدوِّ نبی، ابوجہل لعین اور دیگر کفار کو بھی طنزاً یعنی طعنہ دیتے ہوئے لفظ "عزیز" "کریم" سے مخاطب کیا گیا ہے۔

"ذُقْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ"

(پارہ:۲۵، سورۃ الدخان، آیت:۴۹)

ترجمہ:- "چکھ، ہاں ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے" (کنزالایمان)

تفسیر:- ''ابوجہل کو ملائکہ یہ کلمہ اہانت اور تذلیل کے لیے کہیں گے کیونکہ ابوجہل کہا کرتا تھا کہ بطحا میں میں بڑا عزت والا کرم والا ہوں۔ اس کو عذاب کے وقت یہ طعنہ دیا جائے گا اور کفار سے بھی یہ کہا جائے گا''

(تفسیر خزائن العرفان ص: ۸۹۵)

اس آیت میں ابوجہل و دیگر کفار کے لیے لفظ ''عزیز اور'' کریم'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ ''عزیز'' کا ''عزت والا'' اور لفظ ''کریم'' کا کرم والا'' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

''کریم'' کی طرح ''عزیز'' بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا صفاتی نام ہے:-

"وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (پارہ: ۲۵، سورۃ الجاثیہ، آیت: ۳۷)

ترجمہ:- ''اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔'' (کنزالایمان)

تو جو لفظ ''عزیز'' اللہ تعالیٰ کے لیے ''عزت والا'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے وہی لفظ عزیز کا ''عزت والا'' کے ہی معنی میں ابوجہل اور دیگر کفار کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح جو لفظ ''کریم'' اللہ تعالیٰ کے لیے ''کرم والا'' کے معنی استعمال ہوا ہے۔ وہی لفظ ''کریم'' کا ''کرم والا'' کے ہی معنی میں ابوجہل اور دیگر کفار کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

ابوجہل اور کفار کو ''عزیز'' یعنی ''عزت والا'' کہا گیا ہے۔ بظاہر تو یہ بات بڑی تعجب اور حیرت کی ہے۔ کیونکہ ان کفار کے لیے اللہ کے یہاں کسی بھی قسم کی کوئی عزت نہیں بلکہ ان کے لیے کسی قسم کی عزت ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ قرآن مجید میں تو صاف اور صریح طور پر وضاحت فرمادی گئی ہے کہ عزت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لیے ہے:-

"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ" (پارہ: ۲۸، سورۃ المنافقون، آیت: ۸)

ترجمہ:- ''اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے۔''

(کنزالایمان).

جب عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے تو یقیناً کفار دنیا و آخرت کی عزت سے محروم ہیں تو [illegible] کیا وجہ ہے کہ کفار [illegible] کے سردار ابوجہل سے "اَنْتَ الْعَزِيْزُ"

اَلْکَرِیْمُ کہہ کر کیوں خطاب کیا جائے گا؟ جواباً عرض ہے کہ یہ جملہ طنزیہ ہے یعنی ابوجہل کو طعنہ دینے کے لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس کو اپنی عزت کا بہت غرور گھمنڈ تھا۔ وہ اپنے آپ کو کچھ کا کچھ سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ پورے مکہ معظمہ میں سب سے زیادہ عزت اور کرم والا میں ہی ہوں لیکن جب قیامت میں اُسے عذاب کے فرشتے ذلیل وخوار کرتے ہوئے گھسیٹیں گے اور اس کی ہتک عزت اور اہانت وحقارت کریں گے تب اسے اس کے غرور وشوخی کو یاد دلاتے ہوئے طعنہ دیں گے کہ دنیا میں تو اپنے کو عزت وکرم والا سمجھتا تھا۔ تو لے آج تو اپنی شوخی کا نتیجہ دیکھ لے اور "ذُق" یعنی چکھ، دردناک عذاب چکھ۔ اس آیت کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر ابوجہل ودیگر کفار کو "عزت والا" اور "کرم والا" ہرگز نہیں کہا جائے گا۔

اس جملہ طنزیہ کو آسان مثال سے یوں سمجھو کہ اگر کوئی شخص اپنے کو نیک، متقی، پرہیزگار، عابد وزاہد سمجھتا ہو اور ہر جگہ اپنے زہد وتقویٰ کا فخریہ ڈھنڈورا پیٹتا پھرتا ہو اور چند دنوں بعد وہ کسی طوائف کے کوٹھے پر نشہ کی حالت میں کسی رنڈی کے ساتھ منہ کالا کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا جائے اور لوگ اس کی پٹائی کریں اور اس کو اپنے زہد وتقویٰ کا غرور یاد دلاتے ہوئے کہیں کہ لے اب ذلت ورسوائی کا مزہ چکھ، تو تو بڑا متقی اور پرہیزگار ہے یعنی تو وہی تو ہے جو اپنے آپ کو بڑا متقی اور پرہیزگار کہتا تھا لیکن آج تیری قلعی کھل گئی ہے۔ اب ذرا کہہ تو سہی کہ میں بڑا متقی اور پرہیزگار ہوں۔ اس وقت اس نام نہاد متقی اور بناوٹی پرہیزگار کو اپنی اصلیت کا احساس ہوگا اور متقی ہونے کی جو شوخی مارتا تھا اس پر ندامت ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح ابوجہل اور دیگر کفار کو قیامت میں طعنہ دیتے ہوئے اور عار دلاتے ہوئے، ذلیل وخوار کرنے کے لیے کہا جائے گا کہ "اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ" یعنی "ہاں ہاں! تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔" اس آیت میں لفظ "عزیز" اور لفظ "کریم" کا استعمال ابوجہل کی تعظیم وتکریم کے مطلب اور مراد میں نہیں کیا گیا بلکہ تذلیل وتوبیخ کے مطلب ومراد میں استعمال کیا گیا ہے۔

- قرآن مجید میں لفظ "کریم" کا استعمال اعلیٰ درجے کی سبزیاں یعنی عمدہ ترکاریوں کی تعریف میں "نفیس" کے معنی میں بھی ہوا ہے۔

"وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ"

(پارہ:۲۱،سورۂ لقمان،آیت:۱۰)

ترجمہ:-"اور ہم نے آسمان سے پانی اُتارا تو زمین میں ہر نفیس جوڑا اُگایا۔"

(کنزالایمان)

تفسیر:-"یعنی عمدہ اقسام کے نباتات پیدا کیے۔"(تفسیر خزائن العرفان)

حل لغت:-

⊙ نباتات = سبزیاں، ترکاریاں (حوالہ:-فیروز اللغات،ص:۱۳۴۹)

⊙ نفیس = عمدہ، اعلیٰ درجہ کی، قیمتی، پاکیزہ، (حوالہ:-فیروز اللغات،ص:۱۳۶۹)

⊙ جوڑا = ایک سی دو چیزیں، جُفت، (حوالہ:-فیروز اللغات،ص:۴۸۳)

اس آیت میں لفظ"کریم" کا استعمال زمین سے اُگنے والی سبزیوں اور ترکاریوں کی "نفاست" یعنی عمدگی اور پاکیزگی کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے۔

✪ حضرت سیدنا یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے مثل اور نادر زمن حسن وجمال اور خیرہ چشم کر دینے والی خوبصورتی کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے آپ کے لیے "مَلَكٌ كَرِيْمٌ" کا جملہ استعمال کیا تھا۔ جس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ:-

"اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ" (پارہ:۱۲،سورۂ یوسف،آیت:۳۱)

ترجمہ:-"یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ۔"(کنزالایمان)

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے مثال خوبصورتی اور حسن وجمال کا وصف بیان کرنے کے لیے"معزز" کے معنی میں لفظ"کریم" کا استعمال کیا گیا ہے۔

✪ قرآن مجید میں لفظ"کریم" کا استعمال جنت کو عزت کی جگہ کے وصف سے متصف کرنے کے لیے"عزت" کے معنی میں بھی کیا گیا ہے:-

"وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا" (پارہ:۵،سورۃ النساء،آیت:۳۱)

ترجمہ:-"اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں۔"(کنزالایمان)

اس آیت میں جنت کو عزت کی جگہ متصف کرنے کے لیے"عزت" کے معنی میں

لفظ ''کریم'' کا استعمال ہوا ہے۔

صرف لفظ ''کریم'' کے تعلق سے کل بارہ (۱۲) آیات قرآنیہ تلاوت ہوئی ہیں۔ ایسی تو کئی آیات پیش کی جاسکتی ہیں جن میں لفظ ''کریم'' کا محل وموقعہ کے اعتبار سے مختلف معنی مطلب اور مراد میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن طول تحریر کے خوف سے اس بحث کو اطناب نہیں دیتے ⊙ ''رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ'' (پارہ:۱۸، سورۃ النور، آیت ۱۱۶) ⊙ "لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ" (پارہ:۱۰، سورۃ الانفال آیت ۷۴) وغیرہ آیات کے ضمن میں تفصیلی وضاحت نہ کرتے ہوئے اب ہم منافقین زمانہ سے سوال پوچھتے ہیں کہ:-

(۱) "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت کریمہ کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر تم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہو، تو کیا سورۃ الدخان کی آیت "ذُقْ ۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ" کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر ابوجہل اور دیگر کفار کو اللہ تعالیٰ جیسا عزت والا اور کرم والا مانو گے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کے لیے تم یہ کہتے ہو کہ حضور کو قرآن نے جب بشر کہا ہے، تو ہم کہیں تو اس میں کونسی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ تمہارے اس نظریہ کی بناء پر تمہارے نقش قدم پر چل کر کوئی سرپھرا اور عقل کا مارا یہ کہے کہ اللہ ''عزیز'' اور ''کریم'' ہے اور قرآن نے ابوجہل اور دیگر کفار کو ''عزیز'' اور ''کریم'' کہا ہے لہذا وہ اللہ تعالیٰ جیسے عزت اور کرم والے ہیں، تو ایسا کہنا بے ادبی اور گستاخی ہے یا نہیں؟ ایسے شخص کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ حالانکہ وہ یہ بات قرآن مجید کی آیت سے ظاہری لفظی معنی کو دلیل بنا کر کہہ رہا ہے۔ کیا اس طرح کسی آیت کے ظاہری لفظی معنی کو بطور سند و دلیل پیش کر کے اتنی بڑی بات کہنا مناسب ہے؟

(۲) قرآن مجید میں ⊙ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ⊙ حضرت جبرئیل علیہ السلام ⊙ جنت کو ⊙ عرش کو ⊙ رزق کو ⊙ اجر وثواب کو ⊙ فرعون کی قوم کے آراستہ و مزین مکانوں کو ⊙ زمین سے اگنے والی ترکاریوں اور سبزیوں کو لفظ ''کریم'' سے متصف کیا گیا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ [illegible] حیثیت سے بھی لفظ

''کریم'' کا استعمال ہوا ہے۔ لفظ کریم کا ظاہری لغوی معنی کرم والا ہوتا ہے۔ کیا ظاہری لغوی معنی کو دلیل وسند بنا کر اللہ تعالیٰ کی صفت ''کریم'' کا دوسروں پر اسی معنی میں اطلاق کیا جاسکتا ہے؟ اگر کیا جاسکتا ہے تو کیوں؟ اور اگر نہیں کیا جاسکتا تو کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ اگر اسی معنی میں اطلاق نہیں کیا جاسکتا تو پھر قرآن مجید میں مختلف افراد اور اشیاء کو ''کریم'' کیوں کہا گیا ہے؟ اس کی وضاحت وتاویل کرنی ضروری ہے یا نہیں؟ حقیقت ومجاز اور ذاتی وعطائی کا فرق کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر تاویل اور حقیقت ومجاز کا فرق کرنا ضروری ہے تو پھر ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' کی بھی وضاحت وتاویل کرنی بھی لازمی اور ضروری ہے یا نہیں؟ ''ہاں'' اور ''نا'' دونوں صورتوں میں وجہ کیا ہے؟ تمام جوابات قرآن وحدیث کی دلیل پیش کر کے دیں۔

ناظرین کرام سے التماس ہے کہ ہم نے منافقینِ زمانہ کے سامنے صرف دو ہی سوال رکھے ہیں۔ حالانکہ اس ضمن میں کثیر تعداد میں سوال قائم کیے جاسکتے ہیں لیکن ہم نے صرف دو سوال پر ہی اکتفا اس لیے کیا ہے کہ ان دونوں سوالات کے جوابات دینے میں ان کا پسینہ چھوٹ جائے گا اور یقینی طور پر وہ جواب دینے سے عاجز وقاصر رہیں گے۔ کیونکہ اگر لفظ ''کریم'' کی تاویل کرتے ہیں تو ان کو ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' کی بھی تاویل کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا اور اگر لفظ ''کریم'' کی تاویل نہیں کرتے تو ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔ اور ''سانپ کے منہ میں چھچھوندر، نگلے تو اندھا، اُگلے تو کوڑھی'' جیسی صورت درپیش ہوگی اور ''نہ اُگلے بنے، نہ نگلے بنے'' جیسی حالت ہوگی۔

دلیل نمبر:۵

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک صفاتی نام ''علیم'' ہے۔ ''علیم'' کے معنی ہوتے ہیں ⊙ جاننے والا ⊙ علم والا ⊙ واقف ⊙ صاحب علم وغیرہ۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ''عَلِيْمٌ'' کا متعدد مقامات پر ذکر ہے

- "وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ" ترجمہ:۔ "اور وہی ہے سنتا جانتا" (کنز الایمان)

(❶ پارہ:۸، سورۃ انعام، آیت:۱۱۵، اور ❷ پارہ:۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۴)

- "وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ" (پارہ:۱۸، سورۃ النور، آیت:۲۱)

ترجمہ:۔ "اور اللہ سنتا جانتا ہے۔" (کنز الایمان)

- "اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ" (پارہ:۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت:۱۲)

ترجمہ:۔ "بے شک وہ سب کچھ جانتا ہے۔" (کنز الایمان)

- "وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ" (پارہ:۶، سورۃ المائدہ، آیت:۵۴)

ترجمہ:۔ "اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔" (کنز الایمان)

مذکورہ آیات میں "جاننے والا" اور "علم والا" کے معنی میں لفظ "علیم" کا استعمال اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت کے طور پر ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ایسی کئی آیتیں بھی ہیں جن میں لفظ "علیم" کا اطلاق اللہ کے سوا دوسروں پر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً:۔

- حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصر کے اقتصادی اور انتظامی امور کے سلسلہ میں مصر کے بادشاہ سے فرمایا کہ خزانوں کو میرے حوالے کر دیا جائے کیونکہ:۔

"اِنِّىۡ حَفِيۡظٌ عَلِيۡمٌ" (پارہ:۱۳، سورہ یوسف، آیت:۵۵)

ترجمہ:۔ "بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔" (کنز الایمان)

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقولہ ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام "بے شک" کی قید اور تاکید جملہ کی ابتدا میں لگا کر فرما رہے ہیں کہ بے شک میں "علیم" یعنی علم والا ہوں۔

- حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک معجزہ یہ بھی عطا فرمایا تھا کہ آپ کے ہاتھ میں جو عصا یعنی لکڑی کا ڈنڈا رہتا تھا، اسے آپ زمین پر ڈال دیتے تھے تو وہ زندہ اژدہا یعنی زبردست سانپ بن جاتا تھا۔ فرعون نے حضرت موسیٰ ... معجزہ کو سحر یعنی جادو

سے تعبیر کیا۔ فرعون کے زیر دست بے شمار ساحر اور جادوگر تھے لہٰذا اس نے یہ سوچا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں ملک کے تمام ماہرین جادوگروں کو جمع کر کے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غلبہ اور فتح حاصل کرلوں۔ لہٰذا فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چیلنج (Challenge) دیتے ہوئے جو کہا اس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح ہے کہ:۔

"یَأْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ" (پارہ:۹، سورۃ الاعراف، آیت:۱۱۲)

ترجمہ:۔"کہ ہر علم والے جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں۔" (کنزالایمان)

اس آیت میں "علم والا" کے معنی میں لفظ "عَلِيْمٍ" کا استعمال حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں جمع ہونے والے فرعون کے جادوگروں کے لیے کیا گیا ہے۔ آیت میں "سٰحِرٍ عَلِيْمٍ" کے الفاظ وارد ہیں یعنی علم والے جادوگر۔ مندرجہ دونوں آیات کے ضمن میں کسی صاحب کو یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے آپ کو "علیم" کہا ہے، اسی طرح فرعون نے اپنے جادوگروں کی اہمیت جتانے کے لیے اپنے جادوگروں کو "علیم" کہہ کر سراہا ہے۔ ان دونوں آیتوں میں ماضی میں وقوع پذیر واقعہ کا ذکر ہے اور اس کے ضمن میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور فرعون کے مقولے نقل کیے گئے ہیں۔ اللہ نے تو ان کو "علیم" نہیں کہا ہے۔ ایسے معترض صاحب کی تسکین اور اطمینان کے لیے:۔

- اب ہم قرآن مجید کی ایک ایسی آیت کریمہ تلاوت کرنے کا شرف حاصل کرنے جارہے ہیں، جس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے علم والے بندوں کو "علیم" فرمایا ہے۔ یعنی اس آیت میں ماضی کے کسی واقعہ کے ضمن میں کسی کا مقولہ نقل نہیں کیا گیا بلکہ رب تبارک وتعالیٰ کا صاف اور صریح مقدس ارشاد ہے، جو رب تعالیٰ نے اپنے علم والے بندوں پر انعام واکرام کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

"نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ"

(پارہ:۱۳، سورۂ یوسف، آیت:۷۶)

ترجمہ:- ''ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔'' (کنز الایمان)

تفسیر:- ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہر عالم کے اوپر اس سے زیادہ علم رکھنے والا عالم ہوتا ہے۔'' (تفسیر خزائن العرفان، ص:۳۴۱)

اس آیت اور اس کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ہر عالم سے بڑھ چڑھ کر زیادہ علم والا کوئی نہ کوئی ہوتا ہے۔ اور اس سے زیادہ علم والے عالم کو قرآن میں ''عَلِیْمٌ'' فرمایا گیا ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ جو ''علیم'' ہے وہ علیم رب ہی اپنے علم والے بندوں کو ''عَلِیْمٌ'' فرما رہا ہے۔ نیز اس آیت میں ''علم والا'' کے معنی میں زیادہ علم والے عالم کے لیے لفظ ''علیم'' کا استعمال کیا گیا ہے۔

اب ہم منافقین زمانہ سے سوال پوچھتے ہیں کہ:-

(۱) قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ''جاننے والا'' اور ''علم والا'' کے معنوں میں لفظ ''علیم'' کا استعمال ہوا ہے اور اُسی معنی میں دوسروں کے لیے بھی لفظ ''علیم'' کا استعمال ہوا ہے۔ جس طرح تم ''قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ'' آیت کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہو، اسی طرح سورۂ یوسف کی دو اور سورۂ اعراف کی ایک یعنی مذکورہ تین آیات کے ظاہری لفظی معنوں کی بناء پر تم یہ کہو گے کہ زیادہ علم والے عالم کا علم اللہ تعالیٰ جیسا ہے؟ کیا ایسا کہنا جائز ہے؟

قارئین کرام کی معلومات کے لیے عرض ہے کہ بے شک قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ''علیم'' مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو بھی ضرور علیم کہا گیا ہے۔ لیکن اس میں فرق عظیم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ علیم یعنی جاننے والا اور علم والا ہے۔ یعنی اس کا علم ذاتی اور حقیقی ہے۔ وہ حقیقی علیم ہے۔ کیونکہ اس کا علم ابدی، ازلی، اور سرمدی ہے۔ مخلوق میں سے بعضوں کو ''علیم'' کہا گیا ہے۔ یعنی اس کا علم عطائی ہے۔ علیم ذاتی وحقیقی رب تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اسے علم عطا فرما کر ''علیم'' بنایا ہے۔ لہٰذا وہ مجازی اور عطائی علیم ہے۔ جب کہ

اللہ تعالیٰ حقیقی اور ذاتی علیم ہے۔ آیت کے لفظ "علیم" کے ظاہری اور لفظی معنی کی بناء پر ہرگز ہرگز مساوات وبرابری ثابت نہیں کی جاسکتی۔

دلیل نمبر:۶

اللہ تبارک وتعالیٰ کے بے شمار صفاتی ناموں سے دو نام (۱) سَمِیْعٌ یعنی سننے والا اور (۲) بَصِیْرٌ یعنی دیکھنے والا بھی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان دونوں صفاتی ناموں کا قرآن مجید کی متعدد آیات میں ذکر ہے مثلاً:۔

- "اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ ، بَصِیْرٌ" (پارہ:۲۸، سورۃ المجادلہ، آیت:۱)
(پارہ:۱۷، سورۃ الحج، آیت:۷۵)

ترجمہ:۔ "بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔" (کنز الایمان)

- "اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ" (پارہ:۳، سورۃ ال عمران، آیت:۳۵)

ترجمہ:۔ "بے شک تو ہی سنتا جانتا ہے" (کنز الایمان)

- "اِنَّہٗ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا ، بَصِیْرًا" (پارہ:۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت:۹۶)

ترجمہ:۔ "بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتا دیکھتا ہے۔" (کنز الایمان)

- اِنَّکَ کُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا" (پارہ:۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت:۳۵)

ترجمہ:۔ "بے شک تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔" (کنز الایمان)

مندرجہ بالا آیات مقدسہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے دو صفاتی نام "سَمِیْعٌ" اور "بَصِیْرٌ" مذکور ہوئے ہیں۔ ان آیات میں "سننے والا" کے معنی میں لفظ "سَمِیْعٌ" کا اور "دیکھنے والا" کے معنی میں لفظ "بَصِیْرٌ" کا استعمال کیا گیا۔ لیکن ان دونوں صفات سے عام انسان کو بھی قرآن میں متصف کیا گیا ہے۔ جیسا کہ:۔

- "اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْہِ فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا ، بَصِیْرًا" (پارہ:۲۹، سورۃ الدھر، آیت:۲)

ترجمہ:۔ "بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ وہ اسے جانچیں تو

اسے سنتا دیکھتا کردیا۔" (کنزالایمان)

سورۃ الدھر کی اس آیت میں "سنتا" اور "دیکھتا" کے معنی میں عام انسان کو "سَمِیْعٌ" اور "بَصِیْرٌ" کہا گیا ہے۔

اب ہم منافقینِ زمانہ سے سوال پوچھتے ہیں کہ:-

(۱) قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت "سَمِیْعٌ" اور "بَصِیْرٌ" بیان کی گئی ہے۔ سورۃ الدھر کی آیت نمبر:۲ میں مطلق انسان کو بھی "سَمِیْعٌ" اور "بَصِیْرٌ" کہا گیا ہے۔ لہٰذا جس طرح تم آیت مبارکہ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" کے ظاہری لفظی معنی کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہمسری اور مساوات ثابت کرتے ہو، کیا سورۃ الدھر کی آیت نمبر:۲ کی بنا پر بھی انسان مطلق کے لیے اللہ تعالیٰ سے مساوات اور برابری ثابت کروگے؟ اگر کوئی عقل کا مارا تمہارے نقش قدم پر چل کر سورۃ الدھر کی آیت نمبر۲ کے ظاہری لفظی معنی کی بناء پر یہ کہے کہ انسان دیکھنے اور سننے کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی مثل ہے، معاذ اللہ جیسے کہ تم کہتے ہو کہ "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" کی بنا پر ہم بشر ہونے کے معاملے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح ہیں۔ تو جو شخص عام انسان کے دیکھنے اور سننے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے مساوات اور برابری ثابت کرے، اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو "سَمِیْعٌ" اور "بَصِیْرٌ" کہا گیا ہے، اسی طرح عام انسان کو بھی "سَمِیْعٌ" اور "بَصِیْرٌ" کہا گیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ "سَمِیْعٌ" اور "بَصِیْرٌ" ہونے میں اور انسان کے "سَمِیْعٌ" اور "بَصِیْرٌ" میں کیا فرق ہے؟

(۳) اگر فرق ہے تو سورۃ الدھر کی آیت نمبر۲ کی کیا تاویل وتوضیح ہوگی؟ اگر سورۃ الدھر کی مذکورہ آیت کی تاویل کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے "سَمِیْعٌ" اور "بَصِیْرٌ" ہونے میں انسان کی مساوات اور برابری ناممکن، محال، اور خارج از امکان ثابت کی جائے گی۔ تو پھر "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" کی بھی تاویل کرکے حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بشر ہونے کے معاملہ میں ہمسری اور برابری محال اور غیر ممکن کیوں ثابت نہیں کی جائے گی؟

(۴) جب سورۃ الدھر کی آیت نمبر ۲ کے ظاہری لفظی معنی کو سند اور دلیل بنا کر سننے اور دیکھنے کے معاملہ میں اللہ کے ساتھ انسان کی مساوات وہمسری ثابت نہیں کی جاسکتی تو پھر کیا وجہ ہے کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" کے ظاہری لفظی معنی کو دلیل بنا کر بشر ہونے کے معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتے ہو؟ اور حضور اکرم کو اپنے جیسا بشر کیوں ثابت کرتے ہو؟

ناظرین کرام توجہ فرمائیں کہ سورۃ الدھر میں انسان کو ''سَمِیْعٌ'' اور ''بَصِیْرٌ'' کہا گیا ہے۔ وہ مجازاً کہا گیا ہے۔ اس آیت کو سند یا دلیل بنا کر قطعاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کی مساوات ثابت نہیں کی جاسکتی۔ سورۃ الدھر کی مذکورہ آیت کی تاویل کرنا ضروری اور لازمی ہے اور حقیقت ومجاز کا فرق کرنا اشد ضروری ہے۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ حقیقی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اور اس کی عطا اور فضل وکرم سے انسان بھی سننے اور دیکھنے والا ہے۔ اللہ کی صفت ''سَمِیْعٌ'' اور ''بَصِیْرٌ'' اس کی مقدس ذات کی طرح ازلی، ابدی سرمدی، دائمی، باقی، غیر فانی، حقیقی، ذاتی، دوامی، جاودانی، قدیمی، مستقل، غیر حادث، برقرار، کامل، اکمل، اور غیر منقصت ہے جب کہ انسان کی سماعت وبصارت غیر ازلی، غیر ابدی، غیر سرمدی، غیر دائمی، غیر باقی، فانی، مجازی، عطائی، غیر دوامی، غیر جاودانی، عارضی، حادث ناقص، اور منقصت ہے۔

اگر قرآن مجید کی آیات کے صرف ظاہری معنی اور لفظی ترجمہ کو ہی آدمی لپٹا اور چپٹا رہے گا تو بجائے ہدایت کے گمراہیت کے دلدل میں پھنس جائے گا۔ لہٰذا قرآن مجید کی آیات کے انداز بیان، حقیقت ومجاز کا فرق اور دیگر ضروری امور جو بالتفصیل اوراق سابقہ میں مذکور وبیان ہوئے ہیں ان کا التزام ضروری ہے۔ صحیح قرآن فہمی کے بغیر قرآن بیانی کے جوہر دکھانا ایمان کے لیے مہلک ہے۔ اگر ایمان اور محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ سے قرآن پڑھا جائے گا تو نور ایمان کی ضیائیں حاصل ہوں گی۔ اور عداوتِ رسول کی فاسد نظر اور بغض

جونی کی قبیح نیت سے اگر قرآن پڑھا جائے گا تو ایمان کا چراغ گل ہو جائے گا اور گمراہیت و بے دینی کی تاریکی و ظلمت میں بھٹکتا رہے گا۔ بے شک! قرآن مجید ہدایت ہے لیکن جو محبت رسول کی نگاہ سے قرآن پڑھتے ہیں، ان کے لیے ہی قرآن ہدایت ہے اور جو رسول دشمنی اور نبی کی عداوت کی حاسد اور فاسد نظر سے قرآن پڑھتے ہیں ان کو قرآن سے ہرگز ہدایت نہیں مل سکتی بلکہ وہ قرآن سے ہی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا

(پارہ:۱، سورۃ البقرہ، آیت:۲۶)

ترجمہ:۔ ''اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔''

(کنزالایمان)

تفسیر:۔ ''یعنی قرآن میں دی گئی مثالوں سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے جن کی عقلوں پر جہل نے غلبہ کیا ہے اور جن کی عادت مکابرہ و عناد ہے اور جو امر حق اور کھلی حکمت کے انکار و مخالفت کے خوگر ہیں اور باوجودیکہ یہ مثل نہایت ہی برمحل ہے پھر بھی انکار کرتے ہیں۔ اور اس سے اللہ بہتوں کو ہدایت فرماتا ہے سے مراد یہ ہے کہ جو غور اور تحقیق کے عادی ہیں اور انصاف کے خلاف بات نہیں کہتے۔ وہ جانتے ہیں کہ حکمت یہی ہے کہ عظیم المرتبہ چیز کو تمثیل کسی قدر والی چیز سے دی جائے اور حقیر چیز کی تمثیل کسی ادنیٰ چیز سے دی جائے۔'' (تفسیر خزائن العرفان، ص:۸)

سورۃ البقرہ کی مندرجہ بالا آیت کی تفصیلی وضاحت نہ کرتے ہوئے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ قرآن مجید کو صحیح معنی، مطلب اور مراد میں سمجھنے کے لیے وسیع علم درکار ہے۔ صرف لفظی ظاہری معنی کی معلومات حاصل ہو جانے پر آدمی یہ گمان کرے کہ میں قرآن فہمی کے فن میں ماہر اور کامل ہو گیا ہوں۔ تو ایسا شخص گمراہ ہو جائے گا جیسا کہ دورِ حاضر کے منافقین گمراہ ہوئے ہیں۔
دورِ حاضر کے منافقین کی گمراہیت، ضلالت اور بے دینی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہر معاملے کو تنگ نظری سے دیکھا اور اسلام کے [illegible] النظر [illegible] کو بھی تنگ کر دیا۔ حقیقت اور مجاز

کا فرق کرنے کے بجائے ہر معاملے کو حقیقت پر محمول کیا اور توحید پرستی کے غلط وہم وگمان میں انبیائے کرام اور خصوصاً سید الانبیاء والمرسلین کی عالی بارگاہ میں توہین و تنقیص کر کے خود ہی دائرۂ اسلام سے باہر ہوگئے۔ مثلاً انبیائے کرام اور خصوصاً سید الانبیاء والمرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے علم، اختیارات، تصرف، خبرگیری، دستگیری، حاضر وناظر وغیرہ خصائص سے صرف اس بناء پر منکر ومنحرف ہوئے کہ اگر اللہ کے لیے بھی علم غیب مانا جائے اور رسول اللہ کے لیے بھی علم غیب مانا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مساوات وہمسری ہوگئی اور یہ کھلم کھلا شرک ہے۔ انہوں نے حقیقت ومجاز کا فرق نہیں سمجھا اور نہ ہی اس فرق کو سمجھنے کی کوشش کی بلکہ صرف حقیقت پر معاملہ محمول کر کے شرک کا بے دھڑک فتویٰ صادر کر دیا۔ اگر ہر معاملہ کو حقیقت پر ہی محمول کرنے کی تنگ نظری اور عصبیت سے کام لیا جائے تو پھر کسی شخص کا ایمان محفوظ نہیں رہے گا۔ کیونکہ:-

قرآن مجید میں ہے کہ:-

- اللہ بھی "مُؤْمِنٌ" ہے اور مسلمان بھی "مُؤْمِنٌ" ہے (دیکھو دلیل نمبر ۱، ص:۲۴۳)
- اللہ "رَؤُفٌ" اور "رَحِیْمٌ" ہے اور رسول اللہ بھی "رَؤُفٌ" اور "رَحِیْمٌ" ہیں۔ (دیکھو دلیل نمبر ۲، ص:۲۴۵)
- اللہ تعالیٰ "شَہِیْدٌ" (گواہ) ہے اور رسول اللہ بھی "شَہِیْدٌ" (گواہ) ہیں۔ (دیکھو دلیل نمبر ۲ ص:۲۴۵)
- اللہ تعالیٰ "رَبّ" ہے اور ماں باپ کو بھی "رَبّ" کہا گیا ہے۔ (دیکھو دلیل نمبر ۳، ص:۲۴۷)
- اللہ تعالیٰ "کَرِیْمٌ" ہے اور قرآن میں (۱) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، (۲) حضرت جبرئیل علیہ السلام (۳) اجر وثواب (۴) فرعونیوں کے آراستہ پیراستہ اور مزین مکانات (۵) ابوجہل اور کفار (۶) عمدہ اقسام کی سبزیاں اور ترکاریاں (۷) فرشتہ (۸) جنت (۹) عرش اعظم (۱۰) رزق وغیرہ کو بھی "کَرِیْمٌ" کہا گیا ہے۔

(دیکھو دلیل نمبر ۴ ص:۲۴۹ تا ۲۵۸)

⊙ اللہ تعالیٰ "عَلِیْمٌ" (جاننے والا، علم والا) ہے۔ اور قرآن مجید میں (۱) حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام (۲) فرعون کے جادوگروں (۳) بڑے علم والے وغیرہ کو بھی "عَلِیْمٌ" کہا گیا ہے۔

(دیکھو دلیل نمبر ۵ ص: ۲۶۱/۲۵۸)

⊙ اللہ تعالیٰ "سَمِیْعٌ" (سننے والا) اور "بَصِیْرٌ" (دیکھنے والا) ہے۔ لیکن قرآن مجید میں مطلق انسان کو "سَمِیْعٌ" اور "بَصِیْرٌ" کہا گیا ہے۔

علاوہ ازیں چند اُن اُمور کی طرف بھی توجہ فرمائیں کہ ہم روزمرہ کی بول چال میں اللہ تعالیٰ کی چند صفات کا اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں پر بلا جھجک اطلاق کرتے ہیں۔ مثلاً:- (بہت ہی اختصاراً)

⊙ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو "مولانا" کہا گیا ہے۔

(۱) "اَنْتَ مَوْلٰنَا" (پارہ: ۳، سورۃ البقرہ، آیت: ۲۸۶) ترجمہ:- "تو ہمارا مولیٰ ہے" (کنز الایمان)

(۲) "ھُوَ مَوْلٰنَا" (پارہ: ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت: ۵۱) ترجمہ:- "وہ ہمارا مولیٰ ہے۔" (کنز الایمان)

(۳) "ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" (پارہ: ۲۶، سورۂ محمد، آیت: ۱۱، ترجمہ:- "یہ اس لیے کہ مسلمان کا مولیٰ اللہ ہے۔" (کنز الایمان)

لیکن ہم مسجد کے امام کو، مدرسے کے معلم کو، وعظ کہنے والے مقرر کو، نکاح پڑھانے والے کو، اور دیگر اشخاص کو "مولانا" یا "مولانا صاحب" کہہ کر پکارتے ہیں یا مخاطب کرتے ہیں۔

⊙ اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام "حَیٌّ" (زندہ) بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:-

(۱) "ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" (پارہ: ۳، سورۃ البقرہ، آیت: ۲۵۵) (پارہ: ۳، سورۃ آل عمران، آیت: ۲) ترجمہ:- "وہ آپ زندہ اوروں کا قائم رکھنے والا" (کنز الایمان)

لیکن ہر جاندار جو موت کی آغوش میں نہیں گیا اور بقید حیات ہے اس کو ہم "حیّ" بمعنی زندہ کہتے ہیں۔ مثلاً میں زندہ ہوں، میرے دادا بزرگوار زندہ ہیں، بکری کا بچہ زندہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

ایسی تو متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جیسے کہ (۱) اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام "حکیم" ہے لیکن مریضوں اور بیماروں کا علاج کرنے والے کو ہم "حکیم" یا "حکیم صاحب" کہتے ہیں۔ (۲) اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام "حاکم" (حکومت والا) ہے لیکن ہم حکومت کے صاحب اقتدار افسران اور عہدہ داروں کو "حاکم" کہتے ہیں۔ (۳) اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام "مصوّر" (صورت دینے والا / بنانے والا) ہے لیکن جانداروں کی تصویریں بنانے والے پینٹر (Painter) کو ہم "مصوّر" کہتے ہیں۔ (۴) اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام "ناصر" (مددگار) ہے لیکن کسی کی مدد کرنے والے سخی اور فیاض شخص کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ یہ شخص غریبوں کا "ناصر" یعنی مددگار ہے۔ وغیرہ وغیرہ

جب ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کو ان صفات عالیہ سے مخلوق کی طرف منسوب کرتے ہیں تب ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ مخلوق کی یہ صفات عطائی اور مجازی ہیں۔ حقیقت و مجاز اور ذاتی و عطائی کا فرق کرنے سے تمام اعتراضات واختلافات رفع دفع ہو جاتے ہیں۔ حقیقی اور مجازی کا فرق کر دینے سے شرک کے خطرے کی گھنٹی نہیں بجے گی۔ تو اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر غیب کا جاننے والا ہے۔ اس کا علم ذاتی ہے اور اللہ نے اپنے محبوب اعظم کو اپنی عطا و کرم سے غیب کا علم عطا فرمایا ہے اور اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی عطائے خاص سے "عَالِمُ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ" بنایا ہے تو اس میں شرک کا الارم (Alarm) اور گھنٹا بجا کر شور و غوغا کیوں مچایا جاتا ہے؟

الحاصل! اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات مثلاً علیم، کریم، مؤمن، رؤف، رحیم، سمیع، بصیر، مولانا، حیّ، حکیم، حاکم، ناصر وغیرہ کا مخلوق پر مجازاً اطلاق کرنے کے باوجود بھی خالق اور مخلوق میں کسی قسم کی مساوات وہمسری ثابت نہیں کی جا سکتی۔ ہمسری ثابت کرنا تو دُور کی بات ہے ایسا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا بندوں پر قرآن میں ہی اطلاق

کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود بھی ہمسری اور برابری کا کوئی امکان بلکہ امکان کا بلکہ سا شائبہ بھی نہیں بلکہ حقیقت ومجاز اور ذاتی وعطائی کے فرق کے تحت اُن آیات کی مناسب تاویل کی جائے گی۔ اسی طرح "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت کے ظاہری اور لفظی معنی کی بنا پر ہرگز ہرگز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ہمسری اور برابری کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

حضورِ اقدس ﷺ کیسے بشر تھے؟

حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم فرمایا کہ "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی اے محبوب! تم فرماؤ کہ ظاہری صورت بشری میں یعنی انسان ہونے میں یعنی آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں" اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کریم کے حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے ضرور یہ فرمایا ہے کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" لیکن یہ ارشاد کیوں فرمایا، کن کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اس کی کیا وجہ تھی، ان تمام باتوں کی تفصیلی بحث ہم نے اوراق سابقہ میں کردی ہے۔ اوراق سابقہ میں ہم نے ایک ضروری وضاحت یہ بھی کردی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔ جس کے ظاہری لفظی معنوں کو سند یا دلیل نہیں بنا سکتے بلکہ اس کی مناسب تاویل وتوضیح کرنی ضروری ہے۔ لیکن دورِ حاضر کے

منافقین بارگاہ رسالت میں بے ادبی اور گستاخی کرنے کے لیے ہمیشہ آیات متشابہات ہی پیش کرتے ہیں اور ان کے من گھڑت معنی اور مفہوم بیان کرتے ہیں اور یہاں تک لکھ دیتے ہیں کہ:-

> ''انبیاء واولیاء، وامام زادے، پیروشہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور عاجز بندے ہیں۔''
>
> حوالہ:- ''تقویۃ الایمان'' مصنف:- مولوی اسمٰعیل دہلوی، ناشر:- دار السلفیہ، ممبئی ص:۹۹

منافقین زمانہ کے امام اول فی الہند ملا اسماعیل دہلوی نے تمام انبیاء واولیاء یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام مقرب بندوں کے لیے یہ کہا کہ ''وہ سب انسان ہیں اور عاجز بندے ہیں''۔ اس جملے کو غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ تمام انبیائے کرام میں حضور اقدس، سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی شمار ہو گیا۔ امام المنافقین کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''بشر'' یعنی انسان کہنے کا کتنا شوق ہے کہ صرف ''انسان ہیں'' نہیں لکھا بلکہ ''انسان ہی ہیں۔'' کا جملہ لکھا ہے۔ لفظ انسان کے ساتھ ''ہی'' کی اضافت کر کے انسان ہونے کی بات کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ بلکہ آگے چل کر بے ادبی کی جرأت و بے باکی کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ ''اور عاجز بندے ہیں'' اب ہم لفظ ''عاجز'' کے معنی لغت میں دیکھیں:-

⊙ عاجز:- ⊙ کمزور ⊙ بے بس ⊙ مجبور ⊙ لاچار ⊙ جس سے کچھ نہ ہو سکے ⊙ مغلوب ⊙ تھکا ماندہ ⊙ غریب ⊙ مسکین ⊙ مایوس ⊙ ناامید

(حوالہ- (۱) فیروز اللغات، ص ۸۸۷ (۲) لغات کشوری، ص ۴۸۹ (۳) کریم اللغات، ص: ۱۰۷)

لفظ ''عاجز'' کے جتنے بھی معنی ہم نے لغات سے نقل کیے ہیں، ان میں سے کسی ایک معنی میں بھی لفظ ''عاجز'' کو انبیائے کرام اور سید الانبیاء والمرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام

کے لیے استعمال کرنا گستاخی اور بے ادبی ہے۔ دورِ حاضر کے منافقین توہین و تنقیص انبیائے کرام کے معاملے میں زمانہ ماضی کے منافقین پر بھی سبقت لے گئے ہیں۔ زمانہ ماضی کے صرف منافقین ہی نہیں بلکہ زمانہ ماضی کے کفار، مشرکین، یہود و نصاریٰ سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔ کیونکہ زمانہ ماضی کے گستاخ انبیائے کرام کو صرف "بشر" کہتے تھے جب کہ دورِ حاضر کے گستاخ "عاجز بشر" کہتے ہیں۔

اب ہم ناظرین کرام کی خدمت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی "بشریت" کے تعلق سے ایمان افروز بحث کا آغاز کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے شک بشکل بشری دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ آپ کے بشر ہونے کا اہل سنت و جماعت کو قطعاً انکار نہیں۔ لیکن آپ کی ذات مقدسہ کوئی معمولی بشریت کی متحمل نہ تھی بلکہ آپ "نوری بشر" تھے۔ آپ کی نوری بشریت پر نوع بنی آدم کو ناز ہے۔ آپ کی پیدائش نور سے ہے بلکہ آپ سراپا نور ہیں لیکن آپ کا بنی نوع انسان پر احسان و کرم ہے کہ آپ نے اپنے نورانی وجود کو بشریت کے جامے میں مستور فرما کر بشکل انسان ہمارے درمیان جلوہ فرما ہو کر اپنے نورانی جلوے سے بہرہ مند فرمایا۔

"حضور اقدس کی نورانی بشریت"

حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشکل انسان دُنیا میں ضرور تشریف لائے لیکن آپ ہمارے تمہارے جیسے بشر نہ تھے بلکہ آپ ایسے نوری بشر تھے کہ آپ جیسا بشر اللہ نے دوسرا کوئی نہ پیدا فرمایا ہے اور نہ پیدا فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نور سے اپنے حبیب اکرم کے نور کو پیدا فرمایا ہے ذیل میں ایک طویل حدیث پیش خدمت ہے:-

حدیث:-

امام اجل سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور سیدنا امام احمد بن حنبل رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ اور امام بخاری وامام مسلم کے استاذ الاستاذ یعنی حافظ الاحادیث، احد الاعلام، محدث عبدالرزاق ابو بکر بن ہمام نے اپنی مشہور کتاب "مصنف" میں حضرت سیدنا وابن سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ:۔

"قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَخْبِرْنِيْ عَنْ اَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَبْلَ الْاَشْيَاءِ ۞ قَالَ يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ ۞ فَجَعَلَ ذَالِكَ النُّوْرَ يَدُوْرُ بِالْقُدْرَةِ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ۞ وَلَمْ يَكُنْ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَّ لَا قَلَمٌ وَّ لَا جَنَّةٌ وَ لَا نَارٌ وَّ لَا مَلَكٌ وَّ لَا سَمَاءٌ وَّ لَا اَرْضٌ وَّ لَا جِنِّيٌّ وَّ لَا اِنْسِيٌّ ۞ فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَّخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَمَ ذَالِكَ النُّوْرَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ ۞ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْقَلَمَ وَ مِنَ الثَّانِى اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ۞ ثُمَّ قَسَمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ ۞ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ حَمَلَةَ الْعَرْشِ وَ مِنَ الثَّانِيْ الْكُرْسِيَّ وَ مِنَ الثَّالِثِ بَاقِيَ الْمَلٰئِكَةِ ۞ ثُمَّ قَسَمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ ۞ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ السَّمٰوٰتِ وَ مِنَ الثَّانِيْ الْاَرَضِيْنَ وَ مِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ ۞ ثُمَّ قَسَمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ" (الخ الحديث بطوله)

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان، مجھے بتا دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا چیز بنائی؟ ۞ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر! بے شک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ ۞ وہ نور قدرت الٰہی سے جہاں خدا نے چاہا دورہ کرتا رہا۔ اس وقت لوح

وقلم، جنت ودوزخ، فرشتے، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن، آدمی کچھ نہ تھا۔ ⊙ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمانا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے۔ ⊙ پہلے حصے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش بنایا۔ ⊙ پھر چوتھے حصے کے چار حصے کیے۔ ⊙ پہلے حصے سے عرش کو اٹھانے والے فرشتے، دوسرے سے کرسی اٹھانے والے فرشتے اور تیسرے سے باقی تمام فرشتے بنائے۔ ⊙ پھر اس چوتھے حصے کے چار حصے بنائے ⊙ پہلے حصے سے آسمانوں کو، دوسرے سے زمینیں اور تیسرے سے جنت ودوزخ بنائے۔ ⊙ پھر اس چوتھے حصے کے چار حصے کیے" = آخر حدیث تک =

(بحوالہ:- "صَلَاتُ الصَّفَا فِیْ نُوْرِ الْمُصْطَفٰی" مصنف:- اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا محدث بریلوی، ص:۳)

اس حدیث کو مندرجہ ذیل جلیل القدر ائمہ ملت اسلامیہ نے اپنی معرکۃ الآراء اور معتمد ومستند کتب میں صحیح اسناد سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو حسن، صالح، مقبول اور معتمد کہا ہے۔

(۱) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی نے "دَلَائِلُ النُّبُوَّۃ" میں،

(۲) امام احمد بن محمد المصری القسطلانی نے "مَوَاھِبُ اللَّدُنِیَّہ عَلَی الشَّمَائِلِ الْمُحَمَّدِیَّۃ" میں،

(۳) امام ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی مکی نے "اَفْضَلُ الْقُرٰی" میں،

(۴) امام علامۃ الشمس محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی نے "شَرْحِ مَوَاھِبُ اللَّدُنِیَّۃ" میں،

(۵) علامہ حسین بن محمد بن حسن دریا بکری نے "اَلْخَمِیْس فی احوال النفس نفیس" میں

(۶) علامہ فاسی نے "مَطَالِعُ المَسرَّات" میں،

(۷) شیخ محقق، شاہ محمد عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک محدث دہلوی نے "مَدَارِجُ النَّبُوَّة" میں،

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نور سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا ہے۔ اور پوری کائنات کو حضور اقدس کے نور سے پیدا فرمایا ہے۔ اس حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ جب لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتے، چاند، سورج، زمین، آسمان، جنات، انسان، وغیرہ یعنی کائنات کی کسی بھی چیز کا وجود نہ تھا اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہی تھی۔ تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ جس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ نور مصطفیٰ کی تخلیق نور الٰہی سے ہوئی۔ اللہ کی ذات کے سوا جب کچھ نہ تھا اور خالق کائنات، رب تبارک وتعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اپنے محبوب اعظم واکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو اس لیے پیدا فرمایا کہ:-

حدیث قدسی:- اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

"كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ"

ترجمہ:- "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ پس مجھے اس امر سے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا"

اس حدیث قدسی کی تشریح میں علامہ امام عبدالکریم الجیلی لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تب یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی کہ حادث ہونے کی وجہ سے مخلوق میرے ذات کی معرفت حاصل نہ کر سکے گی، لہٰذا:-

" فَخَلَقَ مِنْ تِلْكَ الْمَحَبَّةِ حَبِيْبًا اِخْتَصَّهٗ التَّجَلِّيَاتِ ذَاتِهٖ وَخَلَقَ الْعَالَمَ مِنْ ذَالِكَ الْحَبِيْبِ لِنَصَّحِ النِّسْبَةَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ خَلْقِهٖ [illegible]

ترجمہ:۔ ''تو اس نے اس محبت سے اپنے حبیب کو پیدا فرمایا اور اپنے حبیب کو اپنی ذات کی تجلیوں کے فیض سے مخصوص فرمایا۔ اور اپنے حبیب سے تمام عالم کو پیدا فرمایا تاکہ وہ حبیب خالق اور مخلوق کے درمیان نسبت (واسطہ) بن جائے اور مخلوق اس حبیب کی نسبت سے اپنے خالق کی معرفت پا سکے۔''

(حوالہ:۔ جواہر البحار، (عربی) جلد: ۱، ص: ۲۳۹)

حدیث:۔ امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس، جان عالم و رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وَمِنْ نُوْرِیْ خَلَقَ جَمِیْعَ الْکَائِنَاتِ"

ترجمہ:۔ ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا، پھر میرے نور سے تمام کائنات کو پیدا کیا۔'' (حوالہ:۔ بیان المیلاد النبوی (عربی) ص: ۲۴)

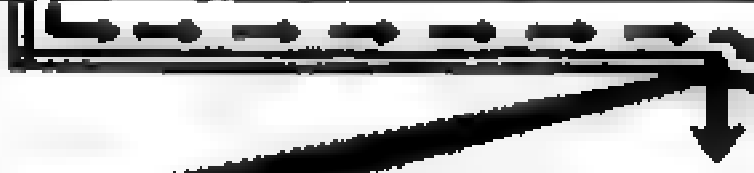
ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا گیا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے پوری کائنات پیدا کی گئی ہے۔ مندرجہ بالا حدیث نبوی کے قبل جو حدیث شریف پیش کی گئی ہے اس حدیث نبوی شریف میں نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا کیا چیزیں اور کس طرح پیدا کی گئی ہیں، اس کا ذکر ہے۔ اس کو ایک نظر میں سمجھنے کے لیے ذیل کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں:۔

نورِ مصطفیٰ

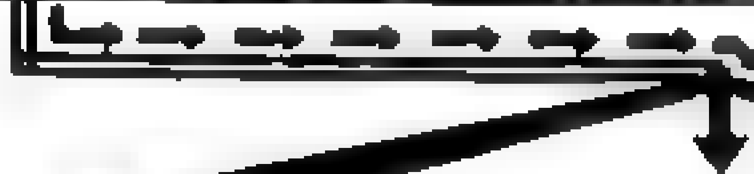
(۱)	(۲)	(۳)	(۴)
قلم	لوح	عرش	چار حصے کیے



(۱)	(۲)	(۳)	(۴)
عرش اٹھانے والے فرشتے	قلم اٹھانے والے فرشتے	باقی تمام فرشتے	چار حصے کیے



(۱)	(۲)	(۳)	(۴)
تمام آسمان	تمام زمینیں	جنت اور دوزخ	چار حصے کیے



آخری حدیث تک یعنی اسی ترتیب سے ہر چوتھے حصہ کے چار حصے ہوتے گئے
اور پوری کائنات وجود میں آئی

اس نقشے سے قارئین کرام اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ نور مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کس طرح حصص ہوئے اور کون سے حصہ سے کیا چیز بنی، الغرض لوح وقلم، عرش وکرسی، جنت ودوزخ، زمین وآسمان، چاند، سورج وستارے، فرشتے اور تمام مخلوق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور پاک کے صدقے میں ظہور میں آئی ہے۔ بقول:-

ہے انہیں کے نور سے سب عیاں، ہے انہیں کے جلوہ میں سب نہاں
بنے صبح تابش مہر سے ، رہے پیش مہر یہ جاں نہیں
(از:- امام عشق ومحبت، حضرت رضا بریلوی)

کائنات کی کوئی بھی شئی اپنے وجود میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طفیلی اور خیراتی ہونے سے خارج نہیں۔ پوری کائنات حضور اقدس کے نور کے طفیل و بدولت ہی وجود میں آئی ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہی کائنات کو وجود بخشا ہے۔

حدیث قدسی:- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رب تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ "مجھے اپنی ذات کی قسم! میں نے دنیا اور اہل دنیا کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ:-

"لِاُعَرِّفَهُمْ كَرَامَتَكَ وَمَنْزِلَتَكَ عِنْدِيْ وَلَوْ لَاكَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا"

ترجمہ:- "تاکہ انہیں آپ کی اس عظمت وکرامت اور منزلت ومرتبت سے آگاہ کروں جو میرے یہاں ہے، اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو میں دنیا پیدا نہ کرتا۔" (حوالہ:- "خصائص کبریٰ فی المعجزات خیر الوریٰ" (عربی)

از:- علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، جلد:۱، ص:۱۹۳)

حدیث قدسی:- حضرت علامہ علی بن سلطان محمد ہروی قاری مکی حنفی المعروف بہ ملا علی قاری اپنی کتاب میں "دیلمی" کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام دیا کہ:-

"یَا مُحَمَّدُ لَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّۃَ وَلَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ النَّارَ
وَفِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عَسَاکِرَ لَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا"

ترجمہ :- "اے حبیب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہ کرتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔" اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ "اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔"

(حوالہ :- موضوعات کبیر، ص:۵۹)

مذکورہ روایت سے ملتی جلتی بہت سی روایت ملت اسلامیہ کے جلیل القدر ائمہ اور علماء کی کتب معتمدہ و معتبرہ مثلاً ⊙ علامہ زرقانی کی "شرح المواھب اللدنیہ" ⊙ قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو اندلسی کی "الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ" ⊙ امام جلال الدین سیوطی کی "الخصائص الکبریٰ" ⊙ شاہ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی "مدارج النبوۃ" ⊙ شرح الشفاء ⊙ مکتوبات امام ربانی ⊙ عرائس البیان ⊙ جواہر البحار وغیرہ کتب میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ایک روایت میں تو یہاں تک وارد ہے کہ :-

"لَوْلَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرُّبُوْبِیَّۃَ" یعنی "اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو میں اپنے رب ہونے کا اظہار نہ کرتا۔"

الحنصر! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس نور ہی کی پوری کائنات میں ضیا باریاں ہیں۔ کائنات کی ہر شئی اپنے وجود اور بقا کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کی مرہون منت اور احسان مند ہے۔ اگر حضور اقدس کی ذات گرامی نہ ہوتی تو کائنات کا وجود تک نہ ہوتا۔ بقول :-

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

(از :- امام عشق محبت، حضرت رضا بریلوی)

قرآن میں حضورِ اقدس کو "نور" کہا گیا ہے:-

"قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت کریمہ کے ظاہری لفظی معنی سے غلط استدلال کر کے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے والوں میں غیرت کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسے ناشائستہ جملے کبھی نہ کہتے کیوں کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کا خطاب کفار اور مشرکین سے ہے کیونکہ کفار و مشرکین کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ وہ ہر زمانہ میں اپنے نبی کو اپنے جیسا بشر کہتے آئے ہیں۔ لہٰذا ان سے "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" فرمایا گیا ہے۔ کسی بھی نبی کے کسی بھی مومن امتی نے اپنے نبی کو "بشر" نہیں کہا لہٰذا مومنین سے یہ فرمایا گیا ہے کہ:-

"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ"

(پارہ:۶، سورۃ المائدہ، آیت:۱۵)

ترجمہ:- "بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب"
(کنز الایمان)

تفسیر:- اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین محمد بن عمر بن عمر رازی شافعی المتوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں کہ:-

"اَلْمُرَادُ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدٌ وَّ بِالْكِتٰبِ قُرْاٰنٌ" یعنی "اس آیت میں نور سے مراد حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔" (تفسیر کبیر، پارہ:۶، ص:۱۸۹)

اس آیت کے علاوہ دیگر آیت میں بھی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "نور" فرمایا گیا ہے۔ اہل ذوق حضرات مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر کی طرف رجوع فرمائیں:-

- پارہ:۱۰، رکوع:۱۱، سورۃ التوبہ، آیت:۳۲،
- پارہ:۱۸، رکوع:۱۱، سورۃ النور، آیت:۳۵،
- پارہ:۲۲، رکوع:۳، سورۃ الاحزاب، آیت:۴۵و۴۶،

⊙ پارہ:۲۸، رکوع:۹، سورۃ الصف، آیت:۸۔

⊙ **قرآن میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی واضح دلیل ہیں:-**

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ"

(پارہ:۶، سورۃ النساء، آیت:۱۷۴)

ترجمہ:- "اے لوگو! بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی۔" (کنز الایمان)

تفسیر:- واضح دلیل سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے، جن کے صدق پر ان کے معجزے شاہد ہیں اور منکرین کی عقلوں کو حیران کردیتے ہیں۔" (تفسیر خزائن العرفان، ص:۱۹۰)

اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "بُرْهَانٌ رَّبّ" یعنی "اللہ کی دلیل" کے معزز، مقرب اور معظم لقب سے ملقب فرمایا گیا ہے۔ اسی ایک لقب سے ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام اختیارات وکمالات ثابت ہوجاتے ہیں۔ اہل دانش اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ دلیل کا قوی یعنی مضبوط ہونا یا دلیل کا ضعیف یعنی کمزور ہونے کا انحصار دلیل والے یعنی صاحب دلیل پر ہے یعنی دلیل کرنے والا جتنا قوی ہوگا، اتنی ہی قوی اس کی دلیل ہوگی اور اگر صاحب دلیل ضعیف ہے تو اس کی دلیل کمزور یعنی عاجز ہوگی۔ مشاہدے کے طور پر بڑے اور نامور وکیل کی دلیلیں قوی اور مضبوط ہوتی ہیں۔ اس وکیل کے وسیع علم کی بنا پر اس کی دلیلیں اتنی زیادہ قوی اور مضبوط ہوتی ہیں کہ مقدمہ میں کامیابی اور فتح حاصل ہوتی ہے جب کہ چھوٹے اور ناتجربہ کار نو تعلیم یافتہ کی دلیلیں کمزور اور عاجز ہوتی ہیں۔ بڑے اور تجربہ کار مشہور وکیل کے متعلق کوئی نہیں کہتا کہ اس کی دلیل کمزور یعنی عاجز ہیں۔ بلا تمثیل

وحیثیل جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "اللہ کی دلیل" ہیں، تو اللہ کی دلیل کبھی بھی "عاجز" نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے۔ وہ "عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" ہے۔ اس کی قدرت اور طاقت سب سے بڑھ کر ہے۔ اس کی قدرت اور طاقت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ایسا قادر مطلق ہے کہ اس کے ایک حکم "کُنْ" سے یعنی "ہو جا" فرمانے سے ہی "فَیَکُوْنُ" یعنی "سب کچھ ہو جاتا ہے۔" اس رب العٰلمین، رب قدیر، قادر مطلق، قوی، باسط، حافظ، حفیظ، ناصر، نصیر، حیّ، قیوم، لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ، اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ" اور مالک ومولیٰ کی دلیل کبھی "عاجز" ہو سکتی ہے؟ اگر کوئی سر پھرا شریر اللہ کی دلیل کو "عَاجِز" کہتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں توہین اور گستاخی کرتا ہے۔ کیونکہ دلیل کو "عَاجِز" کہنا صاحب دلیل کو عجز سے معیوب کرنے کے مترادف ہے۔

امام منافقینِ زمانہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ اور مہلک ایمان کتاب "تقویۃ الایمان" کے صفحہ نمبر ۹۹ پر تمام انبیائے کرام کو معاذ اللہ "عاجز" لکھ کر انبیائے کرام کی شان وعظمت گھٹانے کے زعم اور مغالطہ میں درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں گستاخی وبے ادبی کر ڈالی ہے۔ کیونکہ تمام انبیائے کرام میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی آگئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں "بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ" یعنی "تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل" فرمایا ہے۔ رب کی دلیل اس کی قدرت کے مطابق قوی ہی ہوتی ہے۔ رب قوی کی دلیل کبھی بھی کمزور اور عاجز نہیں ہو سکتی۔ رب کو عاجز کہنے والا در پردہ اور فی الحقیقت رب قوی وقدیر کو ہی عاجز کہہ رہا ہے۔ بلکہ رب تعالیٰ کو ناراض کر کے اس کے قہر، عذاب، غضب اور عتاب کا مستحق بن رہا ہے۔ منافقینِ زمانہ کا یہ وتیرہ اور طریقہ ہمیشہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کے لیے اللہ کے مقرب اور محبوب بندوں کی شان گھٹانا اور ان کی شان گھٹا کر یہ اطمینان باطل حاصل کرنا کہ ہم نے اللہ کی شان بہت بڑھا دی اور اللہ کی تعریف کرنے کا حق ادا کر دیا لیکن یہ سب ان کا خوابی خیال ہے۔ جو ہباءً منثوراً کی طرح کافور ہو جائے گا۔ کیونکہ کسی کی دلیل کو عاجز کہنا اور پھر یہ گمان کرنا کہ میں

نے اس کی تعریف کردی نری بے وقوفی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ماہر اور کہنہ مشق تجربہ کار وکیل سے یہ کہے کہ جناب میں آپ کے علم اور آپ کی ذہانت کا قائل ہوں لیکن آپ کی دلیلیں کمزور و عاجز ہیں، تو کیا اس نے اس ماہر وکیل کی تعریف کی ہے یا توہین؟ اس شخص کی زبانی ایسی بات سن کر وہ وکیل اس سے خوش ہوگا؟ بلا مثال و تمثیل اگر کوئی منافق اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور لامحدود طاقت کا تو اعتراف کرتا ہو مگر اللہ کی ''دلیل'' کو کمزور اور عاجز کہتا ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد و ثنا کی ہے یا توہین و گستاخی و بے ادبی کی ہے؟ کیا ایسے منافق کی ایسی بات سے اللہ تعالیٰ کبھی خوش ہوگا؟ ہرگز نہیں بلکہ اس پر اپنا غضب و عتاب نازل فرمائے گا۔

ایک اہم نکتہ کی جانب بھی قارئین کرام کی توجہ ملتفت کرنا بھی ضروری ہے کہ سورۃ المائدہ کی مذکورہ آیت کی ابتداء میں "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ" کا کلمہ وارد ہے یعنی ''اے لوگو!'' یعنی یہ خطاب تمام انسانوں سے ہے۔ تمام انسانوں میں مومن، کافر، مشرک، مرتد، منافق، یہود، نصاریٰ وغیرہ سب آگئے۔ یہ خطاب صرف مومنین سے نہیں بلکہ تمام نوع بنی آدم سے ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ "عَلِیْمٌۢ بِمَا فِی الصُّدُوْرِ" ہے۔ سینہ میں چھپی ہوئی مخفی بات سے بھی وہ خبردار ہے اور قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں کے ہر ہر حال سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ بظاہر کلمہ پڑھنے والے اور حقیقت میں گستاخ ایسے منافق بھی پیدا ہوں گے، جو میرے حبیب اکرم اور محبوب اعظم کو ''عاجز بندہ'' کہیں گے۔ میرے محبوب اعظم کو کوئی بھی ایمان والا ''عاجز بندہ'' نہیں کہے گا بلکہ کفار، منافقین و مشرکین ہی ایسے توہین آمیز کلمات کہہ کر اور لکھ کر گستاخی کریں گے لہٰذا اس آیت کی ابتداء میں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے بجائے "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ" کا جملہ ارشاد فرمایا گیا ہے اور تمام لوگوں کو آگاہ اور متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" یعنی ''اے لوگو! بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی'' (کنزالایمان)۔ اس آیت سے یہ مفہوم بھی اخذ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''عاجز'' بندہ کہنے والوں کی سرکش زبانوں پر لگام ڈالی گئی ہے کہ اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''عاجز بندہ'' کہنے والو! ہوش میں آؤ،

وہ اللہ کی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر وقدیر وقوی ہے، اور اللہ کی دلیل بھی قوی ہے۔ اللہ کی دلیل کبھی بھی کمزور و عاجز نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں اس آیت میں "دَلِيْلٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" نہیں فرمایا گیا بلکہ "بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" فرمایا گیا ہے۔ "دلیل" اور "برہان" کے معنی میں بہت فرق ہے۔

- دلیل = اس حجت (Argument) اور وضاحت (Explanation) کو کہتے ہیں جو قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط حجت پیش کر کے اس کو توڑا جاسکتا ہے اور یہ حجت ہمیشہ غالب نہیں ہوتی بلکہ کبھی مغلوب بھی ہو جاتی ہے۔
- برہان = اس حجت کو کہتے ہیں جو ایسی واضح ہوتی ہے کہ اس کو رد نہیں کیا جاسکتا اور اس کو قبول کرنے میں کسی قسم کا تامل نہیں ہوتا۔ اس دلیل کے مقابلہ میں اس سے زیادہ قوی حجت پیش نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ حجت ایسی قوی اور مضبوط ہوتی ہے کہ اس میں شک وشبہ نہیں ہوتا، اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ غالب رہتی ہے اور مغلوب نہیں ہوتی۔

دلیل اور برہان کے فرق کے تعلق سے بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے لیکن ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے تاکہ اہل ذوق حضرات تحقیق وتوضیح کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر آب دار موتی وجواہر برآمد کرنے پر مستعد ہوں۔

"اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت کے ظاہری لفظی معنی کو سند اور دلیل بنا کر حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا "بشر" کہنے کا شور وغوغا مچانے والے منافقین کو قرآن مجید کی آیت "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ" اور "قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" کیوں نظر نہیں آتی؟ کیا ان آیات کے دیکھنے سے ان کی بصارت زائل ہو گئی ہے؟ یا پھر جذبۂ بغض وعناد کی وجہ سے قصداً وعمداً روگردانی وانحراف کرتے ہیں؟

''ایک اہم سوال؟''

ہوسکتا ہے کہ کسی صاحب کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ کیا وجہ ہے کہ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن میں کبھی نور کہا گیا ہے، کبھی اللہ کی برہان کہا گیا ہے، اور کبھی یہ حکم بھی فرمایا گیا ہے کہ "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ ایک ہی ذات گرامی کی اس طرح مختلف کیفیتیں کیوں بیان فرمائی گئی ہیں؟ واقعی یہ ایک اہم سوال ہے۔ اس کا جواب دو چار سطور میں دے کر سمجھایا نہیں جاسکتا بلکہ تفصیل درکار ہے۔ تسلی بخش جواب حاصل کرنے کے لیے اوراق آئندہ کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ امید ہے کہ اس سوال کا شافی ووافی وکافی جواب حاصل ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وحبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

''حضورِ اقدس ﷺ کی تین حیثیتیں''

مندرجہ بالا جو سوال پیدا ہوا ہے، اس کا جواب عرض خدمت ہے کہ واقعی یہ حقیقت ہے کہ:۔

- قرآن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی ''بشر'' فرمایا گیا ہے۔
- قرآن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''اللہ کی دلیل'' اور ''نور'' بھی فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح احادیث کریمہ میں بھی یہ صورت درپیش ہوتی ہے کہ:۔

- بعض احادیث میں حضور اقدس نے اپنی شان عبدیت اور بشریت کا اظہار فرمایا ہے۔
- بعض احادیث میں اپنی شانِ نورانیت ظاہر کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا ہے کہ میں اللہ کے نور سے ہوں۔
- بعض احادیث میں اپنی شان محبوبیت کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں اللہ کا حبیب ہوں۔
- بعض احادیث میں اپنی شان تقرب الی اللہ کی نشاندہی میں فرمایا ہے کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے اللہ کو دیکھا۔
- بعض احادیث میں بارگاہ الٰہی میں اپنی وجاہت و منزلت کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے کہ "اَنَا اَکْرَمُ وُلْدِ آدَمَ عِنْدَ رَبِّی" یعنی "میرا مقام میرے رب کے ہاں تمام اولاد آدم سے بڑھ کر ہے۔"

(ترمذی عن ابن عباس جلد: دوم، ص: ۲۰۱)

پہلے اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صورت و شکل انسانی میں دنیا میں تشریف لائے ہیں لیکن آپ کے ذات اقدس صرف بشری کیفیت تک ہی محدود نہ تھی بلکہ آپ بظاہر انسان یعنی بشر ہونے کے باوجود تین کیفیتوں کے حامل تھے وہ کیفیات کیا تھیں؟

- علامہ، شیخ اجل، حضرت اسمٰعیل حقی بروسوی (المتوفی ۱۱۳۷ھ) علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی شہرۂ آفاق اور مشہور و معروف "تفسیر روح البیان" میں پارہ: ۱۶، سورۂ مریم، آیت: ۱ "کھیٰعص" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تین کیفیتیں ہیں (۱) صورت بشری (۲) صورت حقی اور (۳) صورت ملکی۔ حضور اقدس کی ان تینوں حیثیتوں کو بالتفصیل سمجھنے کی کوشش کریں:-

حضورِ اقدس کی کیفیت صورت بشری:۔

یعنی انسانوں جیسی کیفیت۔ یعنی ظاہری شکل وصورت میں آپ انسان ہی ہیں اور عام انسانوں کے ساتھ مل جل کر انسانی زندگی بسر فرماتے ہیں۔ مثلاً مذہبی زندگی، سماجی زندگی، خاندانی زندگی، ازدواجی زندگی، تجارتی زندگی، مجاہدانہ زندگی، عابدانہ زندگی، وغیرہ۔ یعنی آپ نے تمام نوعِ انسانی پر احسان وکرم فرماتے ہوئے انسانوں کے درمیان بشکلِ انسان جلوہ فرما رہے اور انسانیت کے اہم تقاضوں کو پورا فرمایا یعنی آپ نے انسانوں کو انسانی اخلاقِ حسنہ اور اللہ کی توحید کی صرف زبانی تعلیم ہی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ اس پر عمل فرما کر انسانوں کو صحیح معنی میں انسان بننے کی عملی تعلیم فرمائی۔ آپ نے مکہ معظمہ میں اپنے بچپن اور جوانی کے ایام اس نفاست اور پاکیزگی سے بسر فرمائے کہ آپ کے دامنِ عصمت پر کبھی بھی کسی امر مکروہ کی گرد تک نہ آئی۔ آپ نے رشتہ داروں کی معیت میں خاندانی اور گھریلو زندگی بسر فرمائی۔ نکاح فرمایا اور ازدواجی زندگی کو حسنِ اُسلوب کی زینت بخشی، آپ نے تجارت فرمائی اور تاجروں کو دیانت داری اور ایمانداری کا درس دیا، آپ نے ظالموں کے ظلم وستم بھی برداشت فرمائے اور مظلوموں کو صبر وتحمل کا دامن تھامے رہنے کی نصیحت وتلقین فرمائی، دشمنوں کی ستم ظریفیوں کا خندہ پیشانی نیک سلوک سے جواب دیا، اپنے وطنِ مالوف کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ ہجرت بھی فرمائی اور وقت کے تقاضا کے پیشِ نظر "اِعْلَاءِ کَلِمَۃُ الْحَق" اور "انسدادِ ظلم وستم" کے لیے جہاد بھی فرمایا لیکن کسی بھی حالت میں حق وہدایت کی راہِ استوا سے عدول وانحراف نہ کیا اور ہمیشہ اپنے رب کی توحید اور عبادت میں منہمک رہے اور انسانوں کو یہ درس دیا کہ سچا انسان وہ ہے جو اللہ کا بندہ اور پرستار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی آپ نے اتم واکمل طریقہ سے بجا آوری فرمائی اور لوگوں کو عملی تعلیم دی۔ آپ نے اپنے نوری وجود کو بشری قالب میں مستور فرما کر، دونوں جہان کے شہنشاہ اور کائنات کے مالک ہونے کے باوجود سادہ اور بے ریا زندگی کو پسند فرمایا۔ عیش وآرام اور تکلفات کو ترک فرما کر سادگی کو اختیار فرمایا۔ یہ سب آپ نے لوگوں پر احسان فرماتے ہوئے اور روحِ انسانیت کو جلا بخشنے اور کرم فرماتے ہوئے کیا اور

لوگوں کو یہ حقیقت باور کرادی کہ میں خدا کا محبوب ہونے کے باوجود انسانوں کے بیچ میں شانِ عبدیت سے متمکن ہو کر اللہ کی عبادت وریاضت کرتا ہوں تاکہ تم بھی میرے نقشِ قدم پر چل کر توحید خالص پر استقلال واستحکام سے گامزن ہو کر اپنی زندگی کا مقصد اللہ کی عبادت بنالو۔

آپ کی ہدایت ونصیحت لوگوں پر اثر پذیر تب ہی ہوسکتی تھی کہ خود آپ اس پر عمل فرمائیں۔ اگر آپ نے انسانی شکل وصورت اختیار نہ فرمائی ہوتی اور بصورت فرشتہ بذات خود ان اعمالِ حسنہ پر عمل فرماتے تو لوگ یہی کہتے کہ یہ عمل ہم سے نہیں ہوسکتا۔ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا آپ نے انسانی شکل وصورت اختیار فرما کر تمام اعمال حسنہ پر عمل کر کے لوگوں کو یقین دلادیا کہ یہ سب کام انسانوں کو کرنے کے ہیں اور انسانوں سے یہ کام ہوسکتے ہیں۔ آپ کو بصورت انسان دیکھ کر لوگوں کو ایک اُنس بھی ہوا اور اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کے مشکل نظر آنے والے کام آسان محسوس ہوئے۔ انسان کی دنیوی حیات "مَزرَعَةُ الآخِرَة" یعنی آخرت کی کھیتی ہے اور یہاں جتنا بویا جائے گا اسی کے مطابق آخرت میں پھل وثمرات حاصل ہوں گے۔ اس حقیقت کو لوگوں کو عملی طور پر سمجھانے اور اس حقیقت کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنے کے لیے آپ نے بھی کثرت سے عبادت وریاضت فرمائی۔ شب بھر نماز میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ طول قیام کی وجہ سے آپ کے پائے اقدس میں ورم آجاتا۔ حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ کے قدم ہائے مبارک میں شگاف پڑ جاتے۔ الغرض آپ نے شانِ عبدیت کے تمام تقاضوں کی تکمیل اور خصوصاً اللہ تعالیٰ کی عبادت وریاضت میں حد درجہ سعی فرمائی۔

علاوہ ازیں گاہے گاہے عظیم معجزات کا بھی ظہور فرمایا۔ آپ کے عظیم الشان معجزات دیکھ کر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم آپ کو تعظیم کا سجدہ کریں، تب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی اور آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یہود ونصاریٰ کی طرح قوم مسلم بھی اپنے نبی کی محبت میں غلو کرتے ہوئے حدودِ شرع کو متجاوز نہ کر جائیں۔ اس دور اندیشی کو ملحوظ فرماتے ہوئے اور ہمیشہ کے لیے شرک کی نجاست کا سدباب فرمانے کے لیے آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ "[illegible]" میں اللہ کا بندہ

ہوں تم فرمایا کہو کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول" (بخاری و مسلم عن عمر بن الخطاب)

آپ نے لوگوں کو اس بات کا احساس دلا دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب اعظم اور بے شمار فضائل و خصائص و کمالات کا حامل ہونے کے باوجود خدا نہیں بلکہ خدا کا بندہ اور رسول ہوں بلکہ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" اس طرح آپ نے لوگوں کے سامنے اپنی صورت بشری اور شان عبدیت کا اظہار فرمایا۔

⦿ حضور اقدس کی کیفیت صوری حقی:-

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ سے آپ کا تقرب اور بارگاہ الٰہی میں آپ کی قدر و منزلت اور عزت و وجاہت اور مرتبہ و رسائی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے ہی اپنی زبان اقدس سے ارشاد فرمایا کہ:- "مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَہُ الْحَقّ" یعنی "جس نے مجھ کو دیکھا، اس نے حق کو دیکھا۔" (الحدیث)

اس حدیث کے ضمن میں امام اجل، علامہ نبہانی قدس سرہٗ اپنی معرکۃ الآراء و شہرۂ آفاق تصنیف، کتاب مستطاب "حُجَّۃُ اللّٰہِ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ فِیْ مُعْجِزَاتِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ" میں امام احمد بن ادریس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ناقل کہ "مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَہُ الْحَقّ تَعَالٰی" یعنی "جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا" اس طرح آپ نے آئینہ حق نما کی حیثیت سے اپنے چہرہ پر نور میں "اللہ کے نور" کا جلوہ دکھایا اور اپنی صورت حقی ظاہر فرمائی۔

✪ ایک حدیث میں تو یہاں تک ارشاد فرماتے ہیں کہ لَمْ یَعْرِفْنِیْ حَقِیْقَۃً غَیْرُ رَبِّیْ" یعنی مجھے میرے رب کے سوا کسی نے بھی حقیقتاً نہیں پہچانا۔"

ایسی کئی روایات کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں کہ جن سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت حقی کی کیفیت نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

⦿ حضور اقدس کی کیفیت صورت ملکی:-

یعنی وہ کیفیت ... کیفیت سے واقف ہونے کی بلکہ اس

کیفیت کی حقیقت کا تصور کرنے کی بھی کسی انسان یا فرشتے میں استطاعت وصلاحیت نہیں۔ کیونکہ اس ملکی صورت کی کیفیت کے متعلق خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:۔

"لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ"

ترجمہ:۔"میرے لیے اپنے رب سے قربت حاصل کرنے کے کچھ اوقات ہیں۔ ان اوقات میں مجھے میرے رب سے جو نزدیکی حاصل ہوتی ہے اس مقام پر نہ کوئی فرشتہ مقرب پہونچ سکتا ہے نہ کوئی نبی مرسل پہونچ سکتا ہے۔"

یعنی اس اعلیٰ مقام ومنزل تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی کی بھی رسائی نہیں ہے۔ صرف حضور اقدس کی ہی اس مقام رفیع تک رسائی ہے۔ یہ ہے صورت ملکی کی کیفیت جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظاہر فرمائی۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت بشری کے علاوہ دیگر دو کیفیات یعنی (۱) صورت حقی اور (۲) صورت ملکی بھی ہیں۔ یہ دونوں کیفیتیں صورت بشری سے کئی درجہ افضل واعلیٰ اور ارفع وبالا ہیں۔ بلکہ یہ دونوں کیفیات صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے "خصائص کبریٰ" میں سے ہیں۔ حضور اقدس کے سوا مخلوق میں سے کسی کو بھی یہ دونوں کیفیتیں میسر نہیں ہوئیں، نہ ہو سکتی ہیں بلکہ ان حیثیات کی صحیح کیفیات سے بھی ہم واقف نہیں ہو سکتے لہٰذا ہم یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرتبہ عظمیٰ اور رتبہ عالی کو کما حقہ سمجھنے سے ہم عاجز وقاصر ہیں۔ حضور اقدس کے مرتبے درجے کو، حضور اقدس کو اپنے فضل وکرم اور نعم وعطا کی بے شمار نعمتوں اور عظمتوں سے نوازنے والا خدا ہی جانتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت حقی اور صورت ملکی تو بہت دور کی بات ہے بلکہ حضور اقدس کی صورت بشری کو بھی ہم کما حقہ نہیں پہچان سکتے اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسی بے مثل ومثال نوری بشریت عطا فرمائی ہے کہ:۔

تیرے خُلق کو حق نے عظیم کہا، تیری خَلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا، تیرے خالق حسن وادا کی قسم

(از:- امام عشق ومحبت، حضرت رضا بریلوی)

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی "بشریت" کیسی "نوری بشریت" تھی اور آپ صفحۂ ہستی میں بلکہ پوری کائنات میں کیسے بے مثل نوری بشر تھے۔ وہ دیکھیں:-

"حضورِ اقدس کی تابناک اور درخشاں نوری بشریت اور صورت بشری کے اعجاز و کمالات"

بے شک حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انسانی شکل وصورت میں دنیا میں تشریف لائے ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایسی صورت خاصہ سے نوازا ہے کہ ولادت باسعادت سے لے کر دنیا سے ظاہری پردہ فرمانے تک کی آپ کی ظاہری حیات طیبہ کی ہر ہر ادا اور جسم اقدس کی نوری خصوصیت میں آپ کا مثل وثانی نہیں۔ امام جلیل، قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو اندلسی اپنی کتاب "اَلشِّفَا بِتَعْرِیْفِ حُقُوْقِ الْمُصْطَفٰی" میں فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حسن اور صورت میں بھی سب سے اعلیٰ و بالا کیا ہے اور حقیقت روح وباطن کے اعتبار سے تو تمام انبیائے کرام بشری اوصاف سے اعلیٰ ہیں۔"

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ "اَشِعَّةُ اللَّمْعَاتْ شَرْحِ مِشْکوٰة" میں فرماتے ہیں کہ "انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام وظواہر چونکہ ظاہراً حد بشریت پر متمکن ہوتے ہیں لیکن ان کے ارواح وبواطن بشریت سے بالا اور ملاء اعلیٰ سے متعلق ہیں۔"

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ "تَفْسِیْر فَتْحُ الْعَزِیْز اَلْمَعْرُوْف بِہٖ تَفْسِیْرِ عَزِیْزِیْ" میں سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "آپ کی بشریت کا وجود اصلاً نہ رہے اور غلبہ انوار حق آپ پر علی الدوام (ہمیشہ) حاصل ہو۔ بہر حال آپ کی ذات وکمالات میں آپ

ایسے ایمان افروز اقوال زرّیں سے ائمہ ملت اسلامیہ کی کتابیں لبریز ہیں۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ ان تمام اقوال کو یہاں نقل کریں۔ اہل ذوق وشوق حضرات مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع فرمائیں:-

(۱) "اَلشِّفَا بِتَعْرِیْفِ حُقُوْقِ الْمُصْطَفٰی"

از:- قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو اندلسی (المتوفی ۵۴۴ھ)

(۲) "شَوَاهِدُ النُّبُوَّةِ"

از:- علامہ نورالدین عبدالرحمٰن جامی بن احمد محمد ایرانی (المتوفی ۸۹۸ھ)

(۳) "نَسِیْمُ الرِّیَاضِ شَرْحِ شِفَاءِ قَاضِیْ عَیَاض"

از:- علامہ امام احمد شہاب الدین خفاجی المصری (المتوفی ۱۰۶۹ھ)

(۴) "اَلْخَصَائِصُ الْکُبْرٰی فِی الْمُعْجِزَاتِ خَیْرِ الْوَرٰی"

از:- خاتم الحفاظ، امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ)

(۵) "مَنَاهِلُ الصَّفَافِیْ تَخْرِیْجِ اَحَادِیْثِ الشِّفَا"

از:- خاتم الحفاظ، امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ)

(۶) "خُلَاصَةُ الْوَفَافِیْ اَخْبَارِ دَارِ الْمُصْطَفٰی"

از:- امام علامہ نورالدین عبداللہ سمہوری شافعی مدنی بن علی بن احمد سمہوری (المتوفی ۹۱۱ھ)

(۷) "وَفَاءُ الْوَفَاءِ بِاَخْبَارِ دَارِ الْمُصْطَفٰی"

از:- امام علامہ نورالدین عبداللہ سمہوری شافعی مدنی بن علی بن احمد سمہوری (المتوفی ۹۱۱ھ)

(۸) "شِفَاءُ السِّقَامِ فِیْ زِیَارَةِ خَیْرِ الْاَنَامِ"

از:- محقق تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی

(۹) "مُوْجِبَاتُ الرَّحْمَةِ وَعَزَائِمُ الْمَغْفِرَةِ"

از:- امام ابوالعباس احمد بن ابی بکر رداد یمنی صوفی

(۱۰) "شَرْحِ شِفَاءِ اِمَامِ قَاضِیْ عَیَاض"

از:- علی بن سلطان محمد ہروی مکی المعروف ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ)

(۱۱) قُوْتُ الْقُلُوْبِ فِیْ مَعَامَلَةِ الْمَحْبُوْبِ"

از:-امام عارف باللہ سیدی ابو طالب مکی (المتوفی ۳۸۶ھ)

(۱۲) اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِّيَّه عَلَى الشَّمَائِلِ الْمُحَمَّدِيَّةِ"

از:-امام اجل احمد بن محمد خطیب مصری قسطلانی (المتوفی ۹۲۳ھ)

(۱۳) "مَدَارِجُ النُّبُوَّةْ"

از:- شیخ محقق شاہ محمد عبدالحق بن سیف الدین ترک محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ)

(۱۴) "تَجَلِّي الْيَقِيْنِ بِاَنَّ نَبِيَّنَا سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ"

از:-امام اہلسنت، مجدد دین وملت امام احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی محدث بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ)

(۱۵) "اَلْاَمْنُ وَالْعُلٰى لِنَاعِتِي الْمُصْطَفٰى بِدَافِعِ الْبَلَاءِ"

از:-امام اہلسنت، مجدد دین وملت امام احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی محدث بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ)

اب ہم مندرجہ بالا کتب سے چند اقتباسات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے جارہے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نوری بشریت کو ہم الگ الگ عنوان سے بیان کریں گے۔ امید ہے کہ قارئین کرام ایمان کی تازگی محسوس کریں گے۔ (انشاء اللہ وحبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

"بے مثل ولادت باسعادت"

ویسے تو اس دنیا میں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں بچے پیدا ہوتے ہیں، ہر زچہ خانہ نو وارد اطفال سے بھرا ہوتا ہے۔ آج تک کروڑوں، اربوں اور کھربوں کی تعداد میں انسان پیدا ہوئے ہیں اور انسانوں کی آمد کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بے شمار پیدا ہونے والے انسانوں میں کچھ افراد اپنے زمانے کے منفرد شخص کی حیثیت سے شہرت یافتہ بھی ہوئے۔ کوئی کسی ملک کا [illegible] کوئی کسی [illegible] عالمگیر پیمانہ پر سیاسی لیڈر کی

حیثیت سے مشہور و معروف ہوا۔ بے شمار ماہرین فن، ادیب، تاجر، حکمراں، موجد، اتالیق، مقتدا، رہبر وغیرہ پیدا ہوئے لیکن تولد ہونے کے معاملہ میں سب کا حال یکساں تھا۔ بلکہ بعض ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بین الاقوامی پیمانہ پر شہرت پائی لیکن ان کی پیدائش، ایام طفلی وغیرہ کے حالات سے ان کے اعزاء و اقربا بھی ناواقف تھے۔

الحاصل! ہر پیدا ہونے والا عام انسان حسب معمول طریقہ پر ہی پیدا ہوتا ہے لیکن اس کائنات میں ایک ذات گرامی ایسی ہے کہ جن کی ولادت اقدس ایسی باسعادت، نفیس، پاکیزہ، صاف، ستھری، مقدس اور پرنور ہوئی ہے کہ جس کی کوئی مثال نہ کبھی پیش کی گئی ہے اور نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس مقدس ذات گرامی کی تخلیق خالق کائنات کا عظیم شاہکار اور نوع انسانی پر احسان عظیم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا بے مثل و مثال بنایا ہے کہ اس محبوب اکرم کی زندگی کا ہر پہلو اور جسم اقدس کا ہر عضو مقدس بھی بے مثل و مثال ہے، حتی کہ ان کی ولادت باسعادت بھی ایسی بے مثل و مثال ہوئی ہے کہ ایسی ولادت نہ کبھی کسی کی ہوئی ہے اور نہ کبھی ہوگی۔

ولادت کے وقت ہی معجزات کا ظہور:۔

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے وقت میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضور اقدس کا نور چراغ کی روشنی کو مات کررہا ہے۔ اس رات میں نے چند علامات کا مشاہدہ کیا:۔

اوّل:۔ جب حضور اقدس پیدا ہوئے تو آپ نے فوراً سجدہ فرمایا۔

دوم:۔ جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو بزبان فصیح فرمایا کہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

سوم:۔ پورے گھر کو میں نے آپ کے چہرۂ انور کے نور سے روشن اور منور پایا۔

چہارم:۔ میں نے چاہا کہ آپ کو نہلاؤں لیکن ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اے

صفیہ! اپنے آپ کو زحمت مت دے کیونکہ ہم نے اپنے محبوب کو پاک وصاف پیدا کیا ہے۔

پنجم:- پھر میں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ مولد لڑکی ہے لڑکا؟ تو میں نے دیکھا کہ حضور اقدس ختنہ کیے ہوئے اور ناف بریدہ پیدا ہوئے ہیں۔

(حوالہ:- شواہد النبوۃ اُردو ترجمہ، ص:۶۸)

✪ ابن عدی اور ابن عساکر نے بہ روایت حضرت عطا بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناف بریدہ اور مختون (ختنہ) کیے ہوئے پیدا ہوئے۔

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱،ص:۱۳۶)

⊙ جسم اقدس کے ساتھ کسی قسم کی آلودگی نہ تھی:-

حضرت عبداللہ بن عمر نے عمر بن عاصم کلابی سے روایت کی کہ ہم سے ہمام بن یحییٰ نے اسحاق بن عبداللہ سے بیان کیا کہ حضور اقدس کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"حضور اقدس پاک وصاف پیدا ہوئے یعنی آپ کے جسم اقدس کے ساتھ کسی بھی قسم کی کوئی آلودگی نہ تھی اور جب آپ کو زمین پر رکھا تو آپ اپنے دست مبارک کے سہارے سے بیٹھ گئے۔"

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱،ص:۱۲۰)

⊙ ولادت کے وقت نور کی بارش:-

(۱) "بیہقی، طبرانی، ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت عثمان بن ابی العاص، رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ میری والدہ نے بتایا کہ میں اس رات حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھی جس رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت

ہوئی۔ میں گھر میں ہر طرف روشنی اور نور پاتی اور محسوس کرتی تھی، گویا ستارے قریب سے قریب تر ہو رہے ہیں۔ حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ ستارے میرے اوپر گر پڑیں گے۔ پھر جب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وضع حمل کیا تو ایک نور برآمد ہوا، جس کی وجہ سے ہر شے روشن ہوگئی۔ یہاں تک کہ نور کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔''

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۱۸)

(۲) ''ابونعیم نے بہ روایت عطاء بن یسار اُمّ سلمہ سے اور انہوں نے حضرت آمنہ سے روایت کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ شب ولادت جب مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو میں نے ایک نور دیکھا جس سے محلات شام (یعنی ملک شام کے محل) روشن ہوگئے۔ اور میں نے ان کو دیکھ لیا''

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۱۹)

⊙ ولادت کے وقت ہی پوری دنیا حضور کے قبضے میں:-

امام احمد و ابو یعلیٰ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:-

"لَمَّا خَرَجَ مِن م بَطْنِیْ فَنَظَرْتُ اِلَیْهِ فَاِذَا اَنَا بِهٖ سَاجِداً ثُمَّ رَأَیْتُ سَحَابَةً بَیْضَآءَ قَدْ اَقْبَلَتْ مِنَ السَّمَآءِ حَتّٰی غَشِیَتْهُ فَغُیِّبَ عَنْ وَجْهِیْ ثُمَّ تَجَلَّتْ فَاِذَا اَنَا بِهٖ مُدْرَجٌ فِیْ ثَوْبٍ صُوْفٍ اَبْیَضَ وَتَحْتَهٗ حَرِیْرَةٌ خَضْرَآءُ وَقَدْ قَبَضَ عَلٰی ثَلٰثَةِ مَفَاتِیْحَ مِنَ اللُّؤْلُؤِ الرَّطْبِ وَاِذَا قَائِلٌ یَّقُوْلُ قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلٰی مَفَاتِیْحِ النُّصْرَةِ وَمَفَاتِیْحِ الرِّیْحِ وَمَفَاتِیْحِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ اَقْبَلَتْ سَحَابَةٌ اُخْرٰی غَشِیَتْهُ فَغُیِّبَ عَنِّیْ ثُمَّ تَجَلَّتْ فَاِذَا اَنَا بِهٖ قَدْ قَبَضَ عَلٰی حَرِیْرَةٍ خَضْرَآءَ مَطْوِیَّةٍ وَّ اِذَا قَائِلٌ یَّقُوْلُ بَخٍ بَخٍ قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلَی الدُّنْیَا کُلِّهَا لَمْ یَبْقَ

خَلْقٌ مِنْ اَهْلِهَا اِلَّا دَخَلَ فِیْ قَبْضَتِهٖ"

ترجمہ :- ''جب حضور میرے شکم سے پیدا ہوئے میں نے دیکھا کہ سجدے میں پڑے ہیں۔ پھر ایک سفید بادل نے آسمان سے آکر حضور کو ڈھانپ لیا کہ حضور میرے سامنے سے غائب ہوگئے۔ پھر وہ بادل ہٹا تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضور ایک اُونی سفید کپڑے میں لپٹے ہیں اور سبز ریشمی بچھونا بچھا ہے۔ اور گوہر شاداب کی تین کنجیاں حضور کی مٹھی میں ہیں اور ایک کہنے والا کہہ رہا ہے کہ نصرت کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں، نبوت کی کنجیاں، سب پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبضہ فرمالیا۔ پھر اور ایک بادل نے آکر حضور کو ڈھانپ دیا کہ میری نگاہ سے چھپ گئے۔ پھر جب روشن ہوئے تو میں نے دیکھا کہ سبز ریشم کا کپڑا لپٹا ہوا حضور کی مٹھی میں ہے اور کوئی منادی پکار رہا ہے کہ واہ! واہ! ساری دنیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مٹھی میں آئی۔ زمین وآسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے قبضے میں نہ آئی ہو۔''

(حوالہ :- الامن والعلیٰ، از :- امام احمد رضا، ص: ۵۸)

✪ یہ حدیث خاتم الحفاظ، صاحب تفسیر جلالین، امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور اور مستند کتاب "**الخصائص الکبریٰ فی المعجزات خیر الوریٰ**" اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۱۲۳ تا ۱۲۵، پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

⊙ خانۂ کعبہ سجدہ میں جھکا :-

''حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حرم کعبہ میں تھا۔ سحری کے وقت جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش شریف کی گھڑی آئی تو خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تمام بت اوندھے ہو کر گر پڑے اور

کعبہ نے مقام ابراہیم یعنی جس سمت مولد النبی (جس گھر میں حضور کی ولادت ہوئی) تھا اس طرف سجدہ کیا، میں حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ دفعتاً دیوار کعبہ سے یہ آواز آئی کہ۔

وَلَدَ الْمُصْطَفَى الْمُخْتَارُ الَّذِیْ تَهْلَكُ بِيَدِهِ الْكُفَّارُ وَيَتَطَهَّرُ مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَيَأْمُرُ بِعِبَادَةِ الْمَلِكِ الْعَلَّامِ۔

ترجمہ۔ "مصطفیٰ ومختار کی ولادت ہوگئی آپ کے ہاتھوں کفر ہلاک ہوگا، اور خانہ کعبہ کو بتوں کی پرستش سے پاک کریں گے اور صرف مالک حقیقی کی عبادت کا حکم فرمائیں گے۔" (حوالہ:۔ حاشیہ سیرۃ الحلبیہ ،ص:۴۲)

- "خانہ کعبہ کا یہ حال تھا کہ بہت دنوں تک لوگوں نے اس سے یہ آواز سنی کہ اب اللہ تعالیٰ میرے نور کو لوٹا دے گا اور جوق در جوق توحید پرست میری زیارت کو آئیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ مجھ کو جاہلیت (شرک کے کاموں) سے پاک کر دے گا۔ اے عزیٰ! تو ہلاک ہو گیا اور تین شب و روز بیت اللہ کا زلزلہ نہ رُکا۔"

(خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱،ص:۱۲۲)

گہوارے میں سے جدھر اُنگلی کا اشارہ فرماتے اُدھر چاند جُھک جاتا:

امام بیہقی ابن عساکر، صابونی اور خطیب نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ! آپ کی نبوت کی نشانیوں نے مجھے آپ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ گہوارے میں چاند سے باتیں کرتے تھے اور اپنی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے تو جس طرف اشارہ فرماتے چاند اُدھر جھک جاتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں چاند سے باتیں کرتا تھا اور چاند مجھ سے باتیں کرتا تھا اور مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور میں عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتے وقت چاند کی تسبیح کرنے کی آواز سنتا ہوں۔"

(حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱،ص:۱۳۷

(۲) شواہد النبوۃ، اُردو ترجمہ، ص:۸۰

چاند جھک جاتا جدھر اُنگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اِشاروں پر کھلونا نور کا

(از:- امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی)

⊙ آپ مختون پیدا ہوئے:-

(۱) طبرانی نے اَوسط اور ابونعیم وخطیب اور ابن عساکر نے بروایت مختلف حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

''میرے رب کا مجھ پر جو انعام واکرام ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں ختنہ شدہ پیدا ہوا اور میرے ستر کو کسی نے نہ دیکھا''

(خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱،ص:۱۳۶)

اس روایت کو ایضاء نے ''المختارہ'' میں بیان کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔

(۲) ابن عدی اور ابن عساکر نے بروایت عطا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناف بریدہ اور مختون پیدا ہوئے۔'' (خصائص کبریٰ اُردو ترجمہ، جلد:۱،ص:۱۳۶)

⊙ عالم شیر خواری میں گہوارہ میں کلام فرمانا:-

امام ابوالفضل، احمد بن علی بن حجر مکی عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ قدس سرہٗ اپنی مشہور اور

معتبر کتاب "ارشاد الساری شرح صحیح بخاری" میں فرماتے ہیں کہ "سیرۃ قدسی میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اوائل عمر میں پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا۔ اور ابن سبع نے "الخصائص" میں بیان کیا کہ آپ کے گہوارے (ہنڈولے) کو فرشتے ہلاتے تھے اور سب سے پہلا کلام جو آپ نے کیا وہ یہ تھا کہ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْراً وَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْراً"

(خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۳۷)

⊙ بے مثل ایام طفلی:۔

"حضور اقدس کی رضاعی والدہ محترمہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ⊙ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو ماہ کے ہوئے تو لڑکوں کی طرح سرین کے بل چلنے لگے ⊙ جب پانچ ماہ کی عمر شریف ہوئی تو اُٹھ کر پاؤں پر آہستہ آہستہ چلنے لگے ⊙ چھ ماہ کی عمر شریف ہوئی تو تیز تیز چلنے لگے ⊙ عمر شریف جب سات ماہ کی ہوئی تو آپ جدھر چاہتے خوشی سے اکیلے چلے جاتے ⊙ جب نو ماہ کی عمر شریف ہوئی تو فصیح زبان میں گفتگو فرمانے لگے ⊙ اور جب عمر شریف دس ماہ کی ہوئی تو لڑکوں کے ساتھ تیر اندازی فرمانے لگے۔" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (شواہد النبوۃ، اُردو ترجمہ، ص: ۵۷)

"جسم اقدس کا سایہ نہ تھا"

حضرات صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین عظام، ائمہ دین، علمائے کرام، اور ملت اسلامیہ کے تمام اولیاء، صلحاء، صوفیاء وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس بات میں بلا کسی شک و تردد متفق ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے "نوری جسم پاک" کا سایہ نہیں

تھا۔ سورج کی دھوپ میں، چاندکی چاندنی میں اور چراغ کی روشنی میں بھی آپ کے جسم اقدس کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عظیم معجزہ آج بھی اپنی آن، بان اور شان وشوکت کے ساتھ روشن وظاہر ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے شریف (بال مبارک) آج بھی دنیا میں کئی مقامات میں بطور تبرک محفوظ ہیں۔ الحمد اللہ!

ہمارے شہر پوربندر میں بھی اکثر مساجد میں "موئے مبارک" کی عظیم نعمت جلوہ گر ہے۔ ان مقدس موئے مبارک کا مطلقاً سایہ نہیں۔ حقیر فقیر سراپا تقصیر راقم الحروف احقر العباد کو کئی مرتبہ موئے مبارک کو غسل دینے کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی ہے اور فقیر کا ذاتی تجربہ ہے کہ تیز لائٹ (Powerful Light) میں بالکل صاف اور سفید کاغذ پر بھی موئے اقدس کا سایہ نہیں پڑتا بلکہ خوردبین (Microscop) سے دیکھنے پر بھی موئے اقدس کا سایہ نظر نہیں آتا۔ ہر سال عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موقع پر ہر شہر میں موئے مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ جو صاحب مشاہدہ کرنا چاہیں وہ آج بھی اس عظیم معجزہ کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے حیات النبی آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک آج بھی حیات ہیں کیونکہ موئے مبارک زندہ آدمی کے بال کی طرح بڑھتے ہیں بلکہ عجیب خصوصیت سے بڑھتے ہیں یعنی موئے مبارک میں شاخیں پھوٹتی ہیں جس طرح درخت کی ڈالی میں شاخیں پھوٹ کر ادھر ادھر ہر سمت پھیلتی ہیں اسی طرح سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے اقدس میں ہر طرف شاخیں پھیلتی ہیں اور بڑھ کر لمبی ہوتی ہیں۔ اس عظیم معجزہ کا آج بھی عینی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

نیز! جسم اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، اس عظیم معجزہ کے ثبوت میں کثرت سے احادیث صحیحہ اور ائمہ دین کے اقوال صادقہ موجود ہیں۔ جن کا علی الاستیعاب بیان کرنا یہاں ممکن نہیں۔ لہٰذا چند احادیث کریمہ اور چند اقوال ائمہ قارئین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر پیش خدمت ہیں۔

احادیث کریمہ:-

( ) امام المحدثین امام محمد بن عیسیٰ ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی معرکۃ الآراء اور معتمد کتاب "نوادر الاصول" میں حضرت ذکوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ:-

"عَنْ ذَکْوَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يُرٰى لَهٗ ظِلٌّ فِيْ شَمْسٍ وَّ لَا قَمَرٍ"

ترجمہ:- "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک جسم کا سایہ نہ سورج کی دھوپ میں نظر آتا نہ چاندنی میں"

(حوالہ:- (۱) المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ، عربی، مطبوعہ مصر، ص:۳۰،
(۲) الزرقانی علی المواہب، عربی، مطبوعہ مصر، جلد:۴، ص:۲۲۰)

(۲) حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک اور حافظ ابن جوزی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمایا ہے کہ:-

"لَمْ يَكُنْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ وَ لَمْ يَقُمْ مَعَ شَمْسٍ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ ضَوْءَهَا وَ لَا مَعَ السِّرَاجِ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُهٗ"

ترجمہ:- "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ نہ سورج کی دھوپ میں نہ چراغ کی روشنی میں اور آپ کا نور سورج اور چراغ کے نور پر غالب رہتا تھا۔"

حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، عربی، جلد:۱، ص:۶۸،
(۲) جمع الوسائل، از امام علی بن سلطان محمد ہروی قاری مکی المعروف بہ ملا علی قاری، جلد:۱، ص:۲۰۶)

(۳) امام اجل، علامہ ابو البرکات عبداللہ بن محمود نسفی (المتوفی ۷۱۰ھ) قدس سرہٗ "مدارک التنزیل" میں امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ [illegible]

"قَالَ عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی مَا اَوْقَعَ ظِلَّکَ عَلَی الْاَرْضِ لِئَلَّا یَضَعَ اِنْسَانٌ قَدَمَہٗ عَلٰی ذَالِکَ الظِّلِّ"

ترجمہ:- "حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ عنہ میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر پڑنے نہیں دیا تاکہ اس پر کسی انسان کا قدم نہ پڑ جائے۔"

حوالہ:- (۱) تفسیر مدارک التنزیل، جلد:۳، ص:۱۰۳،

(۲) مدارج النبوۃ فارسی رکن ۲، ص:۱۰۰،

(۳) مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ جلد:۲، ص:۱۶۱

(۴) حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل فرمایا ہے کہ:-

"قَالَ اِبْنُ سُبُعٍ مِنْ خَصَائِصِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ ظِلَّہٗ کَانَ لَا یَقَعُ عَلَی الْاَرْضِ لِاَنَّہٗ کَانَ نُوْرًا اِذَا مَشٰی فِی الشَّمْسِ اَوِ الْقَمَرِ لَا یَنْظُرُ لَہٗ ظِلٌّ"

ترجمہ:- "ابن سبع نے فرمایا کہ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔ کیوں کہ آپ نور تھے۔ سورج اور چاند کی روشنی میں جب چلتے تھے تب آپ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔" (خصائص کبریٰ، عربی، جلد:۱، ص:۶۸)

اقوال ائمۂ دین:-

(۱) امام الزماں، علامہ قاضی عیاض بن عمرو اندلسی (المتوفی ۵۴۴ھ) قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:-

"وَمَا ذُکِرَ مِنْ اَنَّہٗ لَا ظِلَّ لِشَخْصِہٖ فِیْ شَمْسٍ وَّ لَا فِیْ قَمَرٍ لِاَنَّہٗ کَانَ نُوْرًا وَاَنَّ الذُّبَابَ کَانَ لَا یَقَعُ عَلٰی جَسَدِہٖ وَلَا ثِیَابِہٖ"

ترجمہ:- "یہ جو ... حضور اقدس صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نور تھے اور آپ کے جسم اطہر اور کپڑوں پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔"

(الشفاء بحریف حقوق المصطفیٰ، عربی، جلد:۱،ص:۳۴۲)

(۲) امام جلیل، حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی مصری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:-

"مَا جُرَّ بِظِلِّ اَحْمَدَ اَذْيَالٌ ۞ فِى الْاَرْضِ كَرَامَةٌ كَمَا قَدْ قَالُوْا ۞ هٰذَا عَجَبٌ وَلَمْ بِهٖ مِنْ عَجَبٍ ۞ وَالنَّاسُ بِظِلِّهٖ جَمِيْعًا قَالُوْا ۞ وَقَدْ نَطَقَ الْقُرْآنُ بِاَنَّهُ النُّوْرُ الْمُبِيْنُ وَكَوْنَهُ بَشَرًا لَا يُنَافِيْهِ"

ترجمہ:- "عظمت اور احترام کے باعث حضور اقدس کے جسم کا سایہ دامن زمین پر رگڑتا ہوا نہیں چلتا تھا، حالانکہ حضور کے سایہ کرام میں تمام انسان چین کی نیند سوتے ہیں، اس سے حیرت انگیز بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس امر کی شہادت قرآن دیتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "نور مبین" ہیں اور حضور کا سایہ نہ ہونا بشر ہونے کے منافی نہیں"

(نسیم الریاض، مطبوعہ مصر، جلد:۳،ص:۳۱۹)

(۳) امام اجل، شیخ شہاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، مکی، ہاشمی (المتوفی ۸۵۲ھ) قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"وَمِمَّا يُؤَيِّدُ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَارَ نُوْرًا اِنَّهُ اِذَا مَشٰى فِى الشَّمْسِ اَوِ الْقَمَرِ لَا يُظْهَرُ لَهُ ظِلٌّ لِاَنَّهُ لَا يُظْهَرُ اِلَّا لِكَثِيْفٍ وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَلَّصَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ سَائِرِ الْكَثَافَاتِ الْجِسْمَانِيَّةِ وَصَيَّرَهُ نُوْرًا صِرْفًا لَا يُظْهَرُ لَهُ ظِلٌّ اَصْلًا"

ترجمہ:- "اس بات کی تائید میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراپا نور تھے، اس واقعہ کا اظہار [illegible] دھوپ

میں نظر آتا تھا اور نہ چاندنی میں نظر آتا تھا۔ اس لیے کہ سایہ کثیف (دبیز۔
Thick) چیز کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس کو تمام جسمانی
کثافتوں سے پاک کرکے انہیں "نورِ محض" بنادیا تھا، اور اسی لیے حضورِ
اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

(اُفضل القریٰ، ص:۷۲)

(۴) شیخ محقق، شاہ محمد عبد الحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک محدث دہلوی
المتوفی ۱۰۵۲ھ قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"وَ نَبُوْدْ آنْ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رَا سَایَہ نَہ دَرْ آفْتَابْ وَ نَہ دَرْ قَمَرْ"

ترجمہ:- "حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں پڑتا تھا
اور نہ ماہتاب کی چاندنی میں پڑتا تھا۔"

(مدارج النبوۃ، فارسی، جلد:۱، ص:۲۱)

(۵) امام ربانی، مجدد الف ثانی، حضرت شیخ فاروق نقشبندی سرہندی علیہ الرحمۃ
والرضوان اپنے مکتوبات عالیہ جلیلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"اُوْ رَا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سَایَہ نَبُوْدْ در عَالَمْ شَہَادَتْ سَایَۂ ہر شخص لَطِیْف تَرْ اَسْت چُوں لَطِیْفْ تَرْ اَزْ وِےْ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دَرْ عَالَمْ نَبَاشَدْ اُوْ رَا سَایَہ چِہ صُوْرَتْ دَارَدْ"

ترجمہ:- "حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
عالم شہادت میں ہر چیز (شخص) سے اس کا سایہ لطیف (باریک/
Delicate) ہوتا ہے اور حضورِ اقدس کی شان یہ ہے کہ کائنات میں ان
سے زیادہ لطیف کوئی چیز ہے ہی نہیں پھر حضور کا سایہ کیوں کر پڑتا۔"

(مکتوبات [illegible] ۱۲۷)

⊙ علاوہ ازیں ملت اسلامیہ کے جلیل القدر ائمہ وعلماء مشائخ ⊙ امام اجل علامہ احمد بن محمد خطیب المصری القسطلانی ⊙ امام جلیل محقق تقی الملۃ والدین علامہ ابوالحسن علی سبکی ⊙ علامہ امام علی بن سلطان محمد ہروی قاری مکی حنفی المعروف بہ ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ ⊙ علامہ حسین بن محمد دیار بکری ⊙ علامہ جلال الدین رومی ⊙ علامہ سلیمان جمل ⊙ استاذ العلماء ومرجع علماء، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ⊙ امام راغب اصفہانی وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اپنی معتبر و مستند کتب معتمدہ میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا۔

⊙ ”نورانی چہرہ کا بے مثل جمال“

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی نورانیت اور روشنی کے سامنے آفتاب اور ماہتاب کی روشنی کی بھی کوئی بساط نہیں۔ بلکہ چاند اور سورج میں جو روشنی اور تابانی ہے وہ بھی اسی رخ انور کی روشنی کا صدقہ اور طفیل ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور بالخصوص آپ کا نورانی چہرۂ اقدس جمال الٰہی کا مظہر اور ”ید اللہ“ کا سب سے بہترین شاہکار تخلیق ہے۔ چند حوالے پیش خدمت ہیں:-

⊙ جس نے آپ کو دیکھا اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا:-

حضور اقدس، باعث ایجاد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ”مَنْ رَاٰنِی فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ“ یعنی ”جس نے مجھ کو دیکھا، اس نے حق کو دیکھا“۔ امام جلیل، علامہ نبہانی نے حضرت احمد بن ادریس کے حوالے سے مذکور حدیث شریف میں وارد لفظ ”الحق“ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”مَنْ رَاٰنِی فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ تَعَالٰی“ یعنی ”جس نے مجھ کو دیکھا، اس نے حق تبارک وتعالیٰ کو دیکھا“

⊙ چہرۂ اقدس انوار الٰہیہ کا آئینہ

عاشق رسول، حجۃ اللہ فی الہند، محقق علی الاطلاق، حضرت شیخ، شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ چہرۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمالِ الٰہی کا آئینہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "اَمَّا وَجْهُ شَرِيف وِے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مِرْآتِ جَمَالِ اِلٰهِى وَ مَظْهَرِ اَنْوَارِ نَامُتَنَاهِى وِے بُوْد" یعنی "آپ کا چہرا انوارِ الٰہیہ کا آئینہ اور لامتناہی انوارِ الٰہیہ کا مظہر ہے" (مدارج النبوۃ، فارسی، جلد:۱، ص:۳)

⊙ چہرۂ انور سورج کی طرح درخشاں:-

حضرت اُمّ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت کے بعد اپنے تاثرات کا ان الفاظ میں اظہار فرماتی ہیں کہ "رَاَيْتُ رَجُلًا ظَاهِرَ الْوَضَاءَةِ مُتَبَلِّجَ الْوَجْهِ" یعنی "آپ کے چہرۂ اقدس میں سورج کی سی تابانی اور درخشندگی تھی۔" (سبیل الہدیٰ، عربی، جلد:۲، ص:۵۶)

⊙ چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن:-

"حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَألَأُ وَجْهُهٗ وَ تَلَالُؤُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ" ترجمہ:- "مشاہدہ کرنے والوں کی نظر میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عظیم، بزرگ، معظم اور مہیب تھے۔ گویا کہ آپ کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن اور تاباں تھا۔" (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۴)

⊙ آفتاب کی طرح چمکنے والا چہرۂ انور:-

"ایک مرتبہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت ابو عبیدہ نے حضرت ربیعہ بنت مسعود کہ جو صحابیہ تھیں، ان سے عرض کیا کہ آپ مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا کچھ حال بتائیں، انہوں نے فرمایا کہ يَا بُنَيَّ لَوْ

وَاٰیتَہٗ لَقُلْتُ اَلشَّمْسُ طَالِعَۃٌ" ترجمہ:- "اے بیٹے! اگر تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس دیکھتا، تو پکار اٹھتا کہ جیسے سورج چمک رہا ہے۔"

(الداری، عربی، جلد:۱، ص:۳۳)

چاند سے بھی زیادہ منور چہرۂ انور:-

"حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چاندنی راتوں میں دیکھا ہے۔ اس وقت آپ کے جسم اقدس پر سرخ جوڑا تھا۔ میں کبھی آپ کے روئے انور کو دیکھتا اور کبھی چاند کی تابانی کو۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک چاند سے بھی زیادہ بہتر آپ معلوم ہوتے تھے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۴۰)

چہرۂ انور کی روشنی سے گم شدہ سوئی مل گئی:-

"ابن عساکر نے حضرت ام المؤمنین، محبوبہ محبوب رب العالمین، حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ میں رات میں سحری کے وقت سی رہی تھی کہ میرے ہاتھ سے سوئی (Needle) گر گئی۔ میں نے چراغ کی روشنی میں گم شدہ سوئی تلاش کی مگر نہ ملی۔ اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے چہرۂ انور کی روشنی سے پورا کمرہ روشن ہو گیا۔ اور اسی روشنی کے اُجالے میں میں نے اپنی گم شدہ سوئی ڈھونڈھ لی۔"

(خصائص کبریٰ فی معجزات خیر الوریٰ، اُردو ترجمہ، جلد۱، ص ۱۵۹)

سب سے زیادہ حسین اور جمیل:-

"بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ [illegible] علیہ وسلم تمام

لوگوں میں سب سے زیادہ خوبرو اور خوش خو تھے۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" ترجمہ:- "میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ حسین اور بہتر کسی چیز کو نہیں دیکھا۔"

(مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱،ص:۱۱)

"پسینہ مبارک کی خوشبو سب سے اعلیٰ مہک"

حضور اکرم، نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک پسینے سے ایسی دل کش اور نرالی خوشبو آتی تھی کہ اس خوشبو کے سامنے مشک و عنبر کی خوشبو کی کوئی حیثیت و وقعت نہ تھی بلکہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ خوشبو اور دنیا کے سب سے قیمتی اور عمدہ عطر کی خوشبو بھی حضور اقدس کے عرق اطہر یعنی مبارک پسینے کی خوشبو کے سامنے ہیچ تھی۔ کتب احادیث میں اس عنوان سے متعلق متعدد روایات منقول ہیں۔ ان تمام روایات کا یہاں پر بیان کرنا ممکن نہیں۔ لہذا چند روایات احادیث پیش خدمت ہیں:-

تمام خوشبوؤں سے بہترین پسینۂ اطہر کی خوشبو:-

"امام مسلم اور ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک روز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور دوپہر کے وقت قیلولہ فرمایا۔ چونکہ حضور اقدس کو نیند کی حالت میں پسینہ بہت آتا تھا۔ تو جب آپ کو پسینہ آنے لگا تو میری والدہ ماجدہ "اُمِ سلیم" ایک شیشی میں آپ کا پسینہ جمع کرنے لگیں۔ اسی دوران حضور کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے میری والدہ سے فرمایا کہ اے اُمِ سلیم! تم یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ کا پسینہ جمع کر رہی ہوں تا کہ اسے میں بطور خوشبو استعمال کروں کیونکہ اس کی خوشبو

(حوالہ:- ❶ مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۴۷)

❷ خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۶۶)

⦿ دلہن کے لیے پسینۂ اطہر کی خوشبو لگانے سے پورا شہر مہک اُٹھا:-

''ابویعلیٰ اور طبرانی نے اوسط میں اور ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اپنی بیٹی کی شادی کر رہا ہوں، آپ براہِ کرم تھوڑی خوشبو عطا فرما کر میری مدد فرمائیں، حضور اقدس نے فرمایا کہ اس وقت تو کچھ موجود نہیں، لیکن تم کھلے منہ کی شیشی اور درخت کی ٹہنی لے آؤ۔ چنانچہ وہ شخص دونوں چیزیں لایا۔ حضور اقدس نے دونوں کلائیوں سے مبارک پسینہ پونچھ کر شیشی کو بھر دیا۔ اور اس شخص کو شیشی عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شیشی اپنی بیٹی کو دے دو اور اس سے کہو کہ یہ ٹہنی (لکڑی) کو شیشی میں ڈبو کر خوشبو لگائے۔ اس لڑکی نے جب پسینۂ اطہر کی خوشبو لگائی تو پورا مدینہ منورہ شہر اس کی خوشبو سے مہک اُٹھا اور اس شخص کے گھر کو ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ اس کے گھر کو "بَیْتُ الْمُطَیِّبِیْن" یعنی "خوشبوؤں کا گھر" کے نام سے شہرت ہوگئی اور اس کے گھر کا یہی نام رکھ دیا گیا۔''

(حوالہ:- ❶ خصائص کبریٰ اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۶۸

❷ مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۴۷)

✪ حضور اقدس جس راستے سے گزرتے تھے وہ راستہ مہک اُٹھتا تھا:-

⦿ ''دارمی، بیہقی اور ابونعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چند مخصوص علامتیں تھیں۔ حضور جب کوئی

راستہ طے فرماتے تو وہ راستہ جسم اطہر کی خوشبو سے مہک جاتا اور لوگ جان لیتے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس راستے سے گزرے ہیں۔"

- "ابن سعد اور ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمارے سامنے تشریف لانے سے پہلے ہی ہم جسم اقدس کی خوشبو سے آپ کو پہچان لیتے تھے کہ حضور تشریف لا رہے ہیں۔"
- "بزاز اور ابویعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ مدینہ طیبہ کے راہ گیر راستوں کی خوشبو سے جان لیتے تھے کہ حضور ادھر سے گزرے ہیں۔"
- "دارمی نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رات کی تاریکی میں آپ کے جسم اطہر کی خوشبو سے ہم پہچان لیتے تھے۔"
- "ابونعیم نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے کا پسینہ موتی کی طرح تھا اور خوشبو میں مثل مشک ختن تھا۔"

(حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ۱۶۷، اور ۱۶۸

(۲) مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۴۸)

جس کے بدن کو حضور ہاتھ سے مَس فرماتے، اس میں بھی خوشبو پیدا ہو جاتی:

"حضرت عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ حضرت اُمّ عاصم بیان کرتی ہیں کہ ہم چار (۴) عورتیں عتبہ کی زوجیت میں تھیں اور ہم میں سے ہر ایک یہی کوشش کرتی کہ زیادہ سے زیادہ خوشبو میں بس کر عتبہ کے قریب جائیں۔ ہم سب اس کوشش میں بہت زیادہ خوشبو کا استعمال کرتیں لیکن ہم میں سے کسی کی خوشبو ہمارے شوہر عتبہ کی خوشبو تک نہ پہونچتی تھی حالانکہ حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف روغن (تیل) کو اپنے ہاتھوں سے چھواتے اور اسے اپنی ڈاڑھی

پر مل لیتے تھے مگر اس کی خوشبو ہم سب پر غالب رہتی تھی۔ اور حضرت عتبہ جب باہر جاتے تو لوگ بھی یہی کہتے تھے کہ ہم اچھی سے اچھی خوشبو استعمال کرتے ہیں لیکن کوئی خوشبو عتبہ کی خوشبو سے تیز نہیں۔

اُم عاصم فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت عتبہ سے کہا کہ ہم سب خوشبو کے استعمال میں خوب کوشش کرتے ہیں لیکن تمہاری خوشبو تک ہماری خوشبو نہیں پہونچتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ حضرت عتبہ نے جواب میں فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھے "شری" یعنی گرمی کے دانے نکل آئے تھے۔ (اس مرض میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے سارے بدن میں چنگاریاں لگی ہوئی ہیں) تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر اپنے مرض کی شکایت کی تاکہ علاج فرمادیں۔ اس پر حضور اقدس نے فرمایا کہ اپنے اوپر کے بدن کے کپڑے اُتار دو۔ میں اپنے بدن کے اوپر کے حصہ کے کپڑے اُتار کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر حضور اقدس نے میری پشت اور شکم پر اپنا دستِ اقدس (مبارک ہاتھ) ملا۔ اس وقت سے یہ خوشبو مجھ میں پیدا ہوگئی ہے۔

اس روایت کو امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد ایوب طبرانی (المتوفی ۳۶۰ھ) قدس سرہٗ نے اپنی کتاب "معجم صغیر" میں نقل فرمایا ہے۔"

(حوالہ مدارج النبوۃ اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۴۷)

مشک و عنبر سے جسم اقدس کی خوشبو عمدہ اور بہتر :-

"حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ہر خوشبو خواہ مشک ہو یا عنبر ہو، سونگھی ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبوئے اطہر سے عمدہ اور بہتر کوئی بھی خوشبو نہ تھی۔" (مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص-۴۷)

نوٹ :-

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ہمسری کا دعویٰ کرنے والے اپنی بغل (Armpit) میں اپنا ہاتھ رگڑ کر، پسینہ سے تر کرکے، پھر ناک پر رکھ کر ہاتھ کو گہری سانس لے کر سونگھیں اور تجربہ کریں کہ ہاتھ سے خوشبو آتی ہے یا دماغ پھٹ جائے ایسی بدبو آتی ہے؟ تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو بیل اور بھینسے جیسا موٹا بدن لے کر گلی گلی اور ڈگر ڈگر تبلیغ نفاق کرتے گھومتے ہیں اور ان کے مکروہ جسم سے پسینہ کی ایسی قبیح بدبو آتی ہے کہ خود ان کے اعزہ و اقرباء بھی ان کے پسینہ کی بوئے بد اور تعفن سے بیزار ہو جائیں اور متلی و ابکائی محسوس کریں۔ ایسے لوگ کس منہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتے ہیں؟

"مقدس کان کی قوت سماعت"

حضور اقدس، کان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس کانوں (Ear) کی قوت سامعہ کا یہ عالم تھا کہ سرزمین مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہو کر آسمان کی آواز بغیر کسی رابطہ یا وسائل کے سماعت فرما لیتے تھے۔

✪ آسمان کی چرچراہٹ سماعت فرمانا:-

"حضرت ابوذر اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ اِنِّیْ اَسْمَعُ اَطِیْطَ السَّمَاءِ"

ترجمہ:- "میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ اس وقت میں آسمان کی چرچراہٹ سن رہا ہوں۔"

اس حدیث کو امام ترمذی، ابن ماجہ اور ابونعیم نے بھی روایت فرمایا ہے۔

(حوالہ:-خصائص کبریٰ اُردو ترجمہ، جلد:۱،ص ۱۶۵)

شکم مادر سے لوحِ محفوظ پر چلنے والے قلم کی آواز سننا:-

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

"وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ كُنْتُ اَسْمَعُ صَرِیْرَ الْقَلَمِ عَلَی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَاَنَا فِیْ ظُلْمَةِ الْاَحْشَاءِ، وَكُنْتُ اَسْمَعُ سُجُوْدَ الْقَمَرِ اَمَامَ الْعَرْشِ وَاَنَا فِیْ ظُلْمَةِ الْاَحْشَاءِ"

ترجمہ:- "قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں شکم مادر میں لوح محفوظ پر چلنے والے قلم کی آواز سنتا تھا اور اسی طرح شکم مادر میں میں چاند کے عرش کے سامنے سربسجود ہونے کی آواز بھی سنتا تھا۔"

"حضورِ اقدس کے لعاب دہن کا اعجاز"

حضورِ اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعاب دہن (تھوک مبارک Holy Spittle) کا وہ اعجاز اور کمال تھا کہ اگر ترش (کھاری) کنوے میں لعاب دہن کے چند مقدس قطرات ڈال دیے جاتے، تو کھاری کنواں شیریں ہو جاتا تھا اور کنوے کے پانی میں ایک نرالی مہک اور خوشبو پیدا ہو جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ہر قسم کی بیماری سے فوراً شفا اور تندرستی حاصل کرنے کے لیے لعاب دہنِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکسیر کا کام کرتا تھ۔ چند واقعات احادیث کتب معتبرہ مستندہ اور معتمدہ کے حوالوں سے پیش خدمت ہیں:-

کھاری کنواں مدینہ کا سب سے میٹھا کنواں بن گیا:-

''ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرماتے ہیں ہمارے گھر میں ایک کنواں تھا۔ اس کنویں میں ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت انس کی گزارش پر اپنا مقدس لعاب دہن ڈال دیا۔ اس روز سے اس کنویں کے پانی کی یہ کیفیت تھی کہ "فَلَمْ یَکُنْ بِالْمَدِیْنَۃِ بِئْرٌ اَعْجَبُ مِنْهَا" یعنی تمام مدینہ منورہ میں ایسے شیریں پانی والا ایک بھی کنواں نہ تھا۔'' (حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۵۶ اور (۲) شواہد النبوۃ، از علامہ جامی، اُردو ترجمہ، ص:۲۲۸)

✪ کنویں کے پانی میں مشک کی خوشبو پیدا ہوگئی:-

''امام احمد، ابن ماجہ، بیہقی اور ابونعیم نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پانی کا ایک ڈول لایا گیا۔ حضورِ اقدس نے اس ڈول سے پانی نوش فرمایا پھر ایک کنویں میں کلی فرمادی۔ جس کے بعد سے اس کنویں کے پانی میں مشک کی خوشبو آنے لگی۔'' (حوالہ:- خصائص کبریٰ اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۵۶)

✪ حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ کی دُکھتی آنکھیں فوراً اچھی ہوگئیں:-

''بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ خیبر کے دن حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کل میں اسلام کا جھنڈا (علم) ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا، جس کو اللہ اور اس کا رسول پسند فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں پر خیبر فتح فرمادے گا۔'' اس اعلان پر تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رات بھر یہ آرزو اور دُعا کرتے رہے کہ یہ سعادت مجھ کو نصیب ہو۔

جب صبح ہوئی تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی بن ابی

طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے ہر طرف سے عرض کیا کہ وہ یہیں ہیں لیکن ان کی آنکھ اتنی درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک کو نہیں دیکھ سکتے۔ حضور اقدس نے فرمایا کہ ان کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تھام کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لے آئے۔ حضور اقدس نے حضرت علی کے سر کو اپنی مبارک ران پر رکھا اور اپنا مقدس لعاب دہن حضرت علی کی آنکھ میں لگا دیا۔ اسی وقت فوراً ان کی آنکھ سے درد جاتا رہا اور انہیں شفائے کلی حاصل ہو گئی۔ اس دن کے بعد حضرت سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کبھی بھی دردِ چشم اور دردِ سر لاحق نہ ہوا۔" (مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۳۱۲)

✪ یمن کا کھاری کنواں یمن کا سب سے میٹھا کنواں بن گیا:-

"حضرت محدث ابن السکن نے حضرت ہمام بن نفیل السعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں یمن (Yaman) سے مدینہ منورہ آ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! ہم نے پانی کے لیے ایک کنواں کھودا ہے مگر اس کا پانی نہایت کڑوا اور نمکین ہے۔ جو پینے کے قابل نہیں۔ حضور اقدس نے ایک برتن میں پانی لیا اور نوش فرمانے کے بعد مجھے عنایت فرمایا اور حکم فرمایا کہ اس برتن کے پانی کو اس کنویں میں ڈال دینا۔ میں مدینہ طیبہ سے یمن واپس لوٹا اور حسب حکم جب وہ پانی ہم نے کنویں میں ڈالا، تو وہ کنواں اتنا شیریں ہو گیا کہ "فَهِيَ اَعْذَبُ مَاءٍ بِالْيَمَنِ" یعنی "یمن کے تمام کنوؤں سے اس کا پانی مٹھاس میں بڑھ گیا۔" (شواہد النبوۃ، از علامہ جامی، اُردو ترجمہ، ص:۲۲۳)

(حوالہ:-(۱) مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۴۶۰ اور
(۲) خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۴۴۸

⊙ ''بیہقی اور ابو نعیم نے بروایت موسیٰ بن عقبہ حضرت ابن شہاب سے اور صحابہ کرام کی ایک کثیر جماعت سے روایت کیا کہ حضرت یعلیٰ بن منیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام سے جنگ موتہ کے مجاہدین کی خبریں لے کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت یعلیٰ سے فرمایا کہ اگر تم اپنی خدمت یا فرض منصبی کی بجا آوری (Duty) کے طور پر وہاں کے حالات بتانا چاہتے ہو تو بتا سکتے ہو، حالانکہ میں جنگ موتہ کے تمام حالات سے باخبر ہوں اور اے یعلیٰ! اگر تم کہو تو میں تم کو تمام حالات مفصل طور پر صراحت کے ساتھ بتا سکتا ہوں۔ حضرت یعلیٰ نے عرض کی کہ ''پھر تو میں حضور آپ کی ہی مبارک زبان سے سننا پسند کروں گا۔

اس گزارش پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ موتہ کے تمام حالات اور کیفیات کی منظر کشی پیش فرمادی۔ جسے سن کر حضرت یعلیٰ بن منیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! فِدَاكَ اُمِّيْ وَاَبِيْ یعنی میرے ماں، باپ آپ پر قربان ہوں۔ میدان جنگ کے مکمل اور تفصیلی حالات جس صحت کے ساتھ آپ نے بیان فرمائے ہیں میں یقین کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ جنگ کے میدان میں موجود ہو کر دیکھنے والا بھی اس طرح تمام واقعات وحالات بیان کرنے پر قدرت نہیں رکھ سکے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے سے زمین کے تمام حجابات اُٹھادیے ہیں اور میں مجموعی حیثیت سے مجاہدوں کے پورے لشکر کو اور انفرادی طور پر لشکر کے ہر فرد (شخص) کو دیکھتا رہا ہوں۔'' (حوالہ:- خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۴۹۷، اور ص:۴۹۸)

✪ آگے بجنگ میں کی...

- ''ابن عدی، بیہقی اور ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُمّ المومنین، سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تاریکی (اندھیرے) میں اسی طرح دیکھتے تھے، جس طرح لوگ روشنی اور نور میں دیکھتے ہیں۔''
- ''بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اندھیری اور سیاہ رات میں اسی طرح دیکھتے تھے، جیسے روشنی میں دیکھا جاتا ہے۔''
- ''امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ'' کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں صرف سامنے ہی دیکھتا ہوں؟ خدا کی قسم! تمہارے رکوع اور سجدے مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ بلاشبہ میں پشت کے (پیٹھ کے) پیچھے سے تم کو دیکھتا ہوں۔''
- ''ابو نعیم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' میں اپنی پشت کی جانب سے بھی تم کو دیکھتا ہوں۔''
- ''عبدالرزاق نے اپنی جامع میں اور حاکم و بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ'' بے شک! میں اپنی پشت کی جانب سے ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسا کہ سامنے سے دیکھتا ہوں۔''
- ''حمیدی نے اپنی مسند میں اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے مجاہد سے قرآن مجید کی آیت کریمہ **"اَلَّذِیْنَ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ"** کی تفسیر میں بیان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پیچھے کی صفوں کو ایسے ہی دیکھتے تھے جیسے اپنے سامنے کی طرف دیکھتے تھے۔''

(حوالہ:-(۱) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۵۵، ۱۵۶ اور (۲) [illegible] اردو [illegible])

''حضورِ اقدس کے دیگر جسمانی خصائص''

جسمِ اقدس پر کبھی مکھی نہ بیٹھی اور کپڑوں میں جوُں نہ پڑی:-

- ''امام قاضی عیاض نے ''کتاب الشفاء'' میں اور غرفی نے اپنی کتاب ''المولد'' میں بیان کیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ حضورِ اقدس کے مقدس جسم پر کبھی بھی مکھی نہ بیٹھتی تھی۔''

- ''ابن سبع نے ''الخصائص'' میں اسے ان الفاظ سے بیان کیا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑوں پر کبھی مکھی نہ بیٹھتی تھی اور حضورِ اقدس کے خصائص میں اتنا زیادہ کیا کہ جوں آپ کو نہ کاٹتی تھی۔ (یعنی کپڑوں میں جُوں نہ پڑتی تھی)''

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۶۹)

حضورِ اقدس طبعی طور پر جماہی سے منزہ تھے:-

- ''امام بخاری نے تاریخ میں، ابن ابی شیبہ نے اپنی تصنیف میں اور ابن سعد نے یزید بن الاصم سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی جماہی (Yawn)

نہیں آئی۔ ابن ابی شیبہ نے مسلمہ بن عبدالملک بن مروان سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی جمائی نہیں لی۔"

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۶۹)

دستِ اقدس (ہاتھ) کا پُرکیف اعجاز

⊙ "حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے رخسار پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ تو میں نے ایسی ٹھنڈک اور خوشبو پائی کہ گویا آپ نے ابھی عطر کی ڈبیہ سے اپنا دستِ اقدس نکالا ہے۔ اور جو کوئی بھی آپ سے مصافحہ کرتا وہ تمام دن اپنے ہاتھوں میں خوشبو پاتا۔ آپ جس بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے، وہ آپ کی خوشبو کی وجہ سے تمام بچوں میں ممتاز اور معروف ہو جاتا۔"

(حوالہ:- مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد ۱، ص: ۴۸)

⊙ "حضرت عمر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیرا اور برکت کی دُعا کی، تو ان کی اسّی (۸۰) سال کی عمر ہوئی وہاں تک وہ جوان تھے اور اسّی (۸۰) سال کی عمر میں ہنوز جوانی کی حالت میں انتقال فرمایا۔"

⊙ "حضرت قیس بن جذامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا اور دُعا فرمائی۔ چنانچہ جب حضرت قیس کی عمر ایک سو (۱۰۰) سال کی ہوئی تب ان کے سر کے تمام بال سفید ہو گئے مگر وہ حصہ جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست پاک پھیرا تھا، اس حصہ کے بال سیاہ تھے۔"

⊙ "حضرت عابد بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "جنگ حنین" کے دن زخمی ہو گئے تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس کو ان کے چہرے پر پھیر کر

چہرے کو پاک اور صاف فرما کر دُعا فرمائی۔ اس دن کے بعد حضرت عابد کا چہرہ ہمیشہ چمکتا رہتا تھا اور ان کا لقب "غر" یعنی "چمکنے والا" مشہور ہو گیا۔"

⊙ ''حضرت حنظلہ بن جذیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دستِ اقدس رکھا اور برکت کی دُعا فرمائی۔ تو ان کا یہ حال تھا کہ جن لوگوں کے چہروں پر ورم (سوجن / Swelling) آجاتا تھا، یا جن بکریوں کے تھن (پستان / Breast) میں ورم آجاتا، ان کو حضرت حنظلہ کے پاس لے آتے تھے اور حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سر کا وہ حصہ جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست کرم پھیرا تھا، اس حصے کو ورم والے مقام سے مَس (Touch) کرتے تھے، تو فوراً ان بیماروں کا ورم جاتا رہتا تھا۔"

⊙ ''ایک گنجا (Bald) لڑکا خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں لایا گیا۔ اس لڑکے کے سر میں گنج تھا۔ حضور اقدس نے اس بچے کے سر پر اپنا دست کرم پھیرا، تو وہ اسی وقت ٹھیک اور صحت یاب ہو گیا اور اس کے سر کے بال برابر نکل آئے۔"
اسی طرح جو بیمار اور دیوانے بچے خدمت اقدس میں لائے جاتے اور اگر ان میں سے کوئی بچہ جسے دیوانگی یا آسیب ہوتا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے سینہ پر دست مبارک مارتے، تو اس کی دیوانگی اور آسیب جاتا رہتا اور بچہ تندرست ہو جاتا تھا۔"

(مذکورہ ۵ واقعات بحوالہ:۔ مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۳۶۷ اور ۳۶۸)

⊙ **ٹوٹا ہوا پاؤں دستِ اقدس پھیرتے ہی درست ہو گیا:۔**

''صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گستاخ رسول اور دشمن اسلام ابورافع یہودی کو اس کے گھر جا کر قتل کیا تب چاندنی رات تھی ابورافع یہودی کو قتل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عتیک اس کے مکان سے جلدی جلدی نکلنے کے لیے تیز رفتاری سے زینہ اُتر

رہے تھے، تو ان کا پاؤں پھسل گیا اور زمین پر گر پڑے اور ان کے پاؤں کی پنڈلی (Calve) ٹوٹ گئی۔ لیکن اس کے باوجود بھی حضرت عبداللہ وہاں سے بھاگ نکلے اور اسی حالت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست کرم حضرت عبداللہ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر پھیرا، تو وہ اسی وقت شفایاب ہو گئے۔''

(حوالہ:- (۱) مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ۳۵۸ اور (۲) خصائص الکبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۴۲۵)

⊙ زخمی آنکھ کا رخسار پر لٹک جانا اور دستِ اقدس نے درست فرما دیا:

''ابن سعد نے زید بن اسلم سے روایت کی کہ جنگ بدر میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ کو ایسا شدید صدمہ پہونچا کہ اُن کی آنکھ کا پورا ڈھیلا نکل کر رخسار پر لٹک پڑا۔ حضرت قتادہ بن نعمان اپنی لٹکی ہوئی آنکھ کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہونچ گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ کی اس لٹکی ہوئی آنکھ کو اس کے حلقے میں رکھ دیا اور اپنا دستِ اقدس اس پر پھیر دیا تو ان کی آنکھ اسی وقت ایسی درست ہو گئی کہ گویا آنکھ کو کوئی صدمہ پہونچا ہی نہ تھا۔''

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۳۸۶)

الختصر! ایسے بے شمار واقعات کتب احادیث وسیر میں مذکور ومرقوم ہیں جن کا بالکلیہ یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں جسم اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیگر نورانی اعضاء کے معجزات، خصائص، فضائل اور کمالات اتنی کثیر تعداد میں مروی ہیں کہ جن کو بیان وحصر میں لانے کے لیے دفاتر درکار ہیں۔ معزز قارئین کی ضیافت طبع کی خاطر فقیر نے چند واقعات ارقام کر دیے ہیں، جن کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ثابت ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت عام انسانوں کی طرح نہیں تھی بلکہ بے مثل ومثال ''نوری

بشریت'' تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا نہ کسی کو بنایا ہے اور نہ بنائے گا۔ عام انسان تو در کنار بلکہ انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی مقدس جماعت میں سے بھی کسی ایک کو اپنے محبوب اکرم کی شکل نہ بنایا۔

بے شک! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نوع انسانی کے ایک فرد ہونے کی وجہ سے ''انسان اور بشر'' ہی تھے۔ آپ نوعِ ملائکہ یا جنات سے نہیں تھے بلکہ انسان ہی تھے لیکن عام انسانوں کی طرح نہیں تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صورت بشری میں ہی دنیا میں بھیجا تھا۔ حقیقت نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشری جامہ کیوں پہنایا گیا؟ اور اس میں کیا حکمت تھی؟ اس کی تفصیلی وضاحت آئندہ صفحات میں ہم پیش کریں گے۔ اس وقت ہم صرف یہی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ''نوری بشریت'' کا عام انسانوں کی بشریت سے کوئی علاقہ بعید بھی نہیں۔ کہاں اس "نُورٌ مِنْ نُورِ اللّٰہِ" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نوری بشریت اور کہاں ہماری تمہاری عام بشریت؟ مساوات اور ہمسری کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن دورِ حاضر کے منافقین اپنی اوقات کیا ہے؟ اس حقیقت کو فراموش کرکے ''یہ منہ اور مسور کی دال'' والی مثل پر عمل پیرا ہو کر معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے باطل اور مضحکہ خیز دعویٰ کو مناسب ٹھہرانے کے لیے قرآن مجید کی مقدس آیت کریمہ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کریمہ کی مفصل وضاحت اوراق سابقہ میں ہم نے پیش کردی ہے۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیت کریمہ پیش کر کے دورِ حاضر کے منافقین بھولے بھالے سادہ لوح اور کم علم لوگوں کو بہکانے کے لیے ایسا بھی کہتے ہیں کہ قرآن کے ارشاد کے مطابق نبی بھی بشر ہیں اور ہم بھی بشر ہیں لہٰذا بشر ہونے کے معاملہ میں ہم بھی نبی کی طرح ہیں۔ ان کی یہ بات زمانہ ماضی کے کفار، مشرکین، منافقین، یہود اور نصاریٰ کی بولی کی ترجمانی اور عکاسی ہے۔ صرف انسان ہونے کی حقیقت کی بنا پر ہرگز ہمسری اور برابری کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً:-

⊙ ”یاقوت(Ruby)،نیلم(Sapphier)،زمرد (Emerald)،الماس (Diamond)اور دیگر قیمتی جواہرات زمین سے برآمد ہونے کی وجہ سے معدنیات (Mineral)ہی ہیں اور ایک قسم کے پتھر ہی ہیں۔اسی طرح ہمارے مکانوں کے بیت الخلاء(Latrine)کے فرش میں جو بچھایا جاتا ہے۔وہ بھی پتھر(Stone) ہی ہے لیکن دونوں میں کتنا فرق ہے۔ جو پتھر قیمتی جواہرات کی شکل میں ہے وہ بادشاہوں کے تاج کی زینت بن کر اپنی اہمیت کا لوہا منواتا ہے۔زیورات میں جڑا جاتا ہے اور زیورات کے ساتھ تجوری میں حفاظت سے رکھا جاتا ہے جبکہ بیت الخلاء (پاخانہ) کا فرش بھی پتھر ہی ہے لیکن مکان میں رہنے والے متعدد افراد دن اور رات میں کئی مرتبہ اپنے بول و براز سے اُسے نجس سے نجس تر بناتے رہتے ہیں۔ اب کوئی سرپھرا اور شرپسند یہ کہے کہ بادشاہ کے تاج کا جواہر اور بیت الخلاء کے فرش کا پتھر دونوں ہمسر اور مساوی ہیں کیونکہ دونوں مَعدَن (Mine) سے نکلنے کی وجہ سے اقسام مَعدَنیات سے ہیں اور دونوں میں "اَنَا مَعدَنٌ مِّثلُکُم" کی مساوات اور ہمسری ہے ایسے شخص کے لیے صرف یہی کہا جائے گا کہ جناب والا سے عقل وفہم کوسوں دور ہے۔بلامثال وتمثیل جو شخص صرف انسان ہونے کی بناء پر نبی اور رسول سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتا ہے اس شخص کے لیے بھی یہی کہا جائے گا کہ ایں جناب کی بھی عقل کے طوطے اُڑ گئے ہیں۔

⊙ ”قرآن مجید اللہ تبارک وتعالیٰ کا مقدس کلام ہے۔ہر مسلمان کے گھر میں قرآن مجید ضرور ہوتا ہے اور اللہ کا یہ کلام یعنی قرآن مجید کتابی شکل میں ہمارے گھروں میں ہوتا ہے۔کتاب کی ہیئت یہ ہوتی ہے کہ مطبوعہ اوراق (Printed Pages) کو جلد کی شکل میں باندھتے ہیں اور اوپر کوٹا (موٹے کاغذ کا تختہ = Card Board)لگا کر گتے کے اوپر چمڑے کا غلاف جڑا جاتا ہے۔جب بھی کوئی قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے لیے قرآن مجید کو ہاتھ میں لیتا ہے تب وہ باوضو ہی قرآن مجید کو مس کرتا ہے۔علاوہ ازیں تلاوت سے قبل اور [illegible] دیتا ہے۔اس کا یہ

فعل اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام کی عظمت اور تعظیم کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ اب ذرا سوچو! جو شخص قرآن مجید کو باوضو چھوتا ہے اور تعظیم ومحبت سے چومتا ہے، وہ اس چمڑے کو چھوتا اور چومتا ہے جو جلد سازی (Binding) میں استعمال کرکے قرآن مجید کی جلد کی باہری حصہ میں چسپاں کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ قرآن مجید کی جلد میں آویختہ ہونے کی وجہ سے وہ چمڑا عظمت وتکریم کے قابل بن گیا۔

اسی طرح ہمارے پاؤں میں پہنے جانے والے جوتے، چپل میں بھی چمڑے کا استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جوتے کا چمڑا پاؤں سے روندا جاتا ہے اور راہ میں پڑی ہوئی نجاست اور گندگی سے ملوث ہوتا رہتا ہے۔ لہذا جوتے کا چمڑا اس قابل بھی نہیں ہوتا کہ اس کو مکان کے اندر داخلہ کی اجازت دی جائے۔ ہر شخص جوتے مکان کے بیرونی حصہ میں اتارنے کے بعد ہی مکان کے اندرونی حصہ میں داخل ہوتا ہے۔ اب کوئی عقل کے پیچھے لٹھ لیے پھرنے والا اور عقل کا مارا یہ کہے کہ قرآن مجید کی جلد سازی میں استعمال شدہ چمڑا اور جوتے کا چمڑا دونوں چمڑے کی اقسام سے ہونے کی وجہ مساوی اور ہمسر ہیں اور دونوں میں "اَنَا جِلْدٌ مِّثْلُکُمْ" کی مساوات وہمسری ہے، تو ایسے شخص کے لیے یقین کے درجہ میں یہی کہا جائے گا کہ جناب کی عقل کا چراغ گُل ہوگیا ہے۔

قابل غور وفکر حقیقت:۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ہمسری کا دعویٰ کرنے والے دورِ حاضر کے منافقین شاید اس حقیقت کو بھول گئے ہیں کہ صرف انسان ہونے کے ناطے امتی کا نبی کے ساتھ ہمسری اور برابری کا دعویٰ تو بہت دور کی بات ہے بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مقدس جماعت میں بھی مساوات اور ہمسری نہیں۔ بعض انبیائے کرام کو بعض انبیائے کرام پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ یعنی باعتبار درجات ومراتب تمام انبیائے کرام مساوی اور ہمسر نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

"تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ"

(پارہ:۳، سورۃ البقرۃ، آیت:۲۵۳)

ترجمہ:- "یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔" (کنز الایمان)

تفسیر:- (۱) "معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مراتب جداگانہ ہیں۔ بعض حضرات سے بعض افضل ہیں۔ یعنی خصائص و کمالات میں درجے متفاوت ہیں۔"

(۲) "اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا" سے مراد حضور پرنور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کو بدرجات کثیرہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر افضل کیا۔ اس پر تمام امت کا اجماع ہے اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔"

(۳) "آیت میں حضور اقدس کی اس رفعت مرتبت کا بیان فرمانا اور نام مبارک کی تصریح و توضیح کا نہ کیا جانا، اس سے بھی حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی اعلیٰ شان کا اظہار ہے کہ اس ذات والا کی یہ شان ہے کہ جب تمام انبیاء پر فضیلت کا بیان کیا جائے تو سوائے ذات اقدس کے یہ وصف کسی پر صادق نہ آئے اور کوئی اشتباہ راہ نہ پاسکے اور حضور اقدس کے وہ بے شمار خصائص و کمالات ہیں جن میں آپ تمام انبیاء پر فائق اور افضل ہیں اور آپ کا کوئی شریک نہیں۔" (تفسیر خزائن العرفان، ص:۷۵ اور ص:۷۶)

قارئینِ کرام مندرجہ بالا آیت کریمہ، اس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کو بغور و فکر مطالعہ

فرمائیں تو یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلیٰ درجات، کمالات، مراتب اور خصائص تک کسی بھی نبی یا رسول کی رسائی نہیں۔ یہ کسی کے گھر کی ایجاد کردہ بات نہیں، بلکہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام کائنات اور مخلوق میں سے کوئی بھی حضورِ اقدس کا ہمسر نہیں۔ تو دورِ حاضر کے منافقین کس کھیت کی مولی ہیں؟ کس منہ سے حضورِ اقدس کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں؟ جب کسی بھی نبی اور رسول نے حضورِ اقدس سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ نہیں کیا، تو دورِ حاضر کے منافقین نہ جانے اپنے کو کیا سمجھ کر ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتے ہیں؟ تعجب ہے کہ جس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اسی مقدس نبی کے ساتھ ہمسری اور برابری کا بھی باطل دعویٰ کرتے ہیں۔

⊙ ''حضرت موسیٰ علیہ والسلام نے حضور کے امتی ہونے کی تمنا فرمائی''

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ کسی بھی نبی اور رسول نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ نہیں کیا۔ حالانکہ انبیائے کرام کی جماعت تمام انسانوں سے افضل ہے۔ اپنی افضلیت اور برتری کے باوجود بھی انہوں نے حضورِ اقدس سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ نہیں کیا، البتہ اس رسول اعظم اور سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی ضرور تمنا فرمائی ہے۔

⊙ محقق علی الاطلاق، الشیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب توریت شریف کی تختیوں میں آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کی تقریباً ستر (۷۰) صفات کو پڑھا، تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا "اے خدا! اس امت کو میری امت بنادے"۔ فرمان باری تعالیٰ آیا کہ "اے موسیٰ! اس امت کو تمہاری امت کیسے بناؤں

وہ امت تو نبی آخر الزماں احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا کہ ربا! تو مجھے ہی امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سے بنا دے۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں دو خوبیاں مرحمت فرمائیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَ بِكَلَامِىْ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ"

(پارہ ۹ سورۃ الاعراف آیت ۱۴۴)

ترجمہ: "فرمایا اے موسیٰ! میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے تو لے جو میں نے تجھے عطا فرمایا اور شکر والوں میں ہو۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس انعام پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ "اے میرے رب! میں اس پر راضی ہو گیا۔"

(حوالہ: مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد: اول، ص [illegible])

حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام جیسے جلیل القدر رسول نبی نے حضور اقدس سے [illegible] کا ذکر نہیں کیا بلکہ آپ کی امت میں ہونے کی تمنا کی اور [illegible] تفضیل و محبت کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم [illegible] کا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے [illegible] علیہ [illegible] حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے جلیل القدر [illegible] امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہونے کی [illegible] امت محمدیہ میں ہونے کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے [illegible]

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضورِ اقدس کے امتی بن کر تشریف لائیں گے

حضرت سیدنا عیسیٰ بن مریم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام باعظمت نبی ہیں اور فی الحال حیات ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان پر زندہ اٹھالیا ہے۔ جس کا تفصیلی بیان قرآن شریف، پارہ: ۳، سورہ آل عمران، آیت: ۵۴ تا ۵۵ میں ہے۔ قارئین کرام کی فرحت طبع کی خاطر عرض ہے کہ چار انبیائے کرام وہ ہیں جن کی وفات ابھی تک واقع نہیں ہوئی۔ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

⊙ ''چار انبیائے کرام وہ ہیں، جن کی وفات ابھی واقع نہیں ہوئی۔ ان چار میں سے دو حضرت سیدنا ادریس اور حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام آسمان پر زندہ اٹھالیے گئے ہیں۔ اور دو یعنی حضرت الیاس اور حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام یہ دونوں زمین پر تشریف فرما ہیں۔ دریا، سمندر حضرت سیدنا خضر کے اور خشکی حضرت سیدنا الیاس کے متعلق ہے۔ (علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام)۔ یہ دونوں صاحبان ہر سال حج کو تشریف لاتے ہیں اور حج کے بعد آب زمزم شریف نوش فرماتے ہیں کہ وہی سال بھر تک ان کے کھانے پینے کو کفایت کرتا ہے۔''

(حوالہ:- فتاویٰ رضویہ شریف، جلد: ۱۲، ص: ۳۲ اور ۲۰۶)

حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام قرب قیامت یعنی قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اگرچہ آپ اپنے حال پر نبی اور رسول ہوں گے لیکن اس کے باوجود حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے حضورِ اقدس کا اتباع کریں گے اور ہمارے نبی کریم، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے۔

علاوہ ازیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر حضرت آدم یا حضرت نوح یا حضرت ابراہیم یا حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام یا کسی بھی نبی یا رسول کے زمانے میں اس دنیا میں تشریف لے آتے، تو ان پر اور ان کی امتوں پر واجب ہو جاتا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کا اتباع کریں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عہد و پیمان لیا کہ آپ کی نبوت سب کو محیط اور آپ کی بالادستی سب پر ہے۔''

(خصائص کبریٰ، امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۶۰)

الحاصل! حضرت سیدنا آدم سے لے کر حضرت سیدنا عیسیٰ تک کے تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اپنی امتوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل اور علو مرتبت سے آگاہ کر کے ان پر ایمان لانے کی ہدایت و تلقین فرمائی بلکہ تمام انبیاء و مرسلین حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مداح و نیاز مند تھے۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فیضیاب ہونے کے لیے "امت محمدیہ" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہونے کی آرزو اور تمنا فرمائی تھی۔ کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہمسر ہوں۔ حالانکہ وہ تمام حضرات منصب نبوت و رسالت پر فائز تھے لیکن انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب اعظم کا جو رتبہ، درجہ، مرتبہ، عزت، تعظیم، تکریم اور خصوصیت رب اکبر جل جلالہ کے ہاں ہے وہ کسی کو بھی حاصل نہیں۔ بلکہ اس درجے اور مرتبے پر کسی اور کے پہونچنے کا امکان ہی نہیں۔ اس مقدس ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلیٰ و ارفع مراتب و درجات کو احاطۂ حصر میں لانا ممکن ہی نہیں۔ لیکن افسوس صد افسوس! دور حاضر کے منافقین کی جرأتیں اور بے باکیاں اتنی زیادہ بڑھ گئی ہیں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجات و کمالات کو "بشر میٹر" (Basharometer) کے ذریعہ ناپنے کی سعی بیجا کرتے ہیں اور قرآن مجید کی مقدس آیت کریمہ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" سے غلط استدلال کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہہ کر توہین و تنقیص رسالت کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ اپنی برتری اور بالادستی کا اظہار کرنے کے غرور و گھمنڈ

میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر برتری کا باطل دعویٰ کرتے ہوئے بھی نہیں جھجکتے۔

منافقینِ زمانہ کا دعویٰ کہ عمل میں امتی نبی سے بڑھ سکتا ہے"

دورِ حاضر کے منافقین کے مقتدا اور پیشوا نیز دار العلوم دیوبند کے بانی آنجہانی مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب میں یہاں تک لکھا ہے کہ:-

"انبیاء اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو صرف علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل۔ اس میں بظاہر بسا اوقات امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔"

حوالہ:- "تحذیر الناس"

از:- مولوی قاسم نانوتوی، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند (یوپی) ص: ۵

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا ورد جاری رکھتے ہوئے مذکورہ عبارت پر غور فرمائیں کہ کتنے خطرناک انداز میں نبی سے ہمسری بلکہ برتری کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ عبارت کی ابتداء میں مطلق "انبیاء" کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور تمام انبیاء میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔ یعنی مفسد مصنف کا یہ کہنا ہے کہ انبیائے کرام کو اپنی امت پر جو فضیلت حاصل ہے وہ صرف علم ہی کی وجہ سے حاصل ہے اور عمل کے معاملے میں تو امتی اپنے نبی سے مساوی یعنی برابر یکساں ہو سکتا ہے بلکہ نبی سے بڑھ بھی سکتا ہے۔ دورِ حاضر کے منافقین اپنی نمازوں کی تعداد، ذکر و اذکار و دیگر اوراد و وظائف کو روزانہ شمار کرتے ہیں اور پھر اس پر کیا کیا اجر و ثواب

ملنے والا ہے اس کا حساب کرتے ہیں اور پھر اس کا میزان (جوڑ-Total) لگاتے ہیں اور اپنے عمل پر بذات خود اجر وثواب متعین کر کے اپنے من میں پھولے نہیں سماتے اور پھر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ آہا! آج تو میں نے اتنی اور اس قدر نیکی کمائی ہے اور آج کے دن میرے نامہ اعمال کے بہی کھاتے (Ledger) میں اتنی تعداد میں نیکیاں جمع (Credit) ہوئی ہیں۔ اس ریا کارانہ حرکت کو دورِ حاضر کے منافقین نے "مذاکرہ" کا نام دے رکھا ہے۔ راقم الحروف نے ٹرین کے سفر کے دوران کئی مرتبہ مشاہدہ کیا ہے کہ وہابی تبلیغی جماعت کے جاہلوں کی ٹولی کا اجہل امیر بعد نماز عشاء ہر مبلغ سے پوچھتا ہے کہ آج تم نے کیا کیا نیکی کی ہے؟ ہر مبلغ یکے بعد دیگرے اپنے امیر سے اپنا روزنامچہ بیان کرتا ہے کہ آج میں نے فرائض کے علاوہ اتنی رکعتیں نفل، اتنے کلمے، اتنے استغفار، اتنے درود، اتنے پارے کی تلاوت وغیرہا وغیرہا نیک اعمال کیے ہیں۔ جس کو سن کر امیر جماعت واہ واہ! سبحان اللہ! کہتا جائے اور اس جاہل عابد کو سراہتا جائے اور پھر حساب لگائے کہ اتنی رکعتیں نفل پڑھیں اس کا اتنا ثواب، کلموں کی نیکیوں کا اتنا میزان وغیرہا وغیرہا کا میزان لگاتا جائے اور پانچ پچیس لاکھ نیکیاں کھاتے (Account) میں جمع ہو گئیں اور ہزاروں صغیرہ کبیرہ گناہ معاف ہو گئے۔ ماشاء اللہ! آج کے دن تم نے بہت نیکیاں کمالیں۔ اپنے امیر جماعت کی زبان سے نامۂ اعمال میں اتنی ساری نیکیاں صرف ایک دن میں جمع ہونے کی سند (Credit Note) سن کر وہ جاہل مبلغ ہوا پر اڑنے لگتا ہے۔ جب دہلی یا مدراس کا چالیس دن کا چلہ پورا کر کے گھر واپس آتا ہے تو اپنی چالیس دن کی نیکیوں کا اب خود میزان (Total) لگاتا ہے تو اس کا عدد (figure) کروڑوں اور اربوں میں ہوتا ہے۔ اپنی نیکی کا اتنا بڑا عدد ہو گیا ہے علاوہ ازیں میرے لاکھوں صغیرہ وکبیرہ گناہ معاف ہو گئے ہیں لہٰذا اب میرا ایکاؤنٹ خسارہ یعنی (Debit) کے بجائے منافع (Credit) میں متبدل ہو گیا ہے۔ اور وہ جاہل مبلغ اپنے کو گناہوں سے ایسا پاک وصاف سمجھنے لگتا ہے گویا وہ آج ہی اپنی ماں کے شکم سے تولد ہوا ہو۔ اپنی نیکیوں کے خودساختہ حصول پر اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہونچ جاتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ سمجھنے لگتا ہے۔ اپنے کو صالح الاعمال اور متقی و پرہیزگار کے زمرہ میں ... جاتا ہے کہ دوسروں

کو اپنے سامنے ہیچ سمجھتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ اولیاء وانبیاء کے مقابل اپنی نیکیوں کی کثرت کا تقابل کرتا ہے۔ اس کے دماغ میں بھڑکی ہوئی تکبر اور غرور کی آگ پر دار العلوم دیو بند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی کی رسوائے زمانہ کتاب "تحذیر الناس" کی مندرجہ بالا عبارت پٹرول (Petrol) کا چھڑکاؤ کر کے اسے مزید مشتعل کرتی ہے اور نتیجتاً وہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہمسری کے دعویٰ سے متجاوز ہو کر اب برتری کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ =

جس کو استنجا، وضو، غسل اور طہارت کے اہم مسائل کی واقفیت تک نہیں، جسے نماز کے شرائط، نماز کے فرائض وواجبات اور دیگر ضروری امور کا احساس نہیں اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تب فرائض وواجبات کے ترک ہونے کی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہوتی ہے۔ جو نماز کے ارکان تک صحیح طور پر ادا نہیں کرتا اور کراہت تحریمی کی وجہ سے اس کی نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے، ایسی فتور آمیز نماز پڑھ کر اس کی عقل میں بھی فتور آتا ہے۔ اور وہ اپنے کو مقبول بارگاہ الٰہی اور مستجاب درگاہ خداوندی گردانتا ہے اور اب میرا اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ رابطہ (Direct Conetction) ہو گیا ہے۔ ایسے خیالی تصور اور خیال فاسد میں مستغرق رہتا ہے۔ وہ جاہل مبلغ انبیائے کرام کے نماز وروزے اور دیگر اعمال وحسنات کا بھی حساب لگاتا ہے اور پھر اس کا اپنی عبادت سے تقابل کرتا ہے۔ مثلاً:۔

دار العلوم دیو بند کے بانی آنجہانی مولوی قاسم نانوتوی کی رسوائے زمانہ کتاب "تحذیر الناس" کی مذکورہ عبارت کی مضحکہ خیز تاویل کرتے ہوئے دور حاضر کے منافقین یہ کہتے ہیں کہ اس عبارت میں کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے کیونکہ نانوتوی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ "عمل میں بسا اوقات امتی مساوی یعنی برابر ہو جاتا ہے بلکہ بڑھ بھی جاتا ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف ترسٹھ سال کی ہوئی ہے۔ اور نماز کی فرضیت چالیس سال کی عمر شریف میں نبوت ملنے کے بعد ہوئی ہے تو آپ نے صرف ۲۳ تئیس سال ہی نماز پڑھی ہے۔ اب اگر کسی مسلمان کے گھر کوئی لڑکا پیدا ہوا اور اس نے دس سال کی عمر سے نماز پڑھنی شروع کی اور ۔۔۔ سال کی عمر تک پابندی سے نماز

پڑھتا رہا اور انتقال کیا، تو اس نے اپنی زندگی کے ۸۵ ر پچاسی سال تک نماز پڑھی۔ لہٰذا وہ عمل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ گیا یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ عرصے اور مدت تک عبادت و ریاضت کی یا نہیں؟ اس نے حضور اقدس سے زیادہ عمل کیا یا نہیں؟ نماز کی تعداد اور ایام نماز کی تعداد کے معاملہ میں وہ حضور اقدس سے بڑھ گیا یا نہیں؟

کیسی لچر اور لغو دلیل ہے۔ اور کیسی بے تکی منطق ہے۔ حالانکہ ''تحذیر الناس'' کتاب کی مذکورہ عبارت صرف توہین و تنقیص رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غرض فاسد سے کہی اور لکھی گئی ہے لیکن وہابی تبلیغی جماعت کے مبلغین کے سامنے ان کے مقتدا و پیشوا کی مذکورہ گھنونی عبارت پیش کی جاتی ہے، تب وہ اپنے آنجہانی پیشوا ملا نانوتوی کا دفاع کرنے کے لیے مندرجہ بالا بے ڈھنگی اور پھوہڑ تاویل پیش کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقبول و مستجاب عبادت و ریاضت کو اپنی ریا کارانہ عبادت پر قیاس کر کے کثرت تعداد رکعاتِ نماز اور طولِ مدت زمانہ نماز کے ذریعے پیمائش کرتے ہیں۔ اور اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صرف ایک سجدے کا ہماری نماز کی کروڑوں بلکہ اربوں رکعتیں بھی مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ کہاں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز اور کہاں ہماری نماز!

- ''حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز میں قیام اس طرح ہوتا کہ آپ کے مبارک قدموں میں ورم آ جاتا۔ اس پر صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ اتنی محنت اور مشقت کس لیے برداشت فرماتے ہیں۔ حالانکہ آپ تو مغفور ہی ہیں۔ فرمایا خدا کی اس عنایت و کرم پر کہ اس نے مغفور بنایا، شکر گزار بندہ بن جاؤں۔''
- اُم المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر عمل لزوم اور دوام لیے ہوئے ہے۔ تم میں سے کس کی طاقت ہے؟ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جتنی مشقت برداشت کر سکے۔''
- ''حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کبھی کبھی صرف ایک ہی آیت پر ساری رات قیام میں گزار دیتے ہیں اور وہ آیت یہ ہوتی ہے:۔

"اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ" (پارہ:۷، سورۃ المائدہ، آیت:۱۱۸)

ترجمہ:۔ "اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے، تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔" (کنزالایمان)

اس سے مقصود اُمت کا عرض حال اور ان کی مغفرت کی درخواست تھی۔ منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے ہوتے اور آپ کا شکم اطہر دیگ کے جوش مارنے کی آواز کی مانند آواز دے رہا ہوتا۔"

(مندرجہ بالا تینوں روایات بحوالہ:۔ مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱،ص:۱۱۶ و ۱۱۷)

مندرجہ بالا تینوں روایات سے یہ بات ثابت کرنا مقصود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمانے میں جو محنت اور مشقت برداشت فرمائی، ایسی محنت و مشقت اور کوئی برداشت نہیں کرسکتا۔ اب کچھ احادیث کریمہ ایسی تلاوت کریں کہ جن سے معلوم ہو کہ باعتبار درجہ اور اجر و ثواب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز تک کسی کی بھی نماز نہیں پہونچ سکتی اور آپ کا عمل آپ کے لیے نافلہ ہے۔

⊙ "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ آپ کے لیے بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے کھڑے ہو کر پڑھنا۔ امام مسلم اور ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھ کر آدمی کی نماز آدھی نماز ہے۔ پھر میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضور بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر مرد کی نماز پڑھنا آدھی نماز ہے، حالانکہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ تم نے ٹھیک سنا ہے لیکن میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں ہوں۔"

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۴۰)

⊙ "امام احمد نے بسند صحیح ام المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ ان سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روزوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کیا تم لوگ حضور کے عمل کے مانند عمل کرو گے؟ کیونکہ آپ کی شان یہ ہے کہ آپ کا عمل آپ کے لیے نافلہ تھا" یعنی "آپ کو عمل کی احتیاج نہ تھی۔ جس طرح کہ ہم کو عمل کی احتیاج ہے۔ آپ کا عمل آپ کے لیے اوّل تا آخر اجر و ثواب میں زائد ہے۔" (حوالہ:- ایضاً)

⊙ "امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (المتوفی ۴۵۸ھ) نے امام مجاہد سے ارشاد رب تبارک و تعالیٰ "وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ" (پارہ:۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت:۷۹) ترجمہ:- "اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کرو، یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے۔" کے تحت روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفارۂ ذنوب (یعنی گناہ کے کفارہ) میں نافلہ ادا نہیں فرماتے تھے جیسا کہ ہم اور تم جو نوافل ادا کرتے ہیں وہ کفارۂ ذنوب کے لیے کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرائض میں خلل اور نقصان راہ پاتا ہی نہیں کیونکہ آپ معصوم ہیں۔" (خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۴۱)

الحاصل! عمل کے معاملہ میں اُمتی کبھی بھی اپنے نبی سے برابری نہیں کرسکتا۔ تو جب اُمتی نبی سے برابری نہیں کرسکتا تو نبی سے بڑھ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نبی سے مساوات اور نبی سے بڑھنا تو بہت دور کی بات ہے بلکہ جن کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت ہو جاتی ہے وہ بھی اپنے درجات و مراتب میں منفرد اور یگانہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ:-

''حضورِ اقدس کی ازواج مطہرات عام عورتوں کی طرح نہیں''

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

''یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ''

⊙ = پارہ:۲۱، سورۃ الاحزاب، آیت:۳۲ = ⊙

ترجمہ:- ''اے نبی کی بی بیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو''

(کنز الایمان)

تفسیر:- ''تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے اور تمہارا اجر سب سے بڑھ کر۔ جہاں کی عورتوں میں کوئی تمہاری ہمسر نہیں۔''

(تفسیر خزائن العرفان، ص:۷۶۰)

اس آیت کریمہ میں صاف صاف ارشاد فرمایا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس ازواج مطہرات عام عورتوں کی طرح نہیں۔ ازواج مطہرات کو یہ شرف کسی اور فضل وکمال کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہونے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ تمام ازواج مطہرات کو اُمتی کی ہی حیثیت حاصل تھی۔ کسی کو بھی نبوت کے منصب پر فائز نہیں کیا گیا تھا۔ اُن اُمتی خواتین مقدسہ کو صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زوجیت کا علاقہ اور رشتے کی نسبت ہو جانے کی وجہ سے وہ بلند مرتبہ حاصل

ہوا کہ اُمتی ہونے کے باوجود وہ تمام جہاں کی عورتوں سے مرتبہ میں افضل و اعلیٰ ہوگئیں۔ اس امت کی قیامت تک ہونے والی تمام عورتوں میں سے کسی ایک کو بھی ازواج مطہرات سے درجے اور مرتبے میں ہمسری یا برتری حاصل نہیں۔ اگر کسی عورت نے ازواج مطہرات کے ساتھ ہمسری برتری کا دعویٰ کیا تو اس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ اس نے قرآن مجید کے اس ارشاد کا کھلم کھلا خلاف کیا۔ تو جو لوگ اُمتی ہونے کے باوجود اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہمسری اور برتری کا دعویٰ کر رہے ہیں، وہ قرآن مجید کے ارشاد کی موافقت کر رہے ہیں یا مخالفت کر رہے ہیں؟ اس کا فیصلہ خود قارئین کرام فرمائیں۔

"حضورِ اقدس صورت بشری ہی میں دنیا میں کیوں تشریف فرما ہوئے؟"

یہاں تک کے مطالعے سے یہ حقیقت ظاہر ہو چکی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "سراپا نور" ہی تھے۔ نور سے ہی آپ کی پیدائش ہوئی ہے اور آپ بے مثل و مثال "نوری بشر" کی حیثیت سے اس دنیا میں تشریف لائے۔ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صورت بشری ہی میں دنیا میں کیوں تشریف لائے؟ نوری کیفیت یا بشکل فرشتہ کیوں تشریف نہ لائے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اعظم واکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نوری کیفیت یا صورت ملائک میں بھی بھیج سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صورت بشری میں ہی کیوں بھیجا؟

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک صفاتی نام "حکیم" ہے۔ عربی زبان کا ایک مشہور و معروف مقولہ ہے کہ "فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْ عَنِ الْحِکْمَۃِ" یعنی "حکیم کا کوئی بھی کام حکمت

سے خالی نہیں ہوتا۔" حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صورت بشری میں بھیجنے میں کیا حکمتِ الٰہیہ تھی؟ اس کو سمجھنے کی کوشش کریں:-

(۱) پہلی بات یہ کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب اعظم اور محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف "نوری کیفیت" کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہوتا اور اپنے محبوب کی نوری تجلیوں کو بشری جامہ میں مستور نہ فرمایا ہوتا اور صرف "نور مبین" کی کیفیت کے ساتھ جلوہ نما فرمایا ہوتا، تو کسی کی بھی طاقت وصلاحیت نہ ہوتی کہ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس مقدس "نُوْرٌ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰہِ" والی کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ بلکہ آپ کے نورانور کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا کسی کے لیے بھی ممکن نہ ہوتا۔ جب ہم آسمان میں درخشاں سورج کو ایک منٹ کے لیے بھی اپنی آنکھیں اس پر جما کر دیکھ نہیں سکتے اور سورج کی طرف نگاہ کرتے ہی ہماری آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ تو سورج بھی جن کا طفیلی ہے اور جن کے نور کے صدقہ میں سورج کو بھی روشنی ملی ہے، اس ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو بغیر کسی حجاب کے عیاناً دیکھنا کسی بھی طرح ممکن ہی نہیں تھا۔"

(۲) "حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں ایک مرتبہ عرض کی کہ:- "قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ" ترجمہ:- "عرض کی اے رب میرے! مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔" "قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ" حضرت موسیٰ کی عرض پر ارشاد باری ہوا کہ "فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔"

اس ارشاد ربانی سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کوئی بھی انسان اپنی فانی آنکھ سے دنیا میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نور کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ الحاصل! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ تم بلاواسطہ میرے نور کا جلوہ نہیں دیکھ سکو گے لہٰذا اس پہاڑ یعنی طور پر نگاہ رکھو اگر اس پہاڑ نے میرے نور کی

تجلی برداشت کرلی اور اپنے مقام پر قائم رہا تو عنقریب تم میرے دیدار سے مشرف ہو سکو گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور مقدس کی ایک تجلی کوہِ طور پر نازل فرمائی۔ قرآن مجید میں ہے کہ "فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا" ترجمہ:- "پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا، اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گرا بے ہوش۔"

(حوالہ:- پارہ: ۹، سورۃ الاعراف، آیت: ۱۴۳، ترجمہ از:- کنز الایمان)

اوراق سابقہ میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور مقدس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا ہے۔ تو حضور کا نور درحقیقت اللہ کا نور ہے۔ سورۃ الاعراف کی مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کے نور کو بالمشافہ (Face to Face) نہیں دیکھا تھا مگر اس تجلیٔ نور الٰہی کو دیکھا تھا جو کوہ طور پر گری تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے جلیل القدر نبی و رسول بھی اس نور کی تاب نہ لا سکے اور "وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا" یعنی "حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔" جب اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم المرتبت نبی و رسول بھی اللہ کے نور کو بالمشافہ نہ دیکھ سکے، تو عام انسانوں میں اتنی تاب کہاں کہ وہ اللہ کے محبوب کے نور کو روبرو اور آمنے سامنے ہو کر دیکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم کا نور جس کا مادہ اور منبع "نور اللہ" ہے۔ اس نور کو اپنے سر کی آنکھوں سے بالمشافہ دیکھنا عام انسانوں کے لیے محال و ناممکن تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو بشری جامہ پہنا کر اور بشریت کے حجاب میں مستور فرما کر اس دنیا میں بھیجا۔

(۳) اب ایک سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو انسانی جسم کا جامہ پہنا کر ہی کیوں بھیجا؟ اور بصورت فرشتہ کیوں نہیں بھیجا؟

اس سوال کا اطمینان بخش جواب حاصل کرنے کے لیے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کس لیے پیدا فرمایا ہے؟ قرآن شریف میں ہے کہ

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ"

(پارہ:۲۷،سورۃ الذاریات،آیت:۵۶)

ترجمہ:۔"اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں"۔

(کنزالایمان)

اس آیت میں فرمان الٰہی "میری بندگی کریں" کی تفسیر میں ہے کہ "اور میری معرفت حاصل ہو" (تفسیر خزائن العرفان،ص:۹۳۱) یعنی بندگی کے ذریعے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت یعنی شناخت، پہچان، واقفیت اور خدا شناسی حاصل ہو۔ لیکن انسانوں کو اللہ کی بندگی کرنے کی راہ دکھانے کے لیے اور بندگی کی راہ پر گامزن کرکے، بندگی کی رغبت اور شوق دلانے کے لیے انبیائے کرام ومرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجے۔ انبیاء ومرسلین کو انسانوں کے درمیان اور انسانوں کی رہبری وہدایت کے لیے انسانوں ہی کی شکل وصورت میں بھیجا۔ اگر انبیاء ومرسلین کو انسانوں کے بجائے فرشتوں کی شکل وصورت میں بھیجا گیا ہوتا تو عوام الناس ان سے گھبرا گئے ہوتے اور ان سے قرب ونزدیکی حاصل کرنے میں خوف وڈر محسوس کرتے۔ جیسا کہ:۔

(۴) "حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ، طاہرہ وطیبہ، حضرت سیدتنا مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عیسیٰ کی بغیر باپ کے ہونے والی ولادت اطہر کی اطلاع دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت مریم کے پاس بھیجا، تب حضرت جبرئیل کو فرشتے کی صورت میں نہیں بلکہ انسان کی شکل وصورت میں بھیجا۔ قرآن مجید میں ہے کہ "فَاَرْسَلْنَا اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا" (پارہ:۱۶،سورۂ مریم،آیت:۱۷)

ترجمہ:۔"تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی (روح الامین) بھیجا۔ وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا"۔ (کنزالایمان)

اگر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اصلی صورت میں حضرت مریم کے پاس گئے ہوتے تو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھبرا گئی ہوتیں۔ کیونکہ حضرت جبرئیل کی اصلی صورت

کے متعلق احادیث کریمہ میں وارد ہے کہ:-

- ''شیخین نے ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت جبرئیل آسمان سے زمین کی طرف اتر رہے ہیں اور ان کے وجود عظیم نے زمین اور آسمان کو گھیر لیا ہے''۔ امام احمد نے حضرت عائشہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ''حضرت جبرئیل سُندُسی (ریشمی) لباس میں ملبوس تھے جس پر موتی اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔''
- ''ابوالشیخ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ''میں نے حضرت جبرئیل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو (پر) موتیوں کے تھے اور انہوں نے مور کی مانند اپنے بازوؤں کو پھیلایا ہوا تھا۔''
- ''ابوالشیخ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سبز حُلّے (بہشتی لباس) میں دیکھا۔ اس وقت انہوں نے زمین اور آسمان کو گھیر لیا تھا۔''

(مندرجہ تینوں روایات:- بحوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص: ۲۷۶)

حضرت سیدنا جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصلی شکل و صورت اور ہیئت و کیفیت دیکھ کر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھبرا نہ جائیں اس لیے حضرت جبرئیل کو ان کے پاس انسان (بشر) کے روپ میں بھیجا گیا۔ اور حضرت جبرئیل نے حضرت مریم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہونچانے کے لیے''صورت بشری'' اختیار فرمانے کی وجہ سے حضرت جبرئیل کی حقیقت ملائکہ اور صفت فرشتہ ختم نہ ہوگئی بلکہ قائم و برقرار رہی۔ ان کا صورت بشری اختیار کرنا ایک مشن کے تحت اور عارضی طور پر تھا۔ حضرت سیدتنا مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی پاک دامن عابدہ،

زاہدہ، طیبہ، طاہرہ بندی کو اللہ تعالیٰ کا صرف ایک پیغام پہونچانے کے لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے صورت بشری اختیار فرمائی۔ اسی طرح ہمارے تمہارے جیسے بے شمار لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا ایک نہیں بلکہ لاکھوں پیغام و فرمان پہونچانے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صورت بشری اختیار فرمائی۔ قرآن مجید کی ہزاروں آیات اور لاکھوں کی تعداد میں احادیث کریمہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فرامین عالیہ ہم تک پہونچانے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان صورت بشری میں تشریف لائے۔ جس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی "حقیقت نور" ختم ہوگئی اور آپ معاذ اللہ عام انسانوں کی کیفیت میں متبدل ہوگئے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ "حقیقت نور محمدیہ" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے نور انور کی نوری تابانی اور درخشانی سے ہماری آنکھوں کو خیرہ ہونے سے بچانے کے لیے اس فانی دنیا کے قیام کے قلیل عرصہ تک کے لیے عارضی طور پر لباس بشری اختیار فرمایا تھا۔

(۵) علم نفسیات (Psychology) کا دستور ہے کہ ہر ذی روح مخلوق اپنے ہم جنس کا اعتماد کرتی ہے اور اپنی ہم جنس مخلوق سے مانوس ہو کر اس کی طرف راغب اور مائل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنے ہم جنس کی بات کو اچھی طرح سمجھ کر قابل اقتدار سمجھتی ہے۔ مثلاً آدمی آدمی کی اور جانور جانور کی پیروی کرتا ہے۔ حالانکہ کنبہ، گھرانا، قوم، حسب، نسب، نسل، خاندان، برادری، رنگ، روپ، قد، قامت، پیشہ، کاروبار، زبان، رہن سہن، طور طریقہ، علاقہ، صوبہ، ملک وغیرہ کے اعتبار سے عالم انسانی متفرق النوع ہونے کے باوجود بنی آدم اور نوع انسانی میں شمولیت کی وجہ سے آدمی اور انسان ہی کہے جاتے ہیں۔ اور انسان ہونے کے ناطے ان میں انسانوں سے انس اور اعتبار کا فطری مادہ ہوتا ہے۔ ہر انسان انسانیت کے دائرہ میں محدود رہ کر تہذیب و اخلاق کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں بسنے والے انسان کو اپنے ہم جنس انسان سے ایک قدرتی لگاؤ اور انس ہوتا ہے۔ اور

پوری نوع انسانی کی ہدایت، رہبری اور بھلائی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم واکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انسان (بشر) کی شکل وصورت میں انسانوں کے درمیان بھیجا۔

"وَ مَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ"

(پارہ:۲۲، سورۂ سبا، آیت:۲۸)

ترجمہ:- "اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔" (کنز الایمان)

تفسیر:- "اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت عامہ ہے۔ تمام انسان اس کے احاطے میں ہیں۔ گورے ہوں یا کالے، عربی ہوں یا عجمی، پہلے ہوں یا پچھلے، سب کے لیے آپ رسول ہیں اور وہ سب آپ کے امتی ہیں۔ آپ کی رسالت تمام جن وانس کو شامل ہے اور آپ تمام خلق کے رسول ہیں اور یہ مرتبہ خاص آپ کا ہے۔"

(تفسیر خزائن العرفان، ص:۷۷۶)

مذکورہ آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ تمام نوع انسان کے لیے نبی ورسول بن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دنیا میں صورت بشری میں تشریف لے آئے۔ اگر آپ انسان کے بجائے فرشتہ کی صورت میں تشریف لاتے اور بحیثیت فرشتہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اللہ کی نعمتوں کی خوشخبری دیتے اور اللہ کے عذاب سے ڈرا کر لوگوں کو "صِرَاطِ مُسْتَقِیْم" کی طرف بلاتے تو آپ کی دعوت حق وصداقت اثر پذیر نہ ہوتی کیوں کہ لوگ یہی

کہتے کہ وہ فرشتہ ہیں اور انسانی فطرت سے منزہ ہیں لہٰذا وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکتے ہیں اور عبادت وریاضت واعمال حسنہ کی طرف راغب ہوکر منہیات وگناہوں سے بچ سکتے ہیں، یہ کام وہ فرشتہ ہونے کی وجہ سے ہی کر سکتے ہیں۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن ہم تو انسان ہیں۔ یہ کام ہمارے بس میں نہیں۔ ہم ان کی اطاعت وفرمانبرداری نہیں کر سکتے کیونکہ انسان ہونے کی وجہ سے نفس ہمارے پالے پڑا ہوا ہے اور نفس کے تقاضوں کی تکمیل کرنے کی وجہ سے ہم سے یہ کام نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "صورت بشری" میں اس دنیا میں تشریف لاکر لوگوں کو باور کردیا کہ میں ایک انسان ہونے کے باوجود بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام بجالا سکتا ہوں اور احکام الٰہیہ کی پابندی کر سکتا ہوں، تو اے لوگو! تم بھی انسان ہونے کے ناطے میری اطاعت وپیروی کر کے اللہ تعالیٰ کے فرامین پر عمل کر سکتے ہو۔

(۶) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بصورت فرشتہ دنیا میں تشریف نہ لائے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کفار ومشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور اللہ کا جز قرار دیتے تھے۔ قرآن شریف میں ہے کہ "وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ○"

(پارہ: ۲۵، سورۃ الزخرف، آیت: ۱۵، ۱۶)

ترجمہ:- اور اس کے لیے اس کے بندوں میں سے ٹکڑا ٹھہرایا، بے شک آدمی کھلا ناشکرا ہے۔ کیا اس نے اپنے لیے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کیا؟ (کنز الایمان)

٭ اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ" کفار نے اس اقرار کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کا خالق ہے یہ ستم کیا کہ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں بتایا اور اولاد صاحب اولاد کا جز (حصہ) ہوتی ہے۔ ظالموں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے جز قرار دیا، کیسا عظیم جرم ہے۔"

(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۸۸۱)

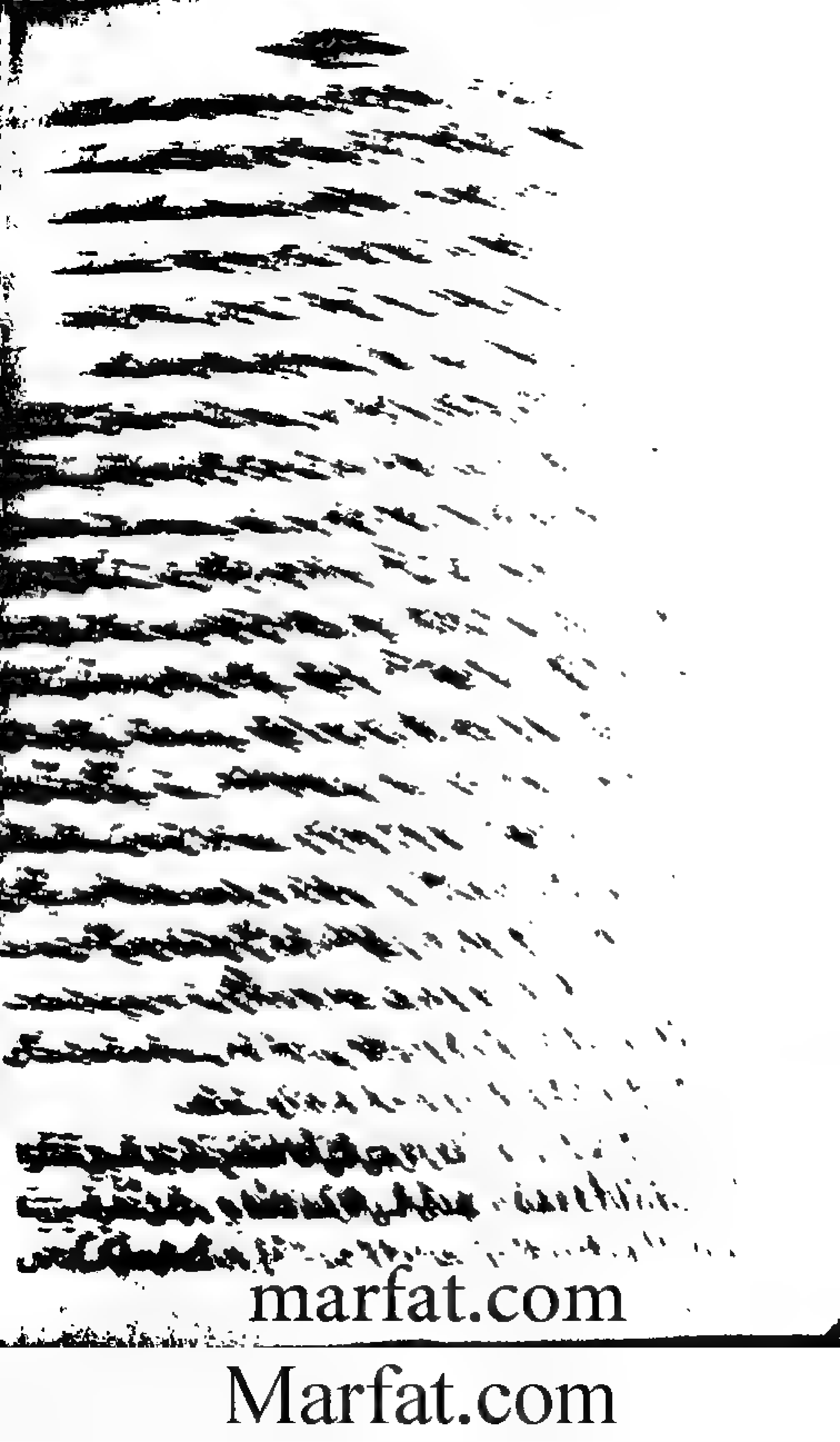
ایک اور مقام پر ہے کہ "اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ

تَسْمِيَةَ الْأُنْثٰى" (پارہ:۲۷، سورۃ النجم، آیت:۲۷) ترجمہ:۔"بے شک وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ملائکہ کا نام عورتوں کا سا رکھتے ہیں۔" (کنز الایمان)۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ہے کہ "انہیں (فرشتوں) کو خدا کی بیٹیاں بتاتے ہیں۔"

(حوالہ:۔ تفسیر خزائن العرفان، ص:۹۵۰)

اگر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے "نور" کو لباس بشری میں مستور کرنے کے بجائے لباس ملائکہ کے پردے میں چھپا کر دنیا میں تشریف لاتے اور آپ کی رات رات بھر کی طویل عبادت و ریاضت اور احکام الٰہیہ کی سخت پابندی، منہیات سے اجتناب، افعال رذیلہ و قبیحہ سے کنارہ کشی وغیرہ محاسن اور علاوہ ازیں آپ کی حیرت انگیز معجزات کا ظہور پذیر ہونا، ان تمام براہین و دلائل کو دیکھ کر کفار اور مشرکین یہی کہتے کہ اس میں حیرت و تعجب کی کیا بات ہے؟ یہ نبی فرشتہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں لہٰذا وہ یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اور ایک دوسرا امکان یہ تھا کہ آپ کے معجزات عظیمہ کو دیکھ کر کفار و مشرکین آپ کی پرستش کرنے لگتے۔ لہٰذا شرک کا سدِ باب فرمانے کے لیے اور توحید کا پرچم بلند کرنے کے لیے آپ "صورت بشری" میں اس دنیا میں تشریف لے آئے۔

(۷) اب ایک پیچیدہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ سبا کی آیت ۲۸ کی تفسیر میں ہے کہ "آپ کی رسالت تمام جن و انس کو شامل ہے"۔ تو جب آپ تمام انسانوں کے ساتھ ساتھ تمام جنات (Jins) کے بھی رسول ہیں تو آپ بشکل و صورت انسان ہی کیوں تشریف لائے۔ جنات میں سے کیوں نہیں آئے؟ اس کا آسان اور عام فہم جواب یہ ہے کہ انسانوں کے مقابلہ میں جنات بہت ہی طاقت اور تصرف والی مخلوق ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایسی مخلوق ہے جو پوشیدہ رہنے کی وجہ سے عام طور پر نظر نہیں آتی۔ آدمی ہمیشہ جنات سے خائف اور خوفزدہ رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مکان کا سودا کر رہا ہو اور اس مکان کی سہولتوں کو مدنظر رکھ کر بازار کی قیمت سے بھی زیادہ دام دے کر مکان خریدنے کا عزم و ارادہ رکھتا ہو۔ لیکن اگر اسے یہ



نے میرا پڑھنا کان لگا کر سنا، تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے، تو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ کریں گے۔" (کنز الایمان)۔

احادیث کریمہ میں کثرت سے ایسی روایات وارد ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں قوم جنات کے گروہ در گروہ حاضر ہوتے تھے، آپ کے دست حق پرست پر ایمان لاتے تھے اور اسلامی احکام کی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔ الحتصر! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صورت بشری میں تشریف لائے تو انسانوں اور جناتوں دونوں مخلوق نے فائدہ حاصل کیا۔ اگر حضور اقدس بشکل جنات تشریف لاتے تو صرف جنات ہی بہرہ مند ہوتے اور انسان فیض سے محروم رہ جاتے۔

⦿ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں صورت بشری میں دنیا میں تشریف لائے اس گفتگو کا ماحصل:-

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دنیا کے قیام کے دوران صورت بشری اختیار فرما کر لوگوں کو توحید و رسالت دونوں کی سچی معرفت اور صحیح تفہیم کرادی۔ صورت بشری اختیار فرما کر لوگوں کو باور کرادیا کہ اے لوگو! نہ تو میں فرشتوں میں سے ہوں اور نہ ہی جناتوں میں سے ہوں بلکہ انسانوں میں سے ہوں۔ ظاہری شکل وصورت میں تمہاری طرح انسان ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل وکرم سے ایسا تصرف اور اختیار عطا فرمایا ہے کہ انگلی کے ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کرسکتا ہوں، ڈوبے ہوئے سورج کو واپس پلٹا سکتا ہوں، اپنی انگلیوں سے پانی کے دریا جاری کرسکتا ہوں، موت کی آغوش میں لیٹے ہوئے مردے کو پھر زندہ کرسکتا ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ اللہ قادرِ مطلق نے مجھے ایسی قدرت وقوت عطا فرمائی ہے کہ ایسی قدرت وقوت عام انسان میں ہونا محال و ناممکن ہے۔ آدمی ہونے میں تم جیسا ہونے کے باوجود میں ایسے خوارق عادات تصرفات کا حامل ہوں کہ وہاں تک کسی انسان کی رسائی نہیں۔ لیکن خوب یاد رکھو کہ میں خدا نہیں ہوں کیونکہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" یعنی

''ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں''۔ انسان ہونے کے ناطے میں خدا ہرگز نہیں ہوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں۔ ایسا بندہ ہوں جسے نبوت و رسالت کے تاج کرامت و عنایت سے سرفراز فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا:-

اے لوگو! "اَنَـا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کو خوب اچھی طرح یاد رکھ کر مجھے خدا مت کہنا اور "یُوْحیٰ اِلَیَّ" کی میری فضیلت و خصوصیت کو فراموش کر کے مجھے اپنے جیسا عاجز بشر بھی مت کہنا۔ میری بشریت تمہاری طرح عام بشریت نہیں بلکہ بے مثل و مثال نوری بشریت ہے کیونکہ "اَنَـا نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰهِ" یعنی ''میں اللہ کے نور سے ایک نور ہوں'' اور اللہ نے میرے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا ہے لہٰذا "لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ" یعنی ''میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں'' اور "اَيُّكُمْ مِثْلِيْ" یعنی ''تم میں سے کون میری مثل ہے''۔

الحاصل! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خالق کائنات جل جلالہ کے ایسے معظم و مکرم بندے تھے کہ ان جیسا کوئی بندہ نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ بقول:-

لیکن رضا نے ختم سخن اس پر کردیا
خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

(از:- امام عشق و محبت رضا بریلوی)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے نوری بشر تھے کہ آپ کے ساتھ کسی بھی بشر کا تقابل نہیں کیا جاسکتا۔ بقول:-

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں یہ — ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں — ایمان یہ کہتا ہے، میری جان ہیں یہ

(از:- امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی)

بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رتبہ و مرتبہ کیا تھا؟ وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بقول:-

''خدا کہتے نہیں بنتی، بشر کہتے نہیں بنتی ÷ خدا پر اس کو چھوڑا ہے، وہی جانے کہ کیا تم ہو''

''حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نوری بشر تھے، لہذا آپ کے اور آپ کے امتیوں کے لیے شریعت کے احکام بھی الگ الگ تھے''

جیسا کہ ہم نے اوراق سابقہ میں عرض کیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تین کیفیتیں تھیں (۱) صورت بشری (۲) صورت حقی اور (۳) صورت ملکی۔ ان تینوں کیفیات میں سے دوسری اور تیسری کیفیت یعنی صورت حقی اور صورت ملکی کی حقیقت تو درکنار بلکہ آپ کی صورت بشری کو بھی ہم سمجھنے سے عاجز اور قاصر ہیں۔ آپ کی صورت بشری بھی حقیقتاً نوری بشریت ہونے کی وجہ سے بے مثل و مثال تھی۔ آپ کے جسم اطہر کے خصائص کا مختصر تذکرہ ''حضور اقدس کی تابناک اور درخشاں نوری بشریت اور صورت بشری کے اعجاز و کمالات'' کے عنوان میں اوراق سابقہ میں کیا گیا ہے۔ آپ ایسے بے مثل و مثال ''نوری بشر'' تھے کہ آپ کے لیے شریعت کے احکام بھی جداگانہ تھے۔ ان احکام کے فرق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی اور امتی کبھی بھی مساوی نہیں ہوتے بلکہ نبی کی شان اتنی ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہاں تک کسی کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ذیل میں ہم چند ان شرعی احکام کا ذکر کرتے ہیں، جن میں نبی اور امتی کے لیے الگ الگ حکم ہے۔

کلمہ شریف کا فرق:۔

تمام مسلمان امتی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کلمہ پڑھتے ہیں۔ اس کلمہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ''نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ" ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ''نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اور میں اللہ کا رسول ہوں'' نبی اور امتی کے کلمے میں اتنا عظیم فرق ہے کہ اگر کوئی امتی وہ کلمہ پڑھے، جو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلمہ ہے، تو وہ امتی کافر ہو جائے گا اور اسلام کے دائرے سے خارج ہو جائے گا۔

کیونکہ لِکِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ سے اس نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کردیا۔

ارکان اسلام کا فرق:۔

ہر مسلمان امتی کے لیے ارکان اسلام پانچ ہیں۔ (۱) کلمہ (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوۃ اور (۵) حج۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیئے چار ارکان ہیں۔ آپ پر "زکوۃ" فرض نہیں۔ مزید تفصیل کے لیے فتاویٰ شامی، کتاب الزکوۃ ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں اس سلسلہ کے کچھ حوالے معتمد ومعتبر ومستند کتابوں سے پیش خدمت ہیں۔

"شاذلی طریقہ کے شیخ الصوفیہ، شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "التنویر" میں فرمایا ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان یہ ہے کہ ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔ اور ان کی اپنی کوئی ملکیت نہیں ہوتی۔ وہ صرف اس کی شہادت دیتے ہیں جو ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ان کے لیے ودیعت فرمائے۔ وہ مختلف اوقات میں وہی خرچ کرتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ خرچ کراتا ہے اور اس کو اس کے محل کے سوا میں خرچ کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ انبیائے کرام پر زکوۃ واجب نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زکوۃ ان لوگوں پر واجب ہوتی ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ زکوۃ ادا کرکے طہارت مال حاصل کرکے ان لوگوں میں سے ہو جائیں جنہوں نے طہارت وپاکیزگی حاصل کرلی ہے اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی عصمت کی وجہ سے ناپاکی سے پاک اور منزہ ہیں۔"

(بحوالہ:۔ خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۱۶)

نماز کی فرضیت کا فرق:-

مسلمان امتی پر (۱) فجر (۲) ظہر (۳) عصر (۴) مغرب اور (۵) عشاء کل پانچ وقت کی نماز فرض ہے، جب کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے چھ وقت کی نماز فرض تھی۔ قرآن شریف، پارہ: ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۷۹، "وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ" ترجمہ:- "اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کرو، یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے۔" (کنز الایمان) اس آیت میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز کی فرضیت کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں:-

⊙ "امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی (المتوفی ۳۶۰ھ) نے اپنی مشہور کتاب "معجم اوسط" میں اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (المتوفی ۴۵۸ھ) نے "سنن کبریٰ" میں ام المؤمنین، حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "تین چیزیں ایسی ہیں جو مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لیے سنت ہیں۔ (۱) وتر (۲) مسواک اور (۳) نمازِ تہجد۔"

(حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۲، ص: ۴۹۲)

(۲) مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد: ۱، ص: ۵۸۷)

بیٹھ کر امامتِ نماز فرمانا:-

ہمیں ہمیشہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ فرض نماز میں قیام فرض ہونے کی وجہ سے امام اور مقتدی سب کھڑے ہو کر ہی باجماعت فرض نماز ادا کرتے ہیں۔ اگر امام صاحب نے بیٹھ کر نماز کی امامت کی تو قیام کا فرض ترک ہونے کی وجہ سے امام و مقتدی کسی کی بھی نماز نہ ہوگی۔ لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ آپ نے لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی، جیسا کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں آیا ہے اور



Marfat.com

''صوم وصال'' (مسلسل روزے) رکھا کرتے تھے اور دوسروں کو صوم وصال سے منع فرمایا کرتے تھے۔''

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۲، ص: ۵۱۴)

⊙ ''امام بخاری اور امام مسلم نے اُمّ المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ دو نمازیں ایسی تھیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہر و باطن کسی حال میں ترک نہ فرمایا کرتے تھے، وہ دو رکعتیں قبل نماز فجر اور دو رکعتیں بعد نماز عصر ہیں۔''

(حوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد: ۲، ص: ۵۱۴)

⊙ سو جانے (نیند) سے حضورِ اقدس کا وضو نہیں ٹوٹتا:-

علم فقہ یعنی شریعت کے قوانین کا مشہور مسئلہ ہے کہ سو جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ سو جانا یعنی غفلت کی نیند (Sleeping) نواقض وضو میں سے ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضو سو جانے کے باوجود بھی نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ حالت نیند میں بھی آپ کا قلب اطہر (مبارک دل) بیدار رہتا ہے جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ **"اَلْعَيْنُ يَنَامُ وَالْقَلْبُ يَقْظَانٌ"** یعنی ''آنکھ سوتی ہے اور دل بیدار ہوتا ہے۔'' ایک مزید حوالہ پیش ہے:-

⊙ ''امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات میں وضو فرمایا اور نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ سو گئے۔ یہاں تک کہ میں نے خرخراہٹ (تیز سانس لینے) کی آواز سنی، اس کے بعد مؤذن آیا اور آپ اٹھ کر نماز کے لیے تشریف لے گئے اور وضو نہیں فرمایا۔'' ایک اور حدیث سماعت فرمائیں:-

⊙ ''امام محمد بن ماجۃ قزوینی المتوفی ۲۷۳ھ اور امام ابویعلیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدھے لیٹ کر سوجایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگتی تھی۔ پھر آپ اٹھ کر نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ اس کی علت یہ ہے کہ آپ کی آنکھیں سوتیں اور آپ کا دل بیدار رہتا تھا۔"

(دونوں روایات بحوالہ:- خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۲۲)

✪ بیک وقت نکاح میں عورتوں کی تعداد کا فرق:-

ایک مسلمان مرد بیک وقت زیادہ سے زیادہ چار عورتیں اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً" (پارہ:۴، سورۃ النساء، آیت:۳) ترجمہ:- "تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں۔ دو دو اور تین تین اور چار چار۔ پھر اگر ڈرو کہ دو بی بیوں کو برابر نہ رکھ سکو گے، تو ایک ہی کرو۔" (کنز الایمان)۔ اس آیت سے مسلمان مرد کو بیک وقت زیادہ سے زیادہ چار عورتیں اپنے نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے، چار سے زیادہ رکھنا حرام ہے۔

لیکن! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بیک وقت چار سے زیادہ عورتیں اپنے نکاح میں رکھنا مباح تھا۔ اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ" سے لیکر "خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ" (پارہ:۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت:۵۰) ترجمہ:- "اے غیب بتانے والے (نبی) ہم نے تمہارے لیے حلال فرمائیں تمہاری وہ بیبیاں جن کو تم مہر دو۔" تا "یہ خاص تمہارے لیے ہے، امت کے لیے نہیں۔" میں صاف وضاحت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے امتی کی طرح بیک وقت چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنے کی قید نہیں بلکہ چار سے بھی زیادہ ازواج رکھنا آپ کے لیے مباح ہے۔

تفسیر میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ازواج کا نصاب

نو(Nine) ہے جیسے کہ امت کے لیے چار ہے۔" (تفسیر خزائن العرفان، ص:۷۶۶)

صدقہ اور زکوٰۃ کا مال حضور پر اور حضور کی آل پر حرام ہے:-

ایسا حاجت مند مسلمان کہ جو صاحب نصاب نہ ہو، اس کے لیے صدقہ اور زکوٰۃ کا مال کھانا جائز ہے۔ لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر ہر حالت میں حرام ہے۔

- "حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ آپ پر، آپ کی آل پر اور آپ کے غلاموں پر اور آپ کی آل کے غلاموں پر حرام ہے۔"
- امام مسلم نے مطلب بن ربیعہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔" بلاشبہ یہ صدقات لوگوں کی گندگی اور میل ہیں اور یہ صدقات محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لیے حلال نہیں کیے گئے۔"
- "ابن سعد نے حسن سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اور میرے اہل پر صدقہ حرام کیا ہے۔"
- "ابن سعد نے عبد الملک بن مغیرہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-" اے عبد المطلب کی اولاد! بلاشبہ صدقہ لوگوں کا میل ہے۔ تو تم نہ اسے کھاؤ اور نہ اس پر عامل بنو۔"

(چاروں روایات بحوالہ:- خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۰۱، اور ۵۰۲)

اُمتی کی بیوہ عورت کا نکاح ثانی:-

اُمتی کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ عورت عدت کے بعد دوسرے کسی سے نکاح کر سکتی ہے لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ازواجِ مطہرات دائمی طور پر کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں۔

عام مسلمان امتی کے لیے تو قرآن میں یہ حکم ہے کہ:۔

"وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا"

(پارہ:۲، سورۃ البقرہ، آیت:۲۳۴)

ترجمہ:۔ "اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں، وہ چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔" (کنز الایمان)

تفسیر:۔ "جس کا شوہر مر جائے اس کی عدت چار ماہ، دس روز ہے۔ اس مدت میں وہ نکاح نہ کرے۔" (تفسیر خزائن العرفان، ص:۴۸)

یعنی عدت کی مدت پوری ہونے کے بعد وہ کسی اور سے نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ لیکن:۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے قرآن مجید میں یہ حکم نافذ فرمایا گیا ہے کہ "وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا" (پارہ:۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت:۵۳) ترجمہ:۔ "اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ ان کے بعد کبھی اُن کی بی بیوں سے نکاح کرو۔" (کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ "کیونکہ جس عورت سے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عقد فرمایا، وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔"

(تفسیر خزائن العرفان، ص:۷۶۸)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن مسلمانوں کی مائیں (اُمّ المؤمنین) ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ" (پارہ:۲۱، سورۃ الاحزاب، آیت:۶) ترجمہ:۔ "یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیبیاں اُن کی مائیں ہیں۔" (کنز الایمان)۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ہے کہ "نبی مؤمنین پر ان کی جانوں سے زیادہ رافت و رحمت اور لطف و کرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر مومن کے لیے دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ

اولیٰ ہوں اور نبی کی بیبیاں مسلمانوں کی مائیں (Mothers) ہونے سے مراد تعظیم وحرمت میں اور ان سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہونے میں ہے۔''

(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۷۵۴)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ازواج مطہرات کو نکاح کرنے کی حرمت کی چند وجوہات ہیں۔ مثلاً:-

(۱) عورت جنت میں اپنے آخری شوہر کے ساتھ رہے گی۔ (حوالہ:- تفسیر نعیمی، جلد :۳، ص: ۳۶۱) لہذا ازواج مطہرات کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ہمیشہ کے لیے کسی اور سے نکاح کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی اور حاکم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ اگر تم اس بات سے خوش ہو کہ جنت میں بھی تم میری بیوی رہو تو میرے انتقال کے بعد دوسرے سے نکاح نہ کرنا کیونکہ عورت اپنے اس شوہر کے ساتھ جنت میں ہوگی، جو دنیا میں اس کا آخری شوہر ہے۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر حرام کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد وہ کسی اور سے نکاح کریں تا کہ وہ ازواج جنت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت کے شرف میں باقی رہیں۔''

(خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد: ۲، ص: ۴۱۲)

(۲) ''اس حرمت کی علت میں جو اقوال مذکور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ''امہات المؤمنین'' ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ماں کے ساتھ کسی بھی اولاد کا، کسی بھی حال میں نکاح جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔''

(۳) ''ایک وجہ حرمت کی یہ بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ اور حیات ہیں اور کسی بھی زندہ شخص کی منکوحہ سے کسی اور کا نکاح کرنا حرام ہے۔ اسی لیے بعض محدثین کرام نے حضور اقدس کے بعد ازواج مطہرات کے نکاح کی حرمت میں ایک روایت یہ بھی بیان کی ہے کہ ان ازواج مطہرات پر وفات

کی عدت واجب نہیں ہے۔" (حوالہ:- ایضاً)

⊙ اُمتی کی وراثت تقسیم ہوتی ہے جب کہ انبیائے کرام کی نہیں ہوتی:-

مسلمان مرد ہو یا عورت، اس کے انتقال کے بعد اس کا مال اور اس کی جائیداد وملکیت اس کے ورثاء پر شریعت کے قانون کے مطابق تقسیم ہوتی ہے۔ قرآن شریف، پارہ:۴، سورۃ النساء، آیت:۱۱،۱۲ "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْۤ اَوْلَادِکُمْ" تا "وَصِیَّۃً مِّنَ اللّٰہِ" میں تمام ورثاء کے حصص متعین فرمائے گئے ہیں لیکن یہ قوانین حصہ ترکہ ومیراث اُمتیوں کے لیے ہیں۔ انبیائے کرام اور خصوصاً سید الانبیاء والمرسلین، حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترکہ ورثاء پر تقسیم نہیں ہوگا۔

✪ "⊙ امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے امیر المؤمنین، اصدق الصادقین، امام المتقین، حضرت سیدنا ابوبکر صدیق سے ⊙ امام ابوداؤد نے ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ اور حضرت زبیر بن العوام سے ⊙ امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَانَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ" ترجمہ:- "ہم گروہ انبیاء وہ ہیں جو نہ کسی کی میراث لیتے ہیں اور نہ ہماری میراث کوئی لیتا ہے، جو کچھ ہم ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔"

(حوالہ:- (۱) فتاویٰ رضویہ شریف، جلد:۴، ص:۴۵

(۲) مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۷۵۶

(۳) خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۴۳

(۴) النہی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز، از:- امام احمد رضا بریلوی)

⊙ "شیخین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "میرے ورثاء درہم اور دینار کو آپس میں تقسیم نہ

کریں۔" (خصائص کبریٰ اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۳۳)

- "انبیائے کرام کی عدم میراث کا مبنیٰ و مدار ان کی حیات ہے۔ خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ابدیہ اور میراث مُردوں کی ہوتی ہے۔ نہ کہ زندوں کی۔" (مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۷۶۱)

- "اور ایک وجہ یہ کہ تمام انبیاء زندہ ہیں اور زندہ کی میراث نہیں ہوتی۔ اسی بناء پر امام الحرمین اس طرف گئے ہیں کہ ان کا مال ان کی ملک پر باقی ہے جو ان کی طرف سے ان کی اہل پر خرچ کیا جائے گا، جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی حیات میں خرچ کیا کرتے تھے کیونکہ آپ زندہ ہیں۔"

(خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۳۴)

حضورِ اقدس کا بول و براز اور خون پاک اور طاہر ہے:-

ہر انسان کا بول (Urine=پیشاب) براز (Faeces/پاخانہ) اور دم (خون=Blood) اپنے اور دوسروں کے لیے ناپاکی کا حکم رکھتا ہے۔ ہمارے بدن سے نکلنے والی مذکورہ رطوبتیں نجاست کے حکم میں اور حرام ہیں۔ ان کو کھانا یا پینا حرام ہے۔ بلکہ ایسی نجس ہیں کہ انسان کے جسم سے اس کا خارج ہونا نواقض وضو ہے یعنی بدن سے ان اشیاء کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ" (پارہ:۶، سورۃ المائدہ، آیت:۶) ترجمہ:- "یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا۔"
(کنزالایمان)

خون (Blood) ہر جانور اور انسان کا حرام ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ" (پارہ:۲، سورۃ البقرہ، آیت ۱۷۳)
ترجمہ:- "اس نے یہی تم پر حرام کیے ہیں مردار اور خون۔" (کنزالایمان)
لیکن !!!

- "حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ [illegible] مقدس اُمتی کے

حق میں پاک بلکہ باعث برکت ہیں کیونکہ آپ کے جسم اقدس سے جو کچھ بھی خارج ہوتا تھا وہ پاک تھا۔" (دیکھو:- فتاویٰ شامی، باب الانجاس)

⊙ "امام بیہقی نے بسند حسین بن علوان، ہشام وعروہ سے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اور دار قطنی نے "الافراد" میں محمد بن سلیمان باہلی کی سند سے ہشام بن عروہ کے واسطہ سے حضرت اُم المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نے آپ کو بیت الخلاء (Latrine) جاتے دیکھا۔ پھر آپ کے بعد میں گئی تو میں نے خارج ہونے والی چیز کا کوئی نشان نہ دیکھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عائشہ! تم نہیں جانتیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ انبیائے کرام سے جو فضلہ خارج ہو، وہ اسے کھا جائے۔"

(حوالہ:- (۱) مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۴۹

(۲) خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۷۴)

● شیخ محقق، عاشقِ رسول، شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین میں شگاف (Split) پڑ جاتا اور زمین آپ کا بول و براز اپنے اندر سمو لیتی اور اس جگہ ایک خوشبو پھیل جاتی۔

● ایک صحابی سے مروی ہے کہ۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ قضائے حاجت کے لیے ایک جگہ تشریف لے گئے۔ جب آپ واپس تشریف لے آئے تو میں اس جگہ گیا جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فراغت فرمائی تھی۔ میں نے اس جگہ بول و براز کا کوئی نشان تک نہ دیکھا۔ البتہ چند ڈھیلے وہاں پڑے ہوئے تھے میں نے اُن ڈھیلوں کو اُٹھالیا تو ان میں سے نہایت لطیف و پاکیزہ خوشبو آرہی تھی۔" (مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۴۹)

⊙ خوش نصیب:۔

کتب احادیث میں ایسے کئی واقعات مرقوم ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور اقدس، نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بول شریف اور خون اقدس پی لیا۔ اس پر حضور اقدس نے انہیں نہ روکا، نہ ناراضگی کا اظہار فرمایا، نہ منہ دھونے کا حکم صادر فرمایا اور نہ ہی آئندہ ایسا کرنے سے منع فرمایا بلکہ انہیں صحت یابی، تندرستی، بیماری سے محفوظ ہونے کی خوشخبری دی، صرف یہی نہیں بلکہ دخول جنت اور دوزخ کی آگ سے نجات کی بشارت دی۔ چند واقعات حدیث پیش خدمت ہیں۔

⊙ "حضرت حسن بن سفیان اپنی مسند میں، ابویعلیٰ، حاکم، دار قطنی سے اور ابونعیم نے حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ حضرت اُم ایمن رات کے وقت کاشانہ اقدس میں خدمت کے لیے رہا کرتی تھیں۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تخت مبارک کے نیچے رات کے وقت ایک پیالہ جیسا برتن رکھ دیا جاتا تھا تاکہ اگر رات میں حاجت ہو تو اس میں بول شریف فرمادیں۔ ایک رات جب آپ نے اس میں بول مبارک فرمایا اور صبح ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اس تخت کے نیچے ایک پیالہ ہے۔ اسے زمین کے سپرد کردو۔ حضرت اُم ایمن نے عرض کی، خدا کی قسم! رات میں مجھے پیاس معلوم ہوئی تو میں نے اسے پی لیا۔ اس پر حضور اقدس نے تبسم فرمایا اور نہ انہیں اپنا منہ دھونے کا حکم فرمایا اور نہ دوبارہ ایسا کرنے سے منع فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ "اب تمہیں کبھی پیٹ کا درد لاحق نہ ہوگا۔" (خوش نصیب)

(حوالہ:۔ (۱) مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۵۰

(۲) خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۱۷۴

(۳) خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۴۹)

⊙ "امام اجل علامہ احمد بن محمد خطیب المصری القسطلانی اپنی معرکۃ الآراء کتاب

"اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِيَّہ عَلَی الشَّمَائِلِ الْمُحَمَّدِيَّة" میں اور امام جلیل قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو اندلسی (المتوفی ۵۴۴ھ) اپنی کتاب "اَلشِّفَاءُ بِتَعْرِيفِ حُقُوقِ الْمُصْطَفٰی" میں روایت فرمایا کہ:-

ایک عورت تھی جس کا نام "برکہ" تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ وہ بھی کاشانۂ اقدس کی خدمت گزاری کرتی تھیں۔ انہوں نے بھی ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بول شریف پی لیا تھا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اَصَحَّتْ یَا اُمِّ یُوْسُفَ" یعنی اے اُمِّ یوسف (حضرت برکہ کی کنیت اُمِّ یوسف تھی) اتم ہمیشہ کے لیے تندرست بن گئیں اور کبھی بیمار نہ ہوگی۔ چنانچہ وہ عورت کبھی بیمار نہ ہوئی۔ بجز صرف اس بیماری کے جس میں اس نے دنیا سے کوچ کیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کا بول شریف پی لیا تھا۔ تو اس کے جسم سے ہمیشہ خوشبو مہکتی رہی۔ حتیٰ کہ اس کی اولاد میں کئی نسلوں تک یہ خوشبو رہی۔"

(حوالہ:- (۱) مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱،ص:۵۰

(۲) خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۱،ص:۱۷۵

(۳) خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۲،ص:۵۳۹)

"جنگ اُحد کے دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجروح (زخمی) ہوئے تو جلیل القدر صحابی حضرت ابو سعید خدری کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور اقدس کے زخموں کو اپنے منہ سے چوس کر زبان سے صاف کیا۔ ان کے منہ میں خون اقدس جمع ہوگیا لوگوں نے کہا کہ اپنے منہ سے خون باہر نکال دو۔ حضرت مالک بن سنان نے کہا کہ نہیں! خدا کی قسم! میں حضور اکرم کے مقدس خون کو زمین پر ہرگز نہیں گرنے دوں گا۔ چنانچہ وہ خون اقدس کو نگل گئے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون شامل ہوجائے اسے آتش دوزخ نہیں چھو سکتی اور جو شخص خواہش رکھتا ہے کہ وہ کسی جنتی شخص کو دیکھے تو وہ انہیں یعنی مالک بن سنان کو دیکھ لے۔"

(حوالہ:- مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۵۰، اور جلد:۲، ص:۲۲۲۔
خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۳۹)

⊙ "دار قطنی نے اپنی سنن میں حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے۔ (فصد لینا، گردن سے خون نکالنا) اور اپنے مقدس خون کو میرے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا تا کہ وہ اس مقدس خون کو ایسی محفوظ جگہ پر ڈال دے جہاں کسی کی نظر نہ پڑے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خون اقدس کو پی گئے۔ حضور اقدس نے میرے بیٹے سے پوچھا تم نے اس خون کا کیا کیا؟ اس نے کہا میں نے مکروہ جانا کہ میں آپ کے مقدس خون کو کہیں ڈالوں لہٰذا میں نے اسے پی لیا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں جہنم کی آگ نہ چھوئے گی اور اس کے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا کہ لوگوں کا تم سے بھلا ہو اور تم کو لوگوں سے بھلا ہو۔"

(حوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۳۸
(۲) مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۵۰)

نوٹ:- حضرت سیدنا امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی کے صاحبزادے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جن کا شمار "عشرہ مبشرہ" میں ہوتا ہے اور جن کا لقب "حواری رسول" ہے، ان کے ساتھ نکاح ہوا تھا۔ اور ان کے صاحبزادے کا نام "عبداللہ بن زبیر" تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک خون پی لینے سے ان میں ایسی قوت، مردانگی، شجاعت اور بہادری پیدا ہوگئی تھی کہ انہوں نے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل یزید پلید کی بیعت کرنے سے انکار فرمادیا اور مکہ مکرمہ میں اقا[illegible] حجاز، [illegible] خراسان وغیرہ مقام

کے لوگ آ کر جمع ہوئے۔ عبدالملک بن مروان کے عہد امارت میں ظالم حجاج بن یوسف نے ان کو شہید کر کے دار (سولی) پر کھینچا۔

⊙ ''ابن حبان'' نے ''الضعفاء'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قریشی جوان سے پچھنے لگوائے۔ جب وہ جوان پچھنے لگانے کے کام سے فارغ ہوا تو وہ خون اٹھا کر لے گیا اور اسے پی گیا۔ اس کے بعد جب وہ آیا تو حضور نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا تیرا بھلا ہو، تو نے کیا کیا؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اسے زمین میں بہانے سے بہتر جگہ رکھ دیا ہے اور وہ میرے پیٹ میں ہے۔ حضور نے فرمایا جا! تو نے اپنے کو جہنم کی آگ سے محفوظ کر لیا۔'' (خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۲۸)

⊙ ''شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:-

''یہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بول اور دم (خون) طیب و طاہر ہے۔ اور اسی قیاس پر آپ کے تمام فضلات شریف کا حکم ہے۔ صحیح بخاری شریف کے شارح، امام بدرالدین محمود عینی فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مذہب ہے اور شیخ اجل امام شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی مکی ہاشمی، (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر بہت زیادہ اور کثرت سے روشن دلائل موجود ہیں۔ اور ہمارے ائمہ کرام اسے حضور اقدس کی خصوصیات میں شمار کرتے ہیں۔'' (مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۵۱)

نبی اور امتی کے لیے شریعت کے احکام میں فرق ہونے کے تعلق سے ہم نے کل گیارہ مثالیں پیش کی ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید اور احادیث کریمہ کی روشنی میں ایسی مثالیں کثرت سے پیش کی جا سکتی ہیں کہ جن مثالوں سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص و فضائل ''اَظْهَرُ مِنَ الشَّمْس'' ظاہر و باہر ہیں اور ان مثالوں سے نبی اور اُمتی کا فرق واضح طور پر ثابت ہوتا ہے ... کسی ... کی ... گنجائش ہی نہیں کہ کوئی بھی امتی، پھر وہ

چاہے کتنا ہی بڑا عابد وزاہد اور عالم وفقیہ ہو، کسی بھی نبی سے ہمسری نہیں کرسکتا۔

دورِ حاضر کے منافقین اپنی ریاکاری پر مشتمل عبادت اور مکارانہ ریاضت پر اکڑ کر اور اترا کر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہمسری بلکہ برتری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ اپنی نمازوں کی تعداد اور رکعت اور دیگر عبادات کے وقت کی مقدار کا تخمینہ لگاتے ہیں اور اپنی ریاکارانہ عبادت کی گنتی اور شمار کا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخلصانہ اور مقبول بارگاہ الٰہی عبادت سے تقابل کر کے بزعم خویش تجزیہ کر کے یہ فاسد تخیل اخذ کرتے ہیں کہ "عمل میں امتی بسا اوقات نبی سے مساوی ہو جاتا ہے بلکہ بڑھ جاتا ہے۔" مَعَاذَ اللّٰهِ ـ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ لیکن ان کور مغز اور کور باطن جاہلوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ کوئی بھی امتی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو کیا؟ بلکہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے بھی عمل میں اور عمل کے اجر وثواب میں ہمسری نہیں کرسکتا۔ اس سلسلہ میں ذیل میں چند احادیث کریمہ پیش خدمت ہیں:-

حدیث:- "ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رویت کی۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو گالی مت دو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے تو ان کے ایک مُد جو (یعنی دو رطل (Barley ﷺ) کی برابری نہ کرسکے گا اور نہ ان کے آدھے کی فضیلت کو۔"

حدیث:- "طیالسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اسے راہ خدا میں خرچ کرے اور بیواؤں، مسکینوں اور یتیموں میں خرچ کرے تاکہ میرے کسی صحابی کے کسی دن کی ایک گھڑی کی فضیلت حاصل کرلے، تو وہ کبھی اسے حاصل نہیں کرسکے گا۔"

حدیث:- "حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلٰی جَمِیْعِ الْعٰلَمِیْنَ سِوَی النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ ترجمہ: "یقیناً اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین

(علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے بعد میرے صحابہ کو سارے جہاں والوں پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔"

(تینوں احادیث کریمہ بحوالہ:- (۱) خصائص کبریٰ، اُردو ترجمہ، جلد:۲، ص:۵۶۶

(۲) مدارج النبوۃ، اُردو ترجمہ، جلد:۱، ص:۵۵۲)

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "بشر" کہنے کا اور بشر کہنے والے کے لیے کیا حکم شرع ہے؟"

ماضی کے کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ، منافقین اور مرتدین کے نقشِ قدم پر چل کے دورِ حاضر کے منافقین بھی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "بشر" کہتے ہیں۔ صرف بشر ہی نہیں کہتے بلکہ ⊙ ہمارے تمہارے جیسے بشر ⊙ عاجز بشر ⊙ مجبور بشر وغیرہ کہتے ہیں اور اپنے اس باطل عقیدہ کی بذریعہ کتب نشر و اشاعت کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیت کریمہ **"قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ"** سے غلط استدلال کر کے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر کہہ کر آپ کی نوری بشریت کو عام انسانوں کی بشریت کی طرح کہہ کر آپ کے اختیارات، تصرفات، عظمت، فضیلت، قدرت، وغیرہ کا انکار کر کے توہین و تنقیص بارگاہ رسالت کا جرم عظیم کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کی مذکورہ آیت کے ضمن میں ہم نے قرآن و حدیث کی ہدایت و روشنی میں مدلل تفصیلی بحث و وضاحت کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت عام انسانوں کی طرح نہیں تھی بلکہ آپ کی بشریت بے مثل و مثال نوری بشریت تھی۔ منافقین زمانہ ان دلائل ساطعہ اور براہین قاطعہ کا رد کرنے سے ہمیشہ عاجز اور قاصر رہے ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت عاجز و قاصر رہیں گے۔

✪ منافقینِ زمانہ کی ایک بے تکی اور بے شعور دلیل :-

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثل و مثال "نوری بشریت" کے ثبوت میں قرآن مجید اور احادیث کی بیّن اور مستحکم دلیلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے بجائے منافقین زمانہ جذبۂ بغض و عناد کے تحت، اپنی شقاوتِ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ایسی بے تکی اور بے شعوری دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس کو سن کر یقین کے درجہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ منافقین زمانہ کو عقل و فہم سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔

منافقین زمانہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہم حضورِ اکرم کو "بشر" بایں معنی کہتے ہیں کہ آپ انسان تھے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیا حضورِ اقدس انسان نہیں تھے؟ آپ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فرزند تھے یا نہیں؟ کیا آپ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے (Grand Son) تھے یا نہیں؟ آپ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد ماجد تھے یا نہیں؟ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد تھے یا نہیں؟ آپ حضرت عائشہ، حضرت خدیجہ وغیرہما ازواج مطہرات کے شوہر تھے یا نہیں؟ ان تمام رشتوں کے ناطے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ایک انسان تھے۔ اور ہم اسی حقیقت کی بناء پر آپ کو بشر کہتے ہیں۔ آپ کی بشریت کا انکار کرنا حقیقت سے منہ موڑنے کی مترادف ہے۔

قارئینِ کرام کی عدالتِ عالیہ میں استغاثہ ہے کہ ایسے جاہل بلکہ اجہل منافقین علمی دلائل سے نہیں سمجھتے بلکہ علمی دلائل سمجھنے کی صلاحیت و لیاقت بھی ان میں نہیں ہوتی۔ ان عقل کے دشمنوں کو لاکھ کوئی کہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کے ہم بھی قائل ہیں لیکن پھر بھی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "بشر" کہہ کر مخاطب کرنا جائز نہیں۔ تب وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ واہ! جناب واہ! حضور کے بشر ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود حضور کو بشر کہنے کی ممانعت کرتے ہو؟ ایسے احمق لوگوں کو جس کی جوتی اسی کا سر والی مثل پر عمل کرتے ہوئے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہی مناسب ہے۔ جو ذیل میں مرقوم ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی والدہ محترمہ کے متعلق یہ کہے کہ وہ تو مرے باپ کی بیوی ہے۔ ایسے شخص کے لیے بے ادب اور گستاخ کا لقب ہی موزوں اور مناسب ہے۔ بے شک! اس کی ماں اس کے باپ کی بیوی ہے۔ اس کے باپ کی بیگم ہونے کی وجہ سے ہی وہ اس کی ماں بن سکی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہر شخص کی ماں بے شک اس کے باپ کی بیوی ہے لیکن ماں جیسی معزز، محترم اور واجب التعظیم شخصیت کو باپ کی بیوی کہنا بے ادبی، گستاخی، بدتمیزی، بداخلاقی، بدزبانی، بدخصلتی، بدگوئی، بدکلامی، اور بدلحاظی ہے۔ اپنی ماں کو والدہ ماجدہ، امی جان، محترمہ امی، پیاری اماں، وغیرہ معزز و مہذب القابات سے مخاطب کرنے کے بجائے باپ کی بیوی، ابو کی جورو یا والد کی بیگم کہنے والا شخص سماج اور سوسائٹی کی نظروں میں بے حیا بے شرم، بے غیرت، بے ادب، بے ڈھنگا، بے شعور اور بے تمیز کہلائے گا۔ اس بدتمیز اور نالائق کپوت سے کوئی کہے کہ ذرا اپنی والدہ ماجدہ کے تعارف میں چند جملے کہو اور وہ احمق اپنی والدہ کے متعلق یہ کہے کہ:-

- میری ماں میرے باپ کی بیوی ہے کیونکہ میرے باپ سے نکاح کیا ہے۔
- میرے چچا کی بھاوج ہے کیونکہ میرے چچا کے بھائی کی بیگم ہے۔
- میرے دادا کی بہو ہے کیونکہ وہ اس کے بیٹے کی جورو ہے۔

ایسے نالائق کپوت کو مزید بکواس کرنے سے روکتے ہوئے یہ کہا جائے کہ او، بے ادب! او، گستاخ! یہ کیا بکواس کرتا ہے؟ اور جواب میں وہ یہ کہے کہ جناب! اپنی زبان سنبھال کر بات کرو۔ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ حقیقت! اور صداقت پر مبنی ہے۔ تب اسے کہا جائے گا کہ اپنی حقیقی ماں کا تعارف کرانے اور اس کی تعریف کرنے کے لیے لے دے کر صرف یہی گستاخانہ جملے ہی تیری ناپاک زبان سے صادر ہوئے؟ کیا یہ کہتے ہوئے تیری زبان کو جھٹکے لگتے ہیں کہ:-

- میری ماں کے قدموں تلے میری جنت ہے۔
- اس کی رضامندی میں خدا کی رضامندی اور اس کی ناراضگی میں خدا کی ناراضگی ہے۔
- جس نے مجھے اپنا خون جگر پلایا ہے اور بڑی ممتا سے میری پرورش کی ہے۔
- خود بھوکی اور پیاسی رہی ہے لیکن مجھے شکم سیر کھلایا پلایا

- میرے ایام طفلی میں رات رات بھر بیدار رہ کر مجھے سہلایا اور سُلایا ہے۔
- مجھے قرآن مجید اور دینی مسائل کی تعلیم دی ہے۔
- مجھے نماز کا پابند بنایا ہے۔ نیکی کی راہ اپنانے کی اور بدی کا راستہ ترک کرنے کی ترغیب دی ہے۔
- اخلاقی محاسن اور اعلیٰ تہذیب کے گوہر شاداب سے مجھے مزین فرمایا ہے۔
- جن کی پرخلوص دعاؤں کے طفیل میں نے ترقی اور کامیابی کی منزلیں طے کی ہیں۔

لیکن! وہ احمق اور بدتمیز کپوت یہی رٹ لگاتا رہے کہ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے، کیا وہ غلط ہے؟ کیا میرے باپ سے نکاح کرنے کی وجہ سے میری ماں میرے باپ کی بیوی نہیں تھی؟ میرے چچا کی بھاوج اور میرے دادا کی بہو نہ تھی؟ تب اسے یہی کہنا مناسب ہوگا کہ تو نے اپنی ماں کا دودھ لجایا ہے۔ تو بیٹا کہلانے کے لائق ہی نہیں۔ ترے جیسا نابلد اور نابکار بیٹا خدا کسی کو بھی نہ دے۔ تیرے جیسی اولاد سے بے اولاد ہونا بہتر ہے۔

اسی طرح!!!

اگر کوئی شخص بظاہر کلمہ پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو مگر حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ:- معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!

- ''حضور اقدس ہمارے تمہارے جیسے انسان (بشر) اور عاجز بندے ہیں۔'' (تقویۃ الایمان، ص:۹۹)
- ''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔'' (تقویۃ الایمان، ص:۷۰)
- ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں۔'' (تقویۃ الایمان، ص:۴۷)
- ''امتی بھی عمل میں بسا اوقات بظاہر نبی سے بڑھ سکتا ہے۔''

(تحذیر الناس، ص:۵)

- ''نفس بشریت میں حضور اقدس عام انسانوں کی طرح ہیں اور آپ کو بھائی کہنا قرآن کے [illegible]

- ''حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں تھا۔''

(براہین قاطعہ، ص:۵۵)

- ''چالیس (۴۰) سال کی عمر تک آپ ایمان باللہ کی حقیقت سے ناواقف تھے۔'' (مختصر سیرت نبویہ، ص:۴۴)
- ''حضورِ اقدس جیسا علم غیب تو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل ہے۔''

(حفظ الایمان، ص:۸)

ایسے گستاخ اور بے ادب منافق کو مزید بکواس کرنے سے روکنے کے لیے یہ کہا جائے کہ او، بے ادب! او، گستاخ! اپنی زبان کو لگام دے اور بارگاہِ رسالت کی توہین وتنقیص سے باز آ۔ اور جواب میں وہ منافق یہ کہے کہ جناب آپ اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور مجھ پر گستاخیٔ رسول کا الزام عائد کرنے سے اجتناب کرو۔ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ دلائل وحقائق کے تحت ہی کہا ہے۔ تب اس سے یہی کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم واکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں تیری گندی اور مفسد ذہنیت کے جراثیم بطریق گستاخانہ جملے ہی تیری نجس زبان سے کیوں نکلتا ہے؟ کیا یہ کہتے ہوئے تیری زبان میں ببول کے کانٹے چبھتے ہیں کہ:

- ''حضورِ اقدس کی تخلیق اللہ کے نور سے ہوئی ہے۔ اور پوری کائنات حضور کے نور سے وجود میں آئی ہے''

  (حوالہ:-(۱) مصنف عبدالرزاق (۲) المواہب از قسطلانی (۳) افضل القریٰ از امام ابن حجر مکی (۴) شرح مواہب از امام زرقانی (۵) دلائل النبوۃ از امام ابوبکر بیہقی (۶) الخمیس از علامہ دریا بکری (۷) مطالع المسرات از علامہ فاسی وغیرہ)
- ''حضورِ اقدس نے ایک شخص کی مردہ لڑکی کو اس کی قبر سے زندہ فرما کر اس سے کلام فرمایا۔''

  (حوالہ:-(۱) دلائل النبوۃ از بیہقی (۲) المواہب از قسطلانی (۳) مدارج النبوۃ از محدث دہلوی)

⊙ ''حضرت جابر کے دو مردہ بیٹوں کو زندہ فرمایا۔''

(حوالہ:-شواہد النبوۃ،از علامہ نور الدین جامی)

⊙ ''انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے۔''

(حوالہ:-مدارج النبوۃ،از شاہ عبدالحق محدث دہلوی)

⊙ ''حضور اقدس کو پتھر، درخت، چٹان وغیرہ سلام کرتے تھے۔''

(طبرانی،ابو نعیم،بیہقی،بزاز،ترمذی)

⊙ ''جانوروں نے حضور اقدس کی رسالت کی گواہی دی اور آپ کو تعظیم کا سجدہ کیا۔''(حوالہ:-(۱)شواہد النبوۃ،(۲)مدارج النبوۃ(۳)الشفاء از قاضی عیاض اندلسی)

⊙ ''حضور اقدس کی مقدس انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔''

(حوالہ:-(۱)ابو نعیم(۲)امام بیہقی(۳)خصائص کبریٰ از امام جلال الدین سیوطی)

⊙ ''مقام صہبا میں حضرت علی کی نماز عصر کے لیے ڈوبے ہوئے سورج کو پلٹا کر طلوع کرایا۔''(مدارج النبوۃ،از شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی)

⊙ ''حضور اقدس کا حکم ہوتے ہی جما ہوا درخت اپنی جڑیں اُکھاڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔''

⊙ ''ولادت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت ہی بے شمار معجزات ظہور میں آئے مثلاً ⊙ ولادت کے بعد فوراً آپ نے سجدہ فرمایا ⊙ سجدہ سے سر اٹھاتے ہی آپ نے بزبان فصیح "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ" فرمایا ⊙ آپ ناف بریدہ اور مختون پیدا ہوئے ⊙ ولادت کے وقت جسم اقدس پر کسی قسم کی آلودگی نہ تھی ⊙ ولادت کے وقت نور کی بارش ہوئی ⊙ خانہ کعبہ سجدہ میں جھکا'' وغیرہ۔

(حوالہ:-(۱)شواہد النبوۃ(۲)خصائص کبریٰ(۳)مدارج النبوۃ(۴)الامن والعلیٰ)

⊙ ''ایام طفلی میں گہوارے میں ... انگلی کا اشارہ فرماتے ادھر چاند

جھک جاتا۔" (حوالہ:-(۱) خصائص کبریٰ (۲) شواہد النبوۃ)

- "عالم شیر خواری میں گہوارے میں کلام فرمایا اور فرشتے آپ کا گہوارا (جھولا) جھلاتے تھے۔" (حوالہ:-(۱) خصائص کبریٰ

- "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا۔"

حوالہ:-(۱) المواہب از علامہ قسطلانی (۲) شرح مواہب از امام زرقانی (۳) جمع الوسائل از علامہ ملا علی قاری (۴) تفسیر مدارک التنزیل (۵) معارج النبوۃ (۶) الشفا (۷) نسیم الریاض (۸) افضل القریٰ (۹) مکتوبات امام ربانی (۱۰) خصائص کبریٰ (۱۱) مدارج النبوۃ)

- "آپ کا نورانی چہرہ آفتاب و ماہتاب سے بھی زیادہ چمکتا تھا اور آپ حسن و جمال میں بے مثال تھے۔"

حوالہ:-(۱) سبیل الہدیٰ (۲) الداری (۳) مدارج النبوۃ (۴) خصائص کبریٰ)

- "آپ کے مقدس پسینے کی خوشبو مشک و عنبر سے بھی بہتر و عمدہ تھی۔"

حوالہ:-(۱) معجم صغیر از طبرانی (۲) مدارج النبوۃ (۳) خصائص کبریٰ

- "آپ کے مقدس کانوں کی قوت سماعت کا یہ عالم تھا کہ آپ آسمان کی چرچراہٹ اور لوح محفوظ پر چلنے والے قلم کی آواز بھی سماعت فرماتے تھے۔" (حوالہ:-(۱) ترمذی (۲) ابن ماجہ (۳) ابو نعیم)

- "جس کھاری اور کڑوے کنویں میں آپ کا لعاب دہن شریف پڑ جاتا، اس کنویں کا پانی تمام کنوؤں کے پانی سے میٹھا ہو جاتا اور کنویں کے پانی میں مشک کی خوشبو آنے لگتی۔"

(حوالہ:-(۱) شواہد النبوۃ (۲) مدارج النبوۃ (۳) خصائص کبریٰ)

- "لعاب دہن کی برکت سے مریض فوراً شفایاب ہوتے تھے اور ان کا مرض دائمی طور پر ختم ہو جاتا۔"

(حوالہ -(۱) بخاری شریف (۲) مسلم شریف (۳) شواہد النبوۃ، وغیرہ)

⊙ ''آپ کی مقدس آنکھوں کا یہ اعجاز و تصرف تھا کہ دور دراز کے فاصلے پر ہونے والے واقعات وحوادث کا آنکھوں دیکھا حال بیان فرما دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے سے زمین کے تمام حجابات ہٹا دیے تھے اور کوئی بھی چیز آپ سے پوشیدہ نہ تھی۔''

حوالہ:- (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) بیہقی (۴) ابونعیم)

⊙ ''آپ جس طرح آگے دیکھ سکتے تھے اسی طرح پیچھے بھی دیکھ سکتے تھے اور رات کی تاریکی میں بھی دن کی روشنی کی طرح دیکھ سکتے تھے۔''

حوالہ:- (۱) ابن عدی (۲) بیہقی (۳) بخاری (۴) مسلم (۵) ابن عساکر (۶) ابونعیم)

⊙ ''آپ کے جسم اقدس پر کبھی بھی مکھی نہیں بیٹھی اور آپ کے کپڑوں میں کبھی بھی جوں نہیں پڑی۔''

⊙ ''آپ طبعی طور پر جماہی سے پاک اور منزہ تھے۔'' (حوالہ:- خصائص کبریٰ)

⊙ ''دست اقدس کے اعجاز اور تصرفات کے واقعات اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ جن کا بالتفصیل تذکرہ ممکن نہیں مثلاً ⊙ ہاتھ مبارک میں پر کیف ٹھنڈک اور نرالی مہک تھی۔ ⊙ جس کے سر پہ ہاتھ پھیر دیتے اس کا جسم بڑھاپے میں بھی جوان کی طرح تر و تازہ رہتا۔ ⊙ جس کے سر پر دست پاک پھیر دیتے اتنے حصے کے بال ایک سو سال کی عمر ہونے کے باوجود بھی سیاہ رہتے۔ ⊙ جس کے چہرے پر دست اقدس پھیر دیتے اس کا چہرہ ہمیشہ چمکتا اور دمکتا رہتا۔ ⊙ کسی گنجے کے سر پر ہاتھ شریف پھیر دیتے تو سر میں بال اُگ نکلتے۔ ⊙ کسی آسیب زدہ یا دیوانے کے سر پر دست پاک پھیر دیتے تو وہ فوراً ٹھیک ہو جاتا۔ ⊙ ٹوٹا ہوا پاؤں دستِ اقدس کا مَس ہوتے ہی فوراً اس کی ہڈی جُڑ جاتی ⊙ زخم لگنے کی وجہ

سے رخسار پر لٹکی ہوئی آنکھ دستِ بابرکت لگتے ہی فوراً صحیح ہوجاتی۔ وغیرہ

حوالہ:۔(۱) الشفا از قاضی عیاض (۲) المول از عرقی (۳) الخصائص از ابن سبع (۴) بخاری شریف (۵) مدارج النبوۃ (۶) خصائص کبریٰ)

- ''حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے جلیل القدر نبی اور رسول نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی تمنا اور آرزو فرمائی۔'' (مدارج النبوۃ)
- ''حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے عظیم الشان نبی اور رسول حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی بن کر دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور حضورِ اقدس کی شریعت پر عمل کریں گے۔'' (خصائص کبریٰ)
- ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج میں بلایا اور اپنے دیدار اور ہم کلامی سے مشرف فرمایا۔'' (حوالہ:۔(۱) بخاری (۲) مسلم (۳) خصائص کبریٰ (۴) مدارج النبوۃ)
- ''حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی اپنی مقدس قبر انور میں زندہ اور حیات ہیں اور اپنے امتی کے حال سے باخبر ہیں۔''

(حوالہ:۔(انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء، از:۔ علامہ جلال الدین سیوطی)

یسے تو بے شمار معجزات و تصرفات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن اگر کوئی گستاخ منافق ان اعجاز و کمالات کو بیان کرنے کے بجائے حضورِ اقدس کو معاذ اللہ اپنے جیسا بشر، عاجز بندہ، مر کر مٹی میں مل گئے وغیرہ کہے اور چوری اوپر سے سینہ زوری کرتے ہوئے ایسا کہے کہ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ کیا غلط ہے؟ کیا قرآن مجید کی آیت میں ''قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' کا ارشاد نہیں؟ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انسانی شکل میں پیدا نہیں ہوئے؟ کیا آپ اللہ کے بندے نہیں تھے؟ کیا آپ نے انتقال نہیں فرمایا؟ تب اسے یہی کہنا مناسب ہوگا کہ تو ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا کلمہ پڑھنے کے باوجود

دائرۂ ایمان سے نکل گیا ہے۔ تیری کلمہ گوئی اور اقرار دین اسلام ان منافقوں کی طرح ہے جن کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ" (پارہ:۱، سورۃ البقرہ، آیت:۸) ترجمہ:- "اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں۔" (کنز الایمان) لہٰذا اے توہین کی نیت سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے والے! تیری اس گستاخانہ بولی کے سبب تو ہرگز مومن نہیں بلکہ منافق ہے۔

⊙ حضور اقدس کو بشر کہنے کے متعلق شرعی حکم:-

پورے قرآن مجید میں کہیں بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "يٰۤاَيُّهَا الْبَشَرُ" کہہ کر مخاطب فرمایا ہو۔ یا ایسا ارشاد فرمایا ہو کہ "اَنْتَ بَشَرٌ مِّثْلُهُمْ" یعنی "آپ ان لوگوں جیسے بشر ہیں"۔ بلکہ "قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کا ارشاد فرمایا ہے اور اس ارشاد گرامی کے ذریعے اپنے محبوب اعظم واکرم کی زبانِ حق ترجمان سے یہ کہلایا ہے کہ "اے محبوب! تم فرماؤ کہ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں"۔ اس ارشاد گرامی میں کیا حکمت ہے؟ اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے ہم نے اوراق سابقہ میں اس آیت مقدس کی مفصل تفسیر اور وضاحت قارئین کرام کی خدمت میں پیش کردی ہے۔ جس کا اعادہ نہ کرتے ہوئے صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ دورِ حاضر کے منافقین بارگاہ رسالت میں گستاخی کرنے کی غرض سے "قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت سے غلط استدلال کرکے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔

⊙ "زمانہ ماضی کے گستاخ رسول بھی توہین وتنقیص رسالت کی غرض سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

"وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ

(پارہ:۲۸،سورۃ المجادلہ،آیت:۸)

ترجمہ:-''اور جب تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں،تو ان لفظوں سے تمہیں مجرا کرتے ہیں، جو لفظ اللہ نے تمہارے اعزاز میں نہ کہے۔'' (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں زمانۂ اقدس کے دشمنانِ رسول اور گستاخانِ رسول کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ وضاحت فرمائی گئی ہے کہ بارگاہ رسالت کے گستاخ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، جو الفاظ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز میں نہیں فرمائے۔یعنی جو الفاظ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز یعنی عزت، رتبہ اور مرتبے کے لیے نامناسب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائے، ان الفاظوں کو گستاخ رسول حضورِ اقدس کے لیے استعمال کرتے ہیں۔مثلاً اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں کہیں بھی نہیں فرمایا کہ میرا محبوب تمہارے جیسا بشر ہے یا میرا محبوب اعظم تمہاری طرح عاجز بندہ ہے۔لیکن دورِ حاضر کے منافقین ان الفاظ کو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

بشر کی بولی بولنے والے دورِ حاضر کے منافقین سے جب کہا جاتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔تب وہ قرآن مجید کی **سورۃ الکہف** اور **سورۂ حٰمٓ سجدہ** کی آیت مقدس **قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** بطور دلیل وثبوت پیش کرتے ہیں اور اپنا منہ ٹیڑھا کرکے کہتے ہیں کہ تمہاری دانش پر تعجب ہے۔کیسی عجیب بات کہتے ہو۔جب حضور کو قرآن میں "بشر" کہا گیا ہے اور قرآن سے استدلال کرکے ہم نے بھی حضور کو بشر کہہ دیا تو اس میں تم کیوں اس قدر پریشان ہوتے ہو۔خود حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بحکم رب فرمایا ہے کہ "میں تمہارے جیسا بشر ہوں"۔

ان جاہلوں کو کیا معلوم کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ الفاظ تواضع وانکساری کے طور پر ارشاد فرمائے ہیں۔ قرآن مجید کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں صاف لکھا ہے کہ:-

- ''تفسیر خازن میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار تواضع کے لیے حکم فرمایا گیا ہے۔'' (تفسیر خزائن العرفان، ص:۵۴۹)
- ''سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہری "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" فرمانا حکمت ہدایت و ارشاد کے لیے بہ طریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں۔ چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا برابری ڈھونڈھنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے۔ تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے اور یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے۔ ہماری بشریت کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔'' (تفسیر خزائن العرفان، ص:۸۵۸)
- ''کسی کو بھی جائز نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے مثل بشر کہے کیونکہ جو کلمات اصحاب عزت و عظمت بہ طریق تواضع فرماتے ہیں۔ ان کا کہنا دوسروں کے لیے روا نہیں ہوتا۔ دوئم یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فضائل جلیلہ و مراتب رفیعہ عطا فرمائے ہوں اس کے ان فضائل و مراتب کا ذکر چھوڑ کر ایسے وصف عام سے ذکر کرنا جو ہر کہہ و مہہ (ہر چھوٹا بڑا) میں پایا جائے، یہ در پردہ ان کمالات کے نہ ماننے کا مُشعر (ظاہر کرنا) ہے۔ سوئم یہ کہ قرآن کریم میں جابجا کفار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے مثل کہتے تھے اور اسی سے گمراہی میں مبتلاء ہوئے۔'' (تفسیر خزائن العرفان، ص:۵۴۹)

قرآن مجید کی تفسیر سے ماخوذ متذکرہ بالا تین عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" ازراہ تواضع وانکساری فرمایا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہ طریق تواضع وانکساری جو جملہ اپنے لیے ارشاد فرمایا ہے، اس جملے کا حضور کے لیے استعمال کرنا کسی امتی کو روا نہیں۔ ایک مثال پیش خدمت ہے:-

''کسی اسلامی یونیورسٹی کے صدر المدرسین جو اپنے وقت کے جید عالم اور محدث ہوں۔ ہزاروں طلباء نے ان کے سامنے زانوئے ادب طے کیے ہوں اور اپنی علمی پیاس بجھائی ہو اور وہ عالم صاحب ''استاذ العلماء'' کے منصب پر فائز ہوں، وہ اگر ازراہ تواضع وانکساری یہ فرمائیں کہ میں تو طلباء کا خادم ہوں۔ تو ان کے اس جملہ کو دلیل بنا کر ان کا کوئی شاگرد اگر یہ کہے کہ اس یونیورسٹی کے صدر المدرسین تو میرے خادم ہیں۔ تو ایسے بیوقوف اور احمق شاگرد کے لیے یہی کہا جائے گا کہ اس کا دماغ مغز سے خالی ہے۔ صدر المدرسین صاحب نے بے شک اور ضرور اپنے متعلق یہ فرمایا ہے کہ میں طالب علموں کا خادم ہوں لیکن ان کے اس متواضع جملے کو دلیل بنا کر کسی طالب علم کو روا نہیں کہ وہ معزز و معظم صدر المدرسین کو اپنا خادم کہے۔ اگر کسی طالب علم نے اپنے استاذ محترم کو اپنا خادم کہا تو وہ بے ادب اور گستاخ کہلائے گا۔''

اس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہ طریق تواضع وانکساری اپنے کو "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" فرمایا ہے، اس کو دلیل بنا کر کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ اور سید الانبیاء والمرسلین، رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "اپنے جیسا بشر" کہے۔ اگر کسی امتی نے اپنے رسول معظم اور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہا تو وہ امتی بے ادب اور گستاخ کہلائے گا اور بارگاہ رسالت کا گستاخ وبے ادب دائرۂ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ:-

⊙ ''فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ جس شخص نے توہین کی نیت سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "هٰذَا الرَّجُلُ" یعنی "یہ شخص" کہا، وہ کافر ہے۔''

⊙ ''فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر، بھائی، آدمی اور انسان کہہ کر پکارنا حرام ہے۔ اگر توہین کی نیت ہے تو کفر

ہے۔" (بحوالہ:-جاء الحق ،از:-حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی)

الحاصل! حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا کسی بھی امتی کو روا نہیں۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار، مشرکین اور منافقین کا طریقہ ہے۔ کسی مومن کا طریقہ نہیں۔

⊙ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو اپنے جیسا بشر کہنے والے بے ادب اور گستاخ گروہ کو تازیانہ زدن کرتے ہوئے حضرت مولانا روم اپنی "مثنوی" میں فرماتے ہیں کہ:-

ہمسری با انبیاء برداشتند ÷ اولیاء راہم چوں خود پنداشتند

گفتہ ایں کہ مابشر ایشاں بشر ÷ ما وایشاں بستۂ خوابیم وخور

ترجمہ:- "ایسے لوگ بھی پیدا ہوگئے ہیں جو انبیائے کرام کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کرتے ہیں اور اولیائے عظام کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ اپنے اس باطل دعوے کی توثیق میں وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ یعنی انبیاء واولیاء بشر ہیں اور ہم بھی بشر ہیں۔ کھانا کھانے اور سونے کے معاملہ میں وہ اور ہم مساوی ہیں۔"

خوب یاد رکھو کہ ....

⊙ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو "بشر" کہنے کا طریقہ شیطان کا طریقہ ہے۔ سب سے پہلے ابلیس لعین نے ہی اللہ تعالیٰ کے نبی کو بشر کہا تھا۔ اور شیطان کے نقش قدم پر چل کر کافروں، مشرکوں، یہودیوں، عیسائیوں، مرتدوں اور منافقوں نے انبیائے کرام کو "بشر" کہا۔ ہر نبی کے زمانے کے منکروں نے اپنے نبی کو "بشر" کہہ کر اپنے نبی کی عظمت اور اہمیت گھٹانے کی رذیل کوشش کی ہے۔

⊙ دورِ حاضر کے منافقین بھی ماضی کے کفار ومنافقین کے نقش قدم پر چل کر

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ⊙ اپنے جیسا بشر ⊙ عاجز بندہ وغیرہ کہہ کر بارگاہِ رسالت میں بے ادبی اور گستاخی کرنے کا جرمِ عظیم کرتے ہیں۔

لیکن.......................

- کسی بھی نبی کے کسی بھی مؤمن امّتی نے اپنے نبی کو "اپنے جیسا بشر" نہیں کہا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر نہیں کہتے تھے کیونکہ وہ حضرات صحیح معنی میں مؤمن اور سچے مسلمان تھے۔
- لہٰذا! جو صحیح معنی میں مؤمن و مسلمان ہیں وہ صحابۂ کرام کے نقشِ قدم پر چل کر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر یا عاجز بندہ نہیں کہتے بلکہ "نوری بشر" اور کائنات کے مالک و مختار کہتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ.......................

- ⊙ حضورِ اقدس کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار، مشرکین اور منافقین کا طریقہ ہے۔
- ⊙ حضورِ اقدس کو بے مثل و مثال نوری بشر کہنا صحابۂ کرام کا طریقہ ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "اپنے جیسا بشر" کہنے والے دورِ حاضر کے منافقین اپنے پیشوا اور مولوی کو کیا کہتے ہیں؟

قرآن مجید کی آیت کریمہ "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" سے غلط استدلال کر کے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "اپنے جیسا بشر" کہنے والے دورِ حاضر کے منافقین اپنے پیشوا اور مولوی کو کیا کہتے ہیں؟ آپ کو حیرت ہوگی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے والے منافقین جب اپنے پیشوا کا معاملہ درپیش ہوتا ہے تب اندھی عقیدت و شخصیت پرستی کے جذبۂ فاسد کے تحت "انسانیت سے بالا درجہ والا" اور "فرشتۂ مقرب" کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں اور "اندھا گائے، بہرا بجائے" والی مثل پر عمل کرتے ہوئے اپنی اندھی عقیدت کی تشہیر و اشاعت بھی کرتے ہیں۔

⦿ **مولوی قاسم نانوتوی کو انسانیت سے بالا درجہ اور فرشتۂ مقرب کہا:۔**

⦿ جن کو وہابی تبلیغی جماعت کے متبعین بڑے ادب و فخر سے "قاسم العلوم والخیرات" کہتے ہیں وہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی کے متعلق دورِ حاضر کے منافقین کا نظریۂ عقیدت دیوبندی مکتبۂ فکر کی دو

مستند کتابوں کے حوالے سے پیش خدمت ہے:-

<u>''مولوی نظام الدین صاحب مغربی حیدر آبادی مرحوم نے جو مولانا رفیع الدین صاحب سے بیعت تھے اور صالحین میں سے تھے، احقر سے فرمایا جب کہ احقر حیدر آباد گیا ہوا تھا کہ مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس (۲۵) برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔ میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا (مولانا نانوتوی کا) دیکھا ہے۔ وہ شخص ایک فرشتۂ مقرب تھا، جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔''</u>

حوالہ:- (۱) حکایت اولیاء (ارواح ثلثہ) از:- مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، ناشر:- کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، حکایت نمبر:۲۴۲، ص:۲۵۹) (۲) سوانح قاسمی، از:- مولوی مناظر حسن گیلانی، ناشر:- دار العلوم دیوبند (یو۔پی) جلد:۱، ص:۱۳۰)

قارئین کرام سے التماس ہے کہ مندرجہ بالا روایت کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اس عبارت کے ضمن میں مندرجہ ذیل نکات پر توجہ فرمائیں:-

(۱) مولوی رفیع الدین صاحب وہابی دیوبندی جماعت کے اکابر میں سے تھے۔ نیز طویل عرصہ تک وہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم رہ چکے ہیں اور مولوی قاسم نانوتوی کے خاص معتمد اور مصاحب تھے۔

(۲) انہیں مولوی رفیع الدین صاحب کا واقعہ ان کے مرید خاص مولوی نظام الدین حیدر آبادی نے بمقام حیدر آباد مولوی اشرف علی تھانوی صاحب سے بیان کیا ہے اور مولوی نظام الدین صاحب حیدر آبادی کے لیے تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ ''صالحین میں سے تھے'' یعنی مولوی نظام الدین صالح طبیعت کے ہونے کی وجہ سے [illegible] لہٰذا اس واقعہ کو مولوی اشرف

علی صاحب تھانوی نے "حکایات الاولیاء" (پرانا نام "ارواحِ ثلٰثہ") کتاب میں بیان کیا ہے۔ اور تھانوی صاحب کے حوالے سے مولوی قاسم نانوتوی کے سوانح نگار مولوی مناظر حسن گیلانی نے "سوانح قاسمی" میں نقل کیا ہے۔

(۳) مولوی اشرف علی صاحب تھانوی روایت کرتے ہیں کہ مولوی رفیع الدین صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے فرمایا کہ "میں پچیس برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔" واہ! کیا عقیدت و تعظیم وادب ہے؟ مولوی رفیع الدین صاحب کسی عام انسان (بشر) کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے تھے بلکہ مولوی قاسم نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور مولوی قاسم نانوتوی کی خدمت میں بغیر وضو یعنی حالت حدث (بحیثیت مُحدِث) حاضر ہونا بے ادبی ہے۔ ایک دو مرتبہ کا اتفاق نہیں بلکہ پورے پچیس (۲۵) سال تک باضابطہ اور نہایت پابندی سے باوضو نانوتوی صاحب کے پاس جاتے رہے اور بقول "کبھی بھی بلا وضو نہیں گیا" جس کا مطلب یہ ہوا کہ مولوی رفیع الدین صاحب پچیس سال یعنی تین سو مہینے یعنی تقریباً نو ہزار دنوں میں ایک مرتبہ بھی نانوتوی صاحب کی خدمت میں "بے وضو" نہیں گئے بلکہ جب بھی گئے، تب "باوضو" ہی گئے۔ کیا مولوی رفیع الدین کے لیے نانوتوی صاحب "نماز" تھے؟ یا ان کے پاس جانا نماز کا حکم رکھتا تھا؟ آخر وجہ کیا تھی؟

(۴) وجہ یہی تھی کہ بقول مولوی رفیع الدین صاحب، مہتمم دار العلوم دیوبند "میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا (مولانا نانوتوی کا) دیکھا ہے۔" یعنی مولوی قاسم نانوتوی کا درجہ، مرتبہ درجہ انسانیت سے بالا یعنی اونچا و بلند ہے۔ قارئین کرام غور فرمائیں کہ مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی مدح وثنا اور تعریف وتوصیف میں کس قدر غلو اور مبالغہ کیا جا رہا ہے اور کیسے خطرناک انداز میں مولوی قاسم نانوتوی کی شانِ عظمت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ عبارت کے جملے کی طرف پھر ایک مرتبہ توجہ فرمائیں۔ "میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا ہے" کا جملہ کیا کہہ رہا ہے؟

لغت میں انسانیت کا معنی "بشریت" ہے۔ (فیروز اللغات، ص:۱۳۰) یعنی مطلب یہ ہوا کہ مولوی قاسم نانوتوی کا مرتبہ انسانیت یعنی بشریت سے بلند ہے۔ یعنی جتنے بھی انسان گزر چکے، موجود ہیں اور بعد میں آئیں گے وہ تمام انسان "بشریت" کے حامل ہیں لیکن مولوی قاسم نانوتوی صاحب تو بشریت سے بھی بلند مرتبہ کے حامل تھے۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی روایت کردہ مذکورہ عبارت میں مطلق انسانیت کا لفظ وارد ہے اور مطلق انسانیت میں تمام انسان آگئے۔ اور تمام انسانوں میں تمام انبیائے کرام اور مرسلین عظام اور سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم بھی آگئے۔ اس عبارت میں مطلق انسانیت کا لفظ بغیر کسی قید اور استثناء کے کہا گیا ہے۔ یعنی لفظ انسانیت تمام انسانوں کو محیط یعنی گھیرے ہوئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات کے تمام انسان پھر چاہے وہ انبیاء اور مرسلین ہوں۔ تمام کی انسانیت یعنی بشریت سے دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی کی بشریت اونچی اور بلند ہے۔

(۵) عبارت کے آخر میں تو غلو ومبالغہ کی آخری منزل سے بھی تجاوز کرتے ہوئے یہاں تک کہا گیا ہے کہ "وہ شخص ایک فرشتۂ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔" یعنی دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی حقیقت میں ایک فرشتہ تھے اور دنیا میں انسانی شکل وصورت میں ظاہر ہوئے تھے۔ اس عبارت میں نانوتوی صاحب کو صرف فرشتہ نہیں بلکہ "فرشتۂ مقرب" کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مولوی قاسم نانوتوی عام فرشتوں کی طرح ایک عام فرشتہ نہ تھے بلکہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، حضرت عزرائیل اور دیگر حاملان عرش وکرسی فرشتگان خاص کی طرح "مقرب فرشتہ" تھے۔ قارئین کرام غور فرمائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا جیسا بشر کہنے والے منافقینِ زمانہ اپنے پیشوا اور ملا کی تعریف میں کس درجہ غلو اور مبالغہ کر رہے ہیں۔ اپنے پیشوا کو بشریت سے اعلیٰ درجہ کا اور مقرب فرشتہ کہہ رہے ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ اپنے پیشوا کے متعلق یہ

جملہ لکھ دیا کہ "جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا" جس کا مطلب یہ ہوا کہ مولوی قاسم نانوتوی انسان نہیں تھے بلکہ انسانیت سے بالا درجے کی ہستی تھے لیکن وہ انسانوں میں ظاہر کیے گئے تھے۔ واہ! کیا کہنا! جب نبی اکرم، رسولِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ ہوتا ہے تو دورِ حاضر کے منافقین "ہمارے تمہارے جیسے بشر" کی ہی راگنی الاپتے ہیں اور جب اپنے پیشوا کا معاملہ درپیش ہوتا ہے تب "اندھا بانٹے ریوڑیاں، ہر پھر کے اپنوں ہی کو دے" والی مثل کے مصداق ہوتے ہوئے اپنے پیشوا کو "انسانیت سے بالا درجہ" اور "فرشتۂ مقرب" کہہ دیتے ہیں بلکہ الوہیت کے درجہ تک پہونچا دیتے ہوئے بھی کسی قسم کی جھجک اور کھٹک محسوس نہیں کرتے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:-

⊙ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی حسین احمد ٹانڈوی کے متعلق لکھا کہ رب العالمین اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر گلی کوچوں میں چلتا پھرتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی حسین احمد ٹانڈوی کہ جن کو وہابی تبلیغی جماعت کے متبعین "مولانا مدنی" اور "شیخ الاسلام" کے نام سے ملقب کرتے ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کی غرض سے دیوبندی مکتبۂ فکر کے مصنفین اور شعراء نے کافی تعداد میں مضامین، کتب اور مراثی ارقام وطبع کیے۔ دہلی سے شائع ہونے والے "الجمعیۃ" روزنامہ نے بھی ٹانڈوی صاحب کے حالاتِ زندگی اور مناقب پر مشتمل "شیخ الاسلام نمبر" شائع کیا۔ اس خاص نمبر میں مختلف نامہ نگار، سوانح نگار اور مضمون نگار نے اپنی عقیدت و والہانہ نسبت کا اظہار کیا تھا۔ مثلاً:-

⊙ "الجمعیت" روزنامہ (دہلی) کا "شیخ الاسلام نمبر" مورخہ ۲۵؍ رجب المرجب ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء کے صفحہ نمبر ۵۹ پر

وہابی جماعت کی ایک نامور شخصیت مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی کا مضمون شائع ہوا ہے۔

مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین آنجہانی مولوی حسین احمد ٹانڈوی صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

''تم نے کبھی خدا کو بھی اپنی گلی کوچوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے؟ کبھی خدا کو بھی اس عرش عظمت وجلال کے نیچے فانی انسانوں سے فروتنی کرتے دیکھا ہے؟ تم کبھی تصور بھی کر سکتے کہ رب العالمین اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر تمہارے گھروں میں بھی آ کر رہے گا؟ تم سے ہم کلام ہوگا؟ تمہاری خدمتیں کرے گا؟

نہیں، ہرگز نہیں، ایسا نہ کبھی ہوا ہے، نہ کبھی ہوگا۔

تو پھر کیا میں دیوانہ ہوں؟ مجذوب ہوں؟ کہ بڑ بک رہا ہوں؟ نہیں بھائیو! یہ بات نہیں ہے۔ بدی ہوں نہ سودائی۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ ہے، حق ہے۔ مگر سمجھ کا ذرا سا پھیر ہے۔ حقیقت ومجاز کا فرق ہے۔ محبت کا معاملہ ہے اور محبت میں اشاروں، کنایوں سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ محبت بے پردہ سچائی کو گوارا نہیں کرتی۔ کچھ بند بند، ڈھکی ڈھکی، چھپی چھپی باتیں ہی محبت کو راس آتی ہیں۔''

یہاں تک حقیقت ومجاز کا فرق، سمجھ کا فرق، محبت کا معاملہ، بے پردہ سچائی اور محبت کو راس آنے والی باتوں کی تمہید باندھنے کے بعد مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی آگے لکھتے ہیں کہ:-

''تو پھر خدارا بتاؤ، جن آنکھوں نے گزی گاڑھے میں ملفوف اس بندے کو دیکھا ہے، وہ کیوں نہ کہیں کہ ہم نے خود اللہ بزرگ وبرتر کا جلوہ اپنی اسی سرزمین پر دیکھا ہے۔''

(حوالہ:- الجمعیۃ دہلی کا ''شیخ الاسلام نمبر'' ص:۵۹)

مندرجہ بالا عبارت پر کچھ بھی گفتگو کرنے سے پہلے مذکورہ عبارت کے کچھ الفاظ کے معنی

لغت سے دیکھ لیں تاکہ قارئین کرام میں سے اردو سے کم واقفیت رکھنے والے حضرات کو "الجمعیت" کے شیخ الاسلام نمبر" کی مذکورہ عبارت اچھی طرح سمجھنے میں آسانی ہو۔

حَلّ لُغت:-

- فروتنی = عاجزی، تواضع، غریبی، مسکینی (حوالہ:- فیروز اللغات، ص ۹۳۱)
- مجذوب = خدا کی محبت میں غرق، بے ہوش، مست، بے خود، آپے سے باہر، صاحب جذب، دیوانہ، پاگل، سڑی، سودائی۔ (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۲۰۵)
- بڑ ہانکنا = بڑ مارنا، مجذوبانہ باتیں کرنا۔ (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۹۹)
- سڑی = پاگل، سودائی، دیوانہ، احمق، بیوقوف (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۷۹۸)
- سودائی = دیوانہ، پاگل، خبطی، جنونی، احمق (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۸۱۹)
- کنایہ = ایما، اشارہ، مبہم بات، (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۰۳۳)
- گزی = موٹا سوتی کپڑا (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۰۹۸)
- گاڑھا = موٹا، دبیز، ایک قسم کا موٹا کپڑا، کھدر (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۰۷۷)
- ملفوف = لپٹا ہوا، لفافہ میں بند، سربند، بند (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۱۲۸۳)
- راس آنا = موافق آنا، ٹھیک ہونا۔ (حوالہ:- فیروز اللغات، ص: ۶۹۷)

حل لغت کے کالم میں مرقوم الفاظ کے معنی و مطلب معلوم کر لینے کے بعد پھر ایک مرتبہ "شیخ الاسلام نمبر" کی مندرجہ بالا پیش کردہ عبارت کا بہ نظر عمیق مطالعہ کرنے کی ہم مؤدبانہ گزارش اپنے معزز قارئین کرام سے کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام نمبر کی مذکورہ عبارت کتنی خطرناک اور توحید کش ہے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل تبصرے سے آجائے گا۔

(۱) مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی دیوبندی مکتبۂ فکر کے ایک ذمہ دار اور مشہور مصنف ہیں۔ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کی کتاب "آزادی کی کہانی خود آزاد کی زبانی" نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔ مولوی ملیح آبادی صاحب اپنے پیشوا مولوی حسین احمد ... اندھی محبت میں ایسے

بہکے اور پھسلے کہ ان کا توحید کا خودساختہ دعویٰ کافور ہو گیا۔

(۲) عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ جناب ملیح آبادی صاحب ایک ناممکن اور محال بات کا شروع میں ذکر کرتے ہیں کہ کیا تم نے خدا کو اپنی گلیوں میں چلتے پھرتے یا لوگوں سے تواضع وانکساری سے گفتگو اور خدمت کرتے دیکھا ہے؟ کیا ایسا کبھی ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر تمہارے مکانوں میں آکر سکونت اختیار کرے؟ ان تمام ناممکن باتوں کو جملہ استفہامیہ کے طور پر ارقام کر کے سوال پوچھا ہے اور پھر اپنے ہی قائم کردہ سوالوں کا خود ہی جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

''نہیں، ہرگز نہیں۔ ایسا نہ کبھی ہوا ہے، نہ کبھی ہوگا۔''

جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ گلی کوچوں میں چلے پھرے، انسانوں کے درمیان آکر رہے اور بسے، ہمارے گھروں میں سکونت پذیر ہو، ہم سے ہم کلام ہو اور ہماری خدمتیں کرے۔ یہ تمام امور ناممکن اور محال ہیں۔ ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان امور کا کوئی امکان ہی نہیں۔

(۳) اپنے ناممکن تخیل و تصور کا رد و ابطال کرنے کے بعد جناب ملیح آبادی صاحب ان ناممکن امور کے امکان کی سبیل ایجاد کر رہے ہیں۔ اور ایسی بات کہہ رہے ہیں کہ کوئی بھی ذی شعور اور ذی عقل ایسی پھوہڑ بات کبھی کہہ نہیں سکتا لہذا ملیح آبادی صاحب ''تو پھر کیا میں دیوانہ ہوں۔'' کا جملہ استعمال کر کے اس حقیقت کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جس کی عقل کا چراغ گل ہو گیا ہو۔ لیکن پھر بھی ایسی بات کہہ رہے ہیں اور اپنے شش و پنج کا اظہار کر رہے ہیں کہ جس بات کا امکان محال ہے ایسی بات کہہ کر کہیں میں پاگلوں میں تو شمار نہیں ہوتا؟ ''مجذوب ہوں کہ بڑ ہانک رہا ہوں؟'' یعنی کیا میں دیوانہ ہوں کہ دیوانگی کے عالم میں بے تکی بات کہہ رہا ہوں؟ جناب ملیح آبادی صاحب کو خود اپنی کہی ہوئی بات کے درست ہونے میں تردد ہے کہ میری یہ بات ٹھنڈے پیٹ کی گپ تو نہیں سمجھی جائے گی نہ؟ خدائے تعالیٰ مولانا مدنی صاحب کے روپ میں گلی کوچوں میں گھومتا ہے، لوگوں

سے بات چیت کرتا ہے، لوگوں کی خدمت کرتا ہے وغیرہ باتیں کہنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں پاگل ہوں؟ میرے ایسے واہیات جملے اور لغو کلام کہیں میری جنونی کیفیت کی نشاندہی تو نہیں کرتے؟

(۴) یہاں تک تو جناب ملیح آبادی صاحب نے ناممکن بات اور امر محال کے ساتھ ساتھ دیوانگی پاگل پن اور جنون کی راگنی آلاپتے رہے اور پھر اچانک پانسا پلٹا اور بات کا رُخ یک لخت موڑ دیا۔ اور اب یقین کے درجہ میں بات کرنے لگے۔ جس امر محال کے متعلق تصور کرنے کو بھی پاگل پن کہہ رہے تھے، اب اسی امرِ محال کے امکان کی بات کہنے سے پہلے کہہ رہے ہیں کہ "نہیں بھائیو! یہ بات نہیں ہے۔ سڑی ہوں، نہ سودائی" یعنی ایسی ناممکن اور محال بات کہہ کر میں پاگل یا دیوانہ نہیں ہوں بلکہ سالم العقل اور فرزانہ ہوں۔ کیونکہ میں نے جو محال بات کہی ہے وہ غلط نہیں ہے بلکہ "جو کہہ رہا ہوں سچ ہے، حق ہے۔" یعنی خدائے تعالیٰ کا گلی کوچوں میں چلتے پھرتے نظر آنا، فانی انسانوں سے فروتنی کرنا، اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر لوگوں کے گھروں میں آکر رہنا لوگوں سے بات چیت کرنا اور لوگوں کی خدمات کرنا سچ ہے، حق ہے۔

(۵) اپنی سراسر جھوٹ اور کذب و دروغ پر مشتمل بات کی صداقت اور حقانیت ثابت کرنے کے لیے جناب ملیح آبادی صاحب "سمجھ کا پھیر" اور "حقیقت و مجاز کا فرق" کی منطق چھانٹنی شروع کرتے ہوئے لکھ رہے ہیں کہ "مگر سمجھ کا ذرا سا پھیر ہے۔ حقیقت و مجاز کا فرق ہے۔" یعنی عبارت کی ابتداء میں جس امرِ محال کا ذکر کیا ہے۔ اس کا صادر ہونا ممکن ہے۔ لیکن یہ امکان سمجھ کے پھیر اور حقیقت و مجاز کے فرق پر مبنی ہے۔ یعنی خدائے تعالیٰ اپنے حقیقی روپ میں انسانوں کے درمیان رہ کر گلی کوچوں میں چلتا پھرتا نظر نہیں آتا تھا بلکہ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی حسین احمد ٹانڈوی صاحب ہمارے درمیان رہ کر ادھر اُدھر بھٹکتے تھے، ہمارے ساتھ فروتنی کرتے تھے، ہمارے گھروں میں آکر ڈیرا ڈالتے تھے، ہم سے گفتگو کرتے تھے، ہماری خدمات کرتے تھے۔ یہ سب "خدائی" کا مظاہرہ جناب حسین احمد صاحب

ٹانڈوی ہمارے درمیان ''خدا کا جلوہ'' اور ''مجازی خدا'' کی حیثیت سے اس دھرتی پر رونما ہوتے تھے۔

(۶) اپنے مقتدا اور پیشوا مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی کو ''مجازی خدا'' ثابت کرنے کے لیے جناب ملیح آبادی صاحب نے آگے چل کر جذبۂ محبت کا دامن تھامنے کی کوشش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''محبت کا معاملہ ہے'' یعنی جناب ٹانڈوی صاحب کے مرتبہ عالیہ میں جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ محبت کا معاملہ اور تقاضا ہے۔ کس کی محبت کا معاملہ ہے؟ خدا کی محبت کا معاملہ ہے؟ نہیں، نہیں! بلکہ ٹانڈوی صاحب کی محبت کا معاملہ ہے۔ صرف محبت ہی نہیں بلکہ ''اندھی محبت'' کا معاملہ ہے۔ اور مشہور مثل ''اندھے کو رات دن برابر ہے۔'' کے مطابق جناب ملیح آبادی صاحب بھی ٹانڈوی صاحب کی محبت میں اندھے بن کر اچھے اور برے میں تمیز کرنے سے عاجز اور قاصر بن کر انہیں ''الوہیت'' کی سرحد میں مارتول کر گھسیڑنا چاہتے ہیں۔ حقیقی خدا نہ کہہ سکے تو ''مجازی خدا'' کہہ دیا۔

(۷) جناب ملیح آبادی صاحب اپنے مقتدا اور پیشوا جناب ٹانڈوی صاحب کو علو مرتبت کے منصب پر فائز کرنے کرانے کے لیے محبت کا معاملہ پیش کرنے کے بعد محبت کا مزاج اور محبت کی خاصیت بھی بیان کر رہے ہیں کہ ''اور محبت میں اشاروں، کنایوں سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ محبت بے پردہ سچائی کو گوارا نہیں کرتی۔'' یعنی محبت میں کوئی بات صاف و صریح لفظوں میں عیاناً اور کھلم کھلا نہیں کہی جاتی بلکہ اشاروں اور کنایوں سے کام لیتے ہوئے بات سمجھائی جاتی ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ ''محبت بے پردہ سچائی کو گوارا نہیں کرتی'' یعنی ایسی حقیقت کہ جو سچ ہونے کے باوجود بے پردہ ہو وہ سچائی محبت کو گوارا نہیں ہوتی۔ اس جملے کے ذریعہ ملیح آبادی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پیشوا جناب ٹانڈوی صاحب ایسی قدسی صفات کے حامل تھے کہ ان کی قدسی صفات کو صاف اور صریح لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ جناب ٹانڈوی صاحب کی ''صفات قدسی'' بقول جناب ملیح آبادی

ایسی سچائی ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جس کا علانیہ طور پر اعتراف بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ "محبت کا معاملہ ہے ۔ اور محبت بے پردہ سچائی کو گوارا نہیں کرتی۔"
یعنی نانوتوی صاحب کی الوہیت کا علی الاعلان اور صاف لفظوں میں اقرار واعتراف نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا اشاروں اور کنایوں میں بات سمجھائی جارہی ہے۔

(۸) اور یہ سمجھایا جارہا ہے کہ جناب نانوتوی صاحب چاہے بشکل وصورت انسان ہمارے درمیان نظر آتے ہیں لیکن وہ صرف ظاہری شکل وصورت میں ہی انسان ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا جلوہ مولانا نانوتوی کی صورت میں روئے زمین پر انسانوں کے درمیان رونما ہوا تھا۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ مسلسل "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کا ورد جاری رکھتے ہوئے انصاف فرمائیں کہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام اور بالخصوص نبی کریم رؤف ورحیم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کی مخالفت کرنے کے لیے بات بات میں توحید کا علم بلند کرنے والے اور اپنے آپ کو توحید کا سچا پرستار کہنے والے اور توحید خالص کے دعوے دار کس بے رحمی سے توحید کے اصولوں پر چھری پھیر رہے ہیں۔ جناب ملیح آبادی صاحب اپنے پیشوا مولوی نانوتوی صاحب کو خدا کا جلوہ ثابت کرنے کے لیے کیسی گھماؤ پھرا کر بات کر رہے ہیں۔ محبت کا معاملہ بے پردہ سچائی، اشاروں کنایوں، وغیرہ کی بے تکی اور بے ربط تمہید باندھنے کے بعد اب یہ کہتے ہیں کہ "کچھ بند بند، ڈھکی ڈھکی، چھپی چھپی باتیں ہی محبت کو راس آتی ہیں۔" یعنی محبت کا اظہار بند لفظوں میں ڈھکے انداز اور چھپے ہوئے مطلب سے ہی بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی جو کہنا ہو اور جو مقصد ہو اسے صاف اور صریح طور پر کہنے کے بجائے ڈھکے انداز میں کہنا ہی مناسب ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جناب نانوتوی صاحب کو "خدا کا جلوہ" کہنے کے لیے بھی وہی انداز اور طرز اختیار کیا گیا ہے۔

(۹) عبارت کے اختتام میں توحید کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر یہاں تک لکھ دیا کہ "تو پھر خدا ملا کہ جو آنکھوں ... اس بندہ کو دیکھا

ہے، وہ کیوں نہ کہیں ہم نے خود اللہ بزرگ و برتر کا جلوہ اپنی سرزمین پر دیکھا ہے۔"

یعنی اب ملیح آبادی صاحب اپنی محبت ٹانڈوی کو بند بند، ڈھکے ڈھکے اور چھپے چھپے انداز میں اظہار کرنے کے بجائے صاف کھلے انداز میں منکشف کر رہے ہیں کہ جب خدا کا فانی انسانوں سے فروتنی کرنا، اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر لوگوں کے گھروں میں آ کر رہنا، لوگوں سے ہمکلام ہونا اور لوگوں کی خدمتیں کرنا ناممکن اور محال ہے خدائے تعالیٰ حقیقی روپ میں اس طرح ہمارے درمیان نظر نہیں آتا، تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے "خدارا بتاؤ" کہ ہماری آنکھوں نے مولانا حسین احمد صاحب مدنی کو ہم سے فروتنی، ہمارے درمیان سکونت، ہم سے ہمکلامی اور ہماری خدمات کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور جن کو ہم نے اس انداز سے دیکھا ہے ہوسکتا ہے کہ ہم نے مولانا حسین احمد مدنی کے روپ میں حقیقی خدا کے بجائے خدا کا جلوہ دیکھا ہو۔

(۱۰) جناب مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی اپنے پیشوا مولوی حسین احمد ٹانڈوی کے عقیدت و محبت میں ایسے غوطہ زن بلکہ مستغرق ہیں کہ اپنے پیشوا کو حقیقی خدا نہ کہہ سکے تو "مجازی خدا" کہہ کر ہی دم لیا اور صاف لفظوں میں انہیں خدا کا جلوہ کہہ دیا۔ "جن آنکھوں نے گزی گاڑھے میں ملفوف اس بندے کو دیکھا ہے۔" یعنی "جن آنکھوں نے گزی گاڑھے یعنی موٹا اور دبیز سوتی کپڑے یعنی کھدر میں ملفوف یعنی لپٹا ہوا جو بندہ یعنی مولوی حسین احمد ٹانڈوی کو دیکھا ہے وہ بظاہر تو ایک بندہ نظر آتا ہے لیکن اس بندے کو دیکھنے کے بعد یہ کہنا ہی مناسب ہے کہ "ہم نے خود اللہ بزرگ و برتر کا جلوہ اپنی اس سرزمین پر دیکھا ہے۔" یعنی اللہ کا جلوہ گزی گاڑھا یعنی کھدر (Cotton Stuff - کھادی) پہنے ہوئے بندے کی شکل میں زمین پر چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔

(۱۱) قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ ہو اس مقصد سے عرض ہے کہ "الجمعیت" (روزنامہ) کے "شیخ الاسلام نمبر" کی زیر تبصرہ عبارت میں دارالعلوم دیوبند کے

صدر المدرسین مولوی حسین احمد ٹانڈوی کے لیے "گزی گاڑھے میں ملفوف بندہ" کا جو جملہ استعمال کیا گیا ہے وہ برمحل اور مناسب ہے۔ یعنی "کھدر پہننے والا بندہ"۔ جناب ٹانڈوی صاحب ایک نمبر کے سیاسی آدمی اور سیاسی پارٹی "کانگریس" کے خاص رکن تھے۔ جب بھی کوئی شخص سیاست کے دلدل میں کودتا ہے، تو اس کا سب سے پہلے کام یہ ہوتا ہے کہ اس کے جسم کے ملبوسات صرف اور صرف کھدر کے ہی ہوتے ہیں۔ خود کو "دیش بھگت" اور "متصلب گاندھوی" میں شمار کرانے کے لیے وہ ہمیشہ کھدر کا ہی لباس پہنتا ہے۔ جناب ٹانڈوی صاحب بھی سر سے پاؤں تک سیاست کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ لہذا انہوں نے بھی دائمی طور پر کھدر کے کپڑے اختیار کر لیے تھے۔ جناب ٹانڈوی صاحب "کھدر دھاری" پکے سیاسی مُلا تھے۔

"ٹانڈوی صاحب کا "کھدر پریم"

سیاسی لیڈر ہونے کی وجہ سے ٹانڈوی صاحب پکے "کھادی دھاری ملا تھے۔ سیاست کی علامت "کھدر" سے ایسا دلی تعلق اور قلبی اُنس تھا کہ زندگی بھر کھدر پہنتے رہے بلکہ لوگوں کو بھی کھدر پہننے کی تلقین کرتے تھے اور رغبت دلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا یہ اصرار تھا کہ میت کا کفن بھی کھدر ہی کا ہو اور جس میت کا کفن کھدر کا نہیں ہوتا تھا، اس پر سخت ناراضگی اور خفگی کا اظہار کرتے تھے۔

⊙ روزنامہ "الجمعیت" کے "شیخ الاسلام نمبر" کی ایک عبارت پیش خدمت ہے –

"مولانا نے ایک جنازے کی نماز کے وقت سخت ناراضگی کا اظہار کیا کیونکہ کفن کھدر کا نہیں تھا۔" (حوالہ:- الجمعیت "شیخ الاسلام نمبر" ص:۲۵)

کفن کھدر کا نہ ہوتا کوئی خلاف شریعت [illegible] ٹانڈوی صاحب سخت

ناراض ہو گئے۔ حالانکہ کھدر کا کفن شرعاً مسنون بھی نہیں۔ سفید کپڑے کا کفن جو بیش بہا قیمت کا اور امیرانہ شان کا نہ ہو۔ ایسے کپڑے میں میت کو کفنا سکتے ہیں۔ لیکن اگر کفن کھدر کا نہ ہو تو گناہ بھی نہیں۔ لیکن جناب ٹانڈوی صاحب کو سیاست کا ایسا پکا رنگ چڑھا ہوا تھا کہ مذہبی امور میں بھی جبراً سیاست کی آمیزش کرتے تھے۔ بلکہ یوں کہیے کہ میت کے کفن کے لیے بھی کھدر کا اصرار کر کے ایک نئی بدعت رائج کر رہے تھے۔

کھدر پہننا جائز اور مباح ہے۔ لیکن فرض یا واجب تو ہرگز نہیں۔ کھدر پہننے والا گنہگار نہیں۔ اسی طرح کھدر نہ پہننے والا بھی گنہگار نہیں۔ کھدر نہ پہننے والا شرعاً مستحق تعزیر اور لائق سرزنش نہیں۔ کھدر نہ پہننے والے پر شرعاً کوئی جرم عائد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر کسی قسم کا مواخذہ ہے۔ لیکن ٹانڈوی صاحب سیاسی لباس کھدر کے ایسے دلدادہ تھے کہ میت کے کفن کے لیے بھی کھدر کو ضروری سمجھتے تھے اور اگر کسی میت کا کفن کھدر کا نہ ہوتا تو ٹانڈوی صاحب صرف ناراض نہیں ہوتے تھے بلکہ "سخت ناراضگی کا اظہار کیا کرتے تھے۔" جس کام کے کرنے یا نہ کرنے سے اسلامی شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہو، ایسے کام کے لیے ناراضگی ظاہر کرنا مناسب اور مستحسن ہے لیکن جس کام کے کرنے یا نہ کرنے میں احکام شریعت کی مخالفت نہ ہوتی ہو، ایسے کام کے لیے ناراضگی بلکہ "سخت ناراضگی" ظاہر کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ یعنی میت کا کفن کھدر کا نہ ہونا، خلاف شریعت کام ہرگز نہیں، تو پھر اس پر کیوں سخت ناراضگی ظاہر کی جا رہی ہے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ جو کام ہمیں پسند ہے وہ کام دوسرے بھی پسند کریں؟ ٹانڈوی صاحب سیاسی آدمی تھے، لہٰذا کھدر پر فریفتہ تھے، لیکن ان کی محبوب اور مرغوب "کھدر" کی وردی سے تمام لوگ محبت و رغبت رکھیں، حتیٰ کہ میت کا کفن بھی کھدر کا ہو، ایسا اصرار کرنا تشدد اور زیادتی نہیں، تو اور کیا ہے؟ جناب ٹانڈوی صاحب نے کھدر کا لباس مذہبی بناء پر نہیں اپنایا تھا بلکہ صرف اور صرف سیاست کی وجہ سے ہی اپنایا تھا۔ لیکن دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین جناب ٹانڈوی صاحب نے اپنے سیاسی ارتکاب کو مذہبی رنگ دینے کی نازیبا اور مذموم حرکت کر کے مذہب اور سیاست کا معجونِ مرکب بنانے کی ناموزوں کوشش کی تھی۔

ایک مزید حوالہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے:-

⊙ دارالعلوم دیو بند کے صدر المدرسین آنجہانی مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی کو سیاسی لباس کھدر سے ایسا لگاؤ تھا کہ زندگی بھر انہوں نے کھدر کا لباس پہنا اور کھدر کا ہی ہمیشہ استعمال کیا۔ یہاں تک کہ ان کو کھدر میں ہی کفنا کر دفنایا گیا۔

"آپ نے زندگی بھر کھدر پہنا، کھدر ہی کا استعمال کیا اور مرنے کے بعد بھی کھدر ہی کا کفن آپ کے حصہ میں آیا۔"

(حوالہ:- روزنامہ "الجمعیت" دہلی کا "شیخ الاسلام نمبر" مورخہ ۱۵ر فروری، ۱۹۵۸ء سنیچر، ص ۱۱۶)

بات کہاں کی کہاں نکل گئی۔ ہمارے موضوع سخن دارالعلوم دیو بند کے صدر المدرسین جناب ٹانڈوی صاحب کو ان کے عاشق زار اور دیو بندی مکتبہ فکر کے ذمہ دار اور نامور مولوی ومصنف جناب ملیح آبادی نے "خدا کا جلوہ" اور "مجازی خدا" کا منصب عطا کرنے کے لیے توحید کے تمام اصولوں کا گلا گھونٹ کر خراج عقیدت پیش کرنے میں حد درجہ کا غلو اور مبالغہ کیا ہے۔ لگے ہاتھ ایک مزید حوالہ ٹٹولیں:-

⊙ ٹانڈوی صاحب عالم نور میں رہتے ہیں اور خود بھی نور ہو گئے ہیں؟

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر اور مر کر مٹی میں مل گئے کہنے والے دور حاضر کے منافقین جب اپنے پیشوا کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، تب اپنے پیشوا کی اندھی عقیدت ومحبت میں بہک کر اپنے پیشوا کی تعریف کے پل باندھتے ہوئے زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ اوراق سابقہ میں مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی کے مضمون کی ایک عبارت پیش کی گئی ہے۔ جس میں دارالعلوم دیو بند کے صدر المدرسین مولوی حسین احمد ٹانڈوی کے متعلق بڑی دلیری اور جرأت سے صاف صاف لکھ دیا کہ جناب ٹانڈوی صاحب اس دھرتی پر اللہ تعالیٰ کا جلوہ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کر کھدر کے لباس میں ملفوف ہو کر بشکل سیاسی مولوی حسین احمد ٹانڈوی لوگوں کے درمیان آیا ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

جناب ٹانڈوی صاحب کا مندرجہ بالا رتبہ و مرتبہ تو ان کی حیات میں تھا لیکن ان کے انتقال کے بعد اب وہ کس درجے و رتبے پر فائز ہیں، وہ دیکھیں:-

''اور اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عالم نور میں رہتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں بھی نور ہے۔ ان کے دائیں بھی نور ہے، ان کے بائیں نور ہے۔ ان کے چاروں طرف نور ہی نور ہے۔ وہ خود نور ہو گئے ہیں۔''

(حوالہ:- روزنامہ ''الجمعیت'' دہلی کا ''شیخ الاسلام نمبر'' ص:۱۲)

جناب ٹانڈوی صاحب جب زندہ تھے تب اس سرزمین پر ''خدا کا جلوہ'' تھے اور جب مر گئے تو سیدھے عالم نور میں پہنچ گئے اور بالآخر خود سراپا نور ہو گئے۔ قارئین کرام انصاف فرمائیں کہ دور حاضر کے منافقین اپنے پیشوا کو کہاں سے کہاں پہونچا رہے ہیں۔ اور ''پیراں نمی پرند مریداں می پرانند'' یعنی پیر تو نہیں اُڑتے مرید اُڑاتے ہیں یعنی جھوٹی تعریف کرتے ہیں والی مثل پر بھرپور عمل کرتے ہیں۔ اپنے پیشوا کی تعریف و توصیف کے وقت توحید کے خود ساختہ تمام اصول بھی یک لخت فراموش کر جاتے ہیں۔

اگر کوئی عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن و حدیث کی روشنی میں توحید کے اصول ملحوظ رکھتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ ارفع و اعلیٰ اور آپ کی بے مثل و مثال نوری بشریت بیان کرتا ہے تو بھی دورِ حاضر کے منافقین کے ماتھے پر شکن پڑتے ہیں اور ناگواری کے آثار ان کے چہرے سے عیاں ہوتے ہیں اور فوراً قرآن مجید کی آیت کریمہ ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' پیش کر کے اور اس آیت سے غلط استدلال کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ اور معاذ اللہ حسب ذیل توہین آمیز جملے ان کی زبان سے جاری ہوتے ہیں۔

⊙ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

''اولیاء و انبیاء و امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور عاجز بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں مگر اللہ نے ان کو

بڑائی دی، وہ بڑے ہوئے، ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں۔ ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہئے، نہ کہ اللہ کی طرح۔"

(حوالہ:- "تقویۃ الایمان" مصنف: مولوی اسمٰعیل دہلوی، ناشر: دار السلفیہ، ممبئی، صفحہ نمبر ۹۹)

تقویت الایمان کی مندرجہ بالا عبارت میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام مقرب بندوں کو عاجز بندے اور عام انسانوں کی مانند شمار کر کے صرف اتنی ہی اہمیت دی کہ وہ ہمارے "بڑے بھائی" ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو صرف بڑے بھائی جتنی ہی اہمیت دو۔ اور بڑے بھائی جتنی ہی تعظیم کرو۔ جس کا ایک مطلب یہ بھی ہوا کہ انبیائے کرام کی تعظیم اپنے باپ کی تعظیم سے کم کرو۔ کیونکہ بڑا بھائی چاہے کتنا بھی معظم ومکرم ہو، باپ کے درجہ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ بلاشبہ! بڑے بھائی کا مرتبہ بڑا ہے لیکن اس کا مرتبہ باپ کے مرتبہ سے کم ہے۔ بڑا بھائی بمقابل باپ کے درجہ میں کم ہی ہوتا ہے۔ الحاصل! تقویت الایمان کے گستاخ مصنف اور امام المنافقین نے انبیائے کرام کی تعظیم کو بڑے بھائی کی تعظیم تک محدود کر دیا ہے اور انبیائے کرام کی تعظیم کا درجہ باپ کی تعظیم سے کم بتایا ہے۔ حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے جذبہ اور عشق صادق کے ولولہ میں بارگاہ رسالت میں اس طرح عرض کرتے تھے کہ "**فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ یَـآ رَسُوْلَ اللّٰہِ**" یعنی "یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان"۔ صحابہ کرام تو اپنے ماں باپ کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قربان کرنے کا جذبہ سکھائیں اور دور حاضر کے منافقین نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم بھی اپنے باپ جتنی کرنے سے روکتے ہیں اور یہ سکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ انسان اور عاجز بندے ہیں۔ ہمارے بڑے بھائی ہیں لہٰذا ان کی تعظیم بڑے بھائی جیسی ہی کرو۔ ناظرین کرام انصاف کریں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمانی جذبہ کی بولی کے مقابل دور حاضر کے منافقین کی بولی کیسی ہے؟ ایمانی ہے یا کفری؟

⊙ منافقین زمانہ کی دیگر کتاب کا ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

"البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ ... حق تعالیٰ

فرماتا ہے "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" (ترجمہ) "کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں۔"..........پس اگر کسی نے بوجہ آدم ہونے کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص کہہ دیا۔ وہ تو خود نص کے موافق ہی کہتا ہے۔" (حوالہ:- "براہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ" مصنف:- مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مصدقہ:- مولوی رشید احمد گنگوہی، ناشر:- کتب خانہ امدادیہ، دیوبند، ص:۳)

مندرجہ بالا عبارت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنی آدم یعنی انسانوں سے مماثل یعنی عام انسانوں کی مانند اور مثل ہونے کے لیے قرآن مجید کی آیت مقدسہ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" ہی بطور دلیل پیش کیا ہے۔ اور مندرجہ بالا عبارت میں آیت کے ترجمہ کی طرف قارئین کرام توجہ فرمائیں گے تو ایک خیانت سامنے آئے گی مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی نے آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا بشر ہوں۔" اس ترجمہ میں جناب انبیٹھوی صاحب نے "تمہارے جیسا" کے بجائے "تمہارے ہی جیسا" کا جملہ لکھا ہے۔ اس جملہ میں لفظ "ہی" کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ لفظ "ہی" تخصیص وتاکید کا حرف ہے۔ (دیکھو:- فیروز اللغات، ص:۱۴۵۹) یعنی تمہارے جیسا کے بدلے "تمہارے ہی جیسا" کا جملہ لکھ کر بات کو مؤکد کیا گیا ہے یعنی معاذ اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا "جملہ بنی آدم" یعنی تمام انسانوں کی طرح بشریت کے معاملہ میں مماثل یعنی ہمسر ہونے میں کسی قسم کا شک وتردد نہیں۔ جیسا کہ اوراق سابقہ میں ہم نے عرض کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثل ومثال نوری بشریت کو عام انسانوں کی بشریت کی طرح ثابت کرنے کے لیے منافقینِ زمانہ قرآن مجید کی مقدس آیت "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" ہی پیش کر کے اس ایت سے غلط استدلال کرنے کی حرکت مذموم کرتے ہیں۔ یہاں بھی وہی طرز اور طریقہ اپنایا گیا ہے۔ جناب انبیٹھوی صاحب نے اس آیت کا ترجمہ کرنے کے بعد یہاں تک لکھ مارا ہے کہ "پس اگر کسی نے بوجہ آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص کہہ دیا۔" (....... اصل کتاب سے حرف بحرف عبارت نقل کی

ہے۔ اصل کتاب میں "بوجہ آدم ہونے کے" چھپا ہوا ہے۔ حالانکہ "بوجہ بنی آدم ہونے کے ہونا چاہیے۔ شاید طباعت کی غلطی سے "بنی آدم" کے بجائے صرف "آدم" چھپ گیا ہے)۔

یعنی مولوی خلیل احمد انبیٹھوی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ اگر کسی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "بھائی" کہا تو اس نے ہرگز نص کے خلاف نہیں کیا "نص" یعنی قرآن پاک کی وہ آیتیں جو صاف اور صریح ہوں۔ (دیکھو۔ فیروز اللغات، ص: ۱۳۶۱) جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "بھائی" کہنا قرآن مجید کی آیت کے خلاف نہیں۔ پھر آگے وضاحت کرتے ہوئے انبیٹھوی صاحب نے لکھا ہے کہ "وہ تو خود نص کے موافق ہی کہتا ہے۔" یہاں بھی "ہی" کا حرف تاکید استعمال کر کے بات کو وزن دار اور موثر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھائی کہنا قرآن سے ثابت ہے اور جو شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھائی کہتا ہے وہ ہرگز قرآن کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ موافقت کرتا ہے۔

ہمارے محترم اور معزز قارئین کرام کی عدالت میں استغاثہ کرتے ہوئے عرض ہے کہ "براہین قاطعہ" کے مصنف جناب انبیٹھوی صاحب کیسے فریبانہ انداز میں موڑ مروڑ کر اپنی بات کہہ رہے ہیں۔ عبارت کی ابتداء میں "نفس بشریت" یعنی انسان ہونے کی حقیقت کی منطق چھانٹی ہے۔ بعد "جملہ بنی آدم" یعنی تمام انسانوں سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نفس بشریت میں برابر کہا۔ ایک نکتہ یہاں قابل توجہ اور غور ہے کہ انبیٹھوی صاحب نے جملہ بنی آدم سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نفس بشریت میں مماثل ٹھہرایا ہے اور جملہ بنی آدم میں تمام انسان آ گئے۔ چاہے مشرک ہو، کافر ہو، مجوسی ہو، دہریا ہو، یہودی ہو، نصاریٰ ہو، چاہے مومن ہو۔ جملہ بنی آدم ان تمام اقسام کو محیط ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چاہے مشرک ہو یا کافر یا اور کوئی باطل مذہب کا متبع ہو، نفس بشریت میں وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مانند و مثل ہے۔ اور اپنی اس ناموزوں بات کو موزوں ثابت کرنے کے لیے "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت قرآن پیش کی ہے۔ حالانکہ اوراق سابقہ میں اس آیت مقدسہ کی تفصیلی وضاحت ... مفسرین سے پیش

کر چکے ہیں۔ جن کا اعادہ نہ کرتے ہوئے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ یہ آیت کریمہ آیت متشابہات میں سے ہے اور قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق جن لوگوں کے دلوں میں کجی یعنی ٹیڑھا پن ہوتا ہے وہی لوگ آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ جس کا تفصیلی بیان "هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ" (پارہ: ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت: ۷) ترجمہ:- "وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اُتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں، وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے۔ وہ جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں، گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈھنے کو۔" (کنزالایمان)

اس ارشادِ ربانی کے مطابق دورِ حاضر کے منافقین بھی آیات متشابہات کو بطورِ دلیل پیش کر کے اور آیات متشابہات کے مَن چاہے معنی اور تاویل کر کے گمراہی کا پہلو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب "براہین قاطعہ" کی زیرِ تبصرہ عبارت میں طریقہ اپنایا گیا ہے۔ "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت پیش کر کے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "نفس بشریت" میں جملہ بنی آدم یعنی تمام انسانوں کے برابر کہا۔ پھر انسان انسان آپس میں بھائی بھائی والے غیر معقول و نامناسب نظریے کے تحت حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انسان ہونے کے ناطے بھائی کہا۔ پھر جرأت اتنی بڑھی کہ یہاں تک لکھ دیا کہ جس نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "بھائی" کہا اس نے قرآن کے خلاف کچھ بھی نہیں کہا بلکہ قرآن کے حکم کے مطابق کہا ہے۔ بات کہاں کی کہاں پہونچا دی؟ نفس بشریت کی منطق چھانٹ کر حضورِ اقدس کو پہلے عام انسانوں کی طرح بشر کہا پھر "بھائی" کہہ دیا۔ اور حضور کو بھائی کہنا قرآن کے ارشاد کے موافق لکھ دیا۔ ان منافقوں سے ہم صرف اتنا ہی پوچھتے ہیں کہ قرآن مجید کی ایسی کون سی آیت ہے، جس کا صاف اور صریح مطلب ایسا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "بھائی" کہو۔

صرف ایک آیت کریمہ کہ جو آیات متشابہات سے ہے یعنی "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" [illegible] کر کے پہلے حضورِ اقدس کو بشر کہا، پھر بھائی کہہ دیا۔ حالانکہ

اس آیت کریمہ کو دلیل بنا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا ہرگز روا نہیں۔ اگر ایمان کی نظر سے اس آیت کو سمجھا جائے تو اس آیت سے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثل و مثال نوری بشریت ثابت ہوتی ہے لیکن دورِ حاضر کے منافقین کو نبی کا بھائی بننے کا ایسا چسکا لگا ہے کہ جس آیت سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثل و مثال نوری بشریت عیاں و بیاں ہو رہی ہے، اسی آیت سے غلط استدلال کر کے بلکہ کھینچ تان کر اور گھسیٹ گھساٹ کر غلط معنی و مفہوم اخذ کر کے حضور اقدس کو ''بشر'' اور ''بھائی'' کے ہی درجۂ اسفل میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی صاحب کی رسوائے زمانہ کتاب ''براہین قاطعہ'' کی زیر بحث مذکورہ بالا عبارت دراصل امام المنافقین، ملا اسمٰعیل دہلوی کی مہلک ایمان کتاب ''تقویۃ الایمان'' کی اُس عبارت کی تائید و توثیق میں کہی ہے جس عبارت میں تمام انبیاء و اولیاء کو عام انسان، عاجز بندے اور بڑے بھائی کہا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ عظمت کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، تو دورِ حاضر کے منافقین قرآن مجید اور احادیث کریمہ کے من مانے تراجم اور من چاہی توضیح کر کے حضور اقدس کے مراتب عالیہ کی پیمائش کرتے ہیں اور گویا کہ انہوں نے حضور اقدس کے مراتب و درجات کو یقینی طور پر ناپ تول لیا ہو اور حضور اقدس کے رتبۂ عالی کی کہاں تک حد ہے؟ وہ ظاہر کرتے ہیں اور حضور اقدس کے درجات و مراتب کی حد بندی کرتے ہیں بلکہ ایک متعین حد مقرر کرتے ہیں کہ وہ عام انسانوں کی طرح بشر تھے، ان کی بڑائی صرف اتنی ہی ہے کہ وہ ہمارے بڑے بھائی ہیں۔ لیکن جب ان کے پیشوا کا معاملہ ہوتا ہے تو پیمائش کے تمام آلات توڑ پھوڑ دیتے ہیں اور اپنے پیشوا کے لیے ایسے کلمات مدح و ثنا ارقام کرتے ہیں، جن کلمات کا استعمال حضور اقدس کی تعریف و توصیف میں ان کے اعتقاد میں ناروا اور شرک ہے۔

⊙ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:۔

''آپ کا قلب [illegible] کے فضائل

علمیہ اور کمالاتِ باطنیہ کی صحیح اطلاع یا تو خداوند قدوس کو ہو سکتی ہے یا اُن اولیاء کرام اور علماء ربانین کو ہو سکتی ہے۔ جن کو مبداء فیاض نے چشم بصیرت عطا فرمائی ہے۔ ہم جیسے کور چشم آپ کی ذات قُدسی صفات کو کیا پہچان سکتے ہیں۔"

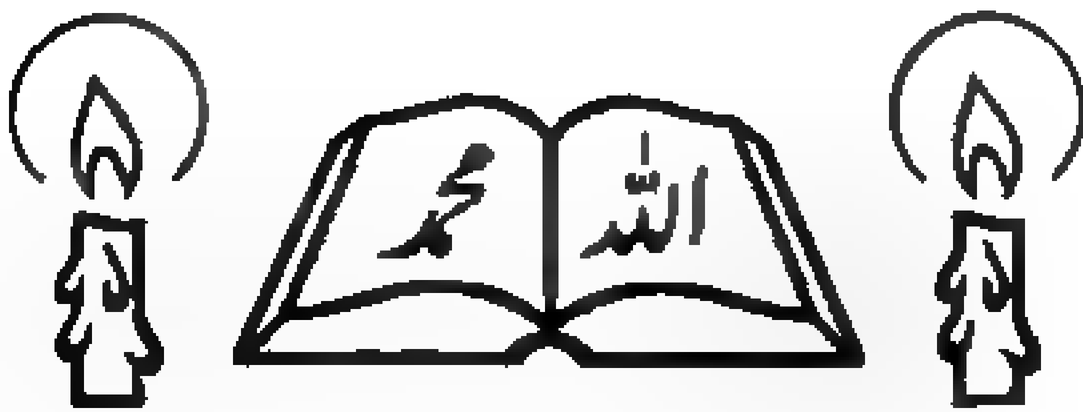
(حوالہ - "الجمعیت" روزنامہ، دہلی کا "شیخ الاسلام نمبر" مورخہ:- ۲۵ رجب المرجب، ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء سنیچر، صفحہ نمبر: ۶۷)

دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین آنجہانی مولوی حسین احمد ٹانڈوی صاحب کی تعریف وتوصیف میں مندرجہ بالا عبارت میں تو یہاں تک کہہ دیا کہ:-

"آپ کے فضائل علمیہ اور کمالات باطنیہ کی صحیح اطلاع یا تو خداوند قدوس کو ہو سکتی ہے یا اُن اولیاء کرام اور علمائے ربانین کو ہو سکتی ہے۔ جن کو مبداء فیاض نے چشم بصیرت عطا فرمائی ہے۔" یعنی ٹانڈوی صاحب میں ایسے ایسے علمی اور روحانی فضائل وکمالات تھے کہ اس کی صحیح معلومات یا تو اللہ تعالیٰ کو ہے، یا اولیاء کرام کو ہے یا ان عالموں کو ہے جو علم الٰہی جانتے ہیں اور جن کے پاس چشم بصیرت یعنی دل کی آنکھ ہے۔ ذرا انصاف کرو! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درجہ اور مرتبہ تو ان منافقوں نے ناپ کر طے کر لیا کہ ہمارے جیسے بشر اور ہمارے بڑے بھائی ہیں۔ لیکن اپنے پیشوا کے متعلق یہ اعتقاد کہ ان کا مرتبہ اللہ تعالیٰ، اولیاء کرام اور علمائے ربانین کو ہی معلوم ہے۔ اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے آخر میں یہ لکھا ہے کہ "ہم جیسے کور چشم آپ کی ذات قُدسی صفات کو کیا پہچان سکتے ہیں" یعنی ہمارے جیسا کور چشم یعنی اندھا ٹانڈوی صاحب کی قدسی صفات والی ذات کو نہیں پہچان سکتا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ٹانڈوی صاحب کے فضائل و درجات وکمالات کا اندازہ لگانا ہم جیسوں کے لیے ناممکن ہے۔ ٹانڈوی صاحب مراتب و درجات کی اتنی بلند منزل میں ہیں کہ وہاں تک ہم جیسوں کی سوچ وفکر کی رسائی نہیں۔ ان کے اعلیٰ مراتب و درجات کی منزل رفیع کو ہماری نگاہیں نہیں دیکھ سکتی۔ بلکہ دیکھنے سے عاجز وقاصر ہیں۔ ان کو ان کے درجات وکمالات کے اعتبار سے دیکھنے کے معاملے میں تو ہم اندھے ہی ثابت ہوں گے۔ ذرا پھر ایک مرتبہ انصاف کرو! دورِ حاضر کے منافقین کی تبلیغی ٹولی کا ... جاہل ... اور ... مبلغ بھی حضورِ اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجات ومراتب کی صحیح اطلاع ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور حضور اقدس کو اپنے جیسا بشر اور بھائی کہتا ہے لیکن اپنے پیشوا کے درجات وکمالات کے متعلق یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ان کے درجات وکمالات کی اطلاع حاصل کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

''شیخ الاسلام نمبر'' کی مندرجہ بالا عبارت کے ضمن میں کافی طویل تنقیدی تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن طوالتِ مضمون کے خوف سے اختصاراً یہاں تک جو کچھ عرض کیا ہے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے صرف یہی کہنا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا اور تعریف وتوصیف میں محبت کے جذبۂ صادقہ کے تحت کہے جانے والے کلمات تحسین پر دورِ حاضر کے منافقین بڑے زور سے چیخ چاخ مچا دیتے ہیں۔ اور توحید کا جھنڈا بلند کر کے شرک کے خطرے کی گھنٹی بجاتے ہیں لیکن جب اپنے پیشوا کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، تب توحید کا جھنڈا اسمیٹ کر اور توحید کے تمام خودساختہ اصولوں کو فراموش کر دیتے ہیں اور ایسے "صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ" یعنی بہرے گونگے اور اندھے ہو جاتے ہیں کہ شرک کے خطرے کی گھنٹی تو کیا گھنٹا بھی سنائی نہیں دیتا۔ لگے ہاتھ دورِ حاضرہ کے منافقین کی اپنی پیشوا کی اندھی عقیدت اور مخمور محبت کی لڑکھڑاہٹ دیکھیں۔



”دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی محمود الحسن دیوبندی نے گنگوہی صاحب کی قبر کو کوہِ طوٗر سے تشبیہ دے کر ”اَرِنِی“ یعنی تیرا جلوہ دکھا پکارا“

وہابی تبلیغی جماعت کے بانی مولوی الیاس کاندھلوی کے پیرومرشد آنجہانی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے انتقال پر تبلیغی جماعت کے حکیم الامت اور مُسلّم پیشوا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے استاذ اور دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی محمود الحسن دیوبندی کہ جن کو تبلیغی جماعت کے متبعین بڑے فخر سے ”شیخ الہند“ کہتے ہیں، انہوں نے گنگوہی صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک مرثیہ مرتب کیا۔ وہ قصیدۂ گنگوہی اور مرثیۂ گنگوہی کے نام سے مشہور ہوا ہے۔ اسی ”مرثیۂ گنگوہی“ کا ایک شعر پیش خدمت ہے:-

تمہاری تربت انور کو دے کر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار ”اَرِنِی“ میری دیکھی بھی نادانی

حوالہ:- مرثیۂ گنگوہی،
مرتبہ:- مولوی محمود الحسن دیوبندی،
ناشر:- کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند، صفحہ:۱۲)

مذکورہ شعر کا مطلب یہ ہے کہ مولوی محمود الحسن دیوبندی صاحب اپنے آنجہانی پیشوا جناب گنگوہی صاحب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے گنگوہی جی! تمہاری تربت انور یعنی نہایت نورانی قبر کو طور سے یعنی کوہ سینا یعنی کوہ طور یعنی ملک شام کا وہ مشہور پہاڑ جس پر خدائے

تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی تجلی دکھائی تھی، اس پہاڑ سے تشبیہ دے کر "ارنی" یعنی "مجھ کو تیرا جلوہ دکھا" کہہ رہا ہوں، اور "ارنی" کہنے میں میری نادانی عیاں ہو رہی ہے۔"

اس شعر پر تبصرہ کرنے سے پہلے "اَرِنی" کے تعلق سے قرآن مجید کے ایک مشہور واقعہ کی جانب التفات کریں:-

"حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا تھا کہ فرعون کی ہلاکت کے بعد اللہ کی جانب سے ایک کتاب لائیں گے۔ چنانچہ فرعون کی ہلاکت کے بعد آپ کوہ سینا (کوہ طور) پر تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بادل نازل فرمایا جس نے طور کے پہاڑ کو ہر طرف سے بقدر چار فرسنگ کے ڈھک لیا۔ شیاطین اور زمین کے جانور حتیٰ کے ساتھ رہنے والے فرشتے تک وہاں سے علیٰحدہ کردیے گئے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے آسمان کھول دیا گیا۔ آپ نے ملائکہ (فرشتوں) کو ملاحظہ فرمایا کہ ہوا میں کھڑے ہیں اور آپ نے عرش الٰہی کو صاف دیکھا۔ یہاں تک کہ الواح پر قلموں کی آواز سنی اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے معروضات پیش کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا کریم کلام سنا کر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نوازا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو فرمایا وہ انہوں نے کچھ نہ سنا۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کلام ربانی کی لذت سے اس قدر لطف اندوز اور بہرہ مند ہوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی آرزو ہوئی اور انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ "اَرِنی یعنی "مجھے اپنا دیدار دکھا"۔

(تفسیر خازن اور تفسیر خزائن العرفان، ص:۳۰۱)

مندرجہ واقعہ کا قرآن مجید میں اس طرح بیان ہے کہ:-

"وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ" (پارہ:۹، سورۃ الاعراف، آیت:۱۴۳)

ترجمہ:۔ ''اور جب موسیٰ ہمارے وعدے پر حاضر ہوا اور اس سے اس کے رب نے کلام فرمایا۔ عرض کی اے رب میرے، مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔'' (کنزالایمان)

الختصر! حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طور کے پہاڑ پر خدائے تعالیٰ کے دیدار کی آرزو میں "اَرِنِیْ" یعنی" مجھے اپنا دیدار دکھا'' کہا۔ جس کا تجزیہ حسب ذیل ہے:۔

- مقام:۔۔۔۔۔کوہ سینا یعنی ملک شام کا مشہور پہاڑ کوہ طور
- کیا کہا؟:۔۔۔"اَرِنِیْ" یعنی" مجھے اپنا دیدار دکھا"۔
- کس نے کہا؟:۔۔حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے۔
- کس سے کہا؟:۔اللہ تبارک وتعالیٰ سے۔

اب آیئے! دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی محمود الحسن دیوبندی صاحب نے اپنے پیشوا جناب گنگوہی صاحب کو مخاطب کر کے جو شعر کہا ہے وہ پھر ایک مرتبہ دیکھیں:

تمہاری تربت انور کو دے کر طور سے تشبیہ
کہو ہوں بار بار ارنی، میری دیکھی بھی نادانی

اس شعر میں جناب دیوبندی صاحب نے قرآن مجید میں مذکور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اسی واقعہ کا پھر ایک مرتبہ تخیلی اعادہ کرتے ہوئے گنگوہی صاحب کی قبر کو" کوہ طور" سے تشبیہ دیتے ہوئے، مولوی محمود حسن دیوبندی بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ''اَرنی'' کہہ رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اللہ تعالیٰ سے "اَرِنِیْ" کہا تھا جبکہ محمود حسن صاحب تو گنگوہی جی سے کہہ رہے ہیں۔ جس کا تجزیہ حسب ذیل ہے۔

- مقام:۔۔۔۔۔مولوی رشید احمد گنگوہی کی قبر بمقام گنگوہ (یو، پی)
- کیا کہا؟:۔۔۔''اَرنی'' یعنی'' مجھے اپنا دیدار دکھا''۔
- کس نے کہا؟:۔۔مولوی محمود الحسن دیوبندی، صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے

✪ کس سے کہا؟:--آنجہانی مولوی رشید احمد گنگوہی سے۔

حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو صرف ایک مرتبہ ہی رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں ''اَرِنی'' عرض کیا تھا مگر دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی تو بار بار یعنی کئی مرتبہ اپنے پیشوا گنگوہی جی کی جناب میں ''اَرِنی'' کہہ رہے ہیں۔ شعر کے الفاظ ''کبھو ہوں یار بار ارنی'' اس پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرات انبیائے کرام اور مرسلین عظام اور بالخصوص سید الانبیاء والمرسلین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کی شان ارفع واعلیٰ میں توہین وتنقیص کرنے کے لیے توحید.... توحید.... اور توحید کی رٹ لگانے والے دور حاضر کے منافقین کے گروہ کے پیشوا اور شیخ الحدیث اپنے مقتدا گنگوہی صاحب کی اندھی عقیدت میں توحید کے اصولوں کے گلے پر کس بے دردی سے چھری پھیر رہے ہیں۔

جب انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کا معاملہ سامنے آتا ہے تو منافقین زمانہ فوراً تقویت الایمان کی بولی بولتے ہیں کہ ''ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے'' (دیکھو:- تقویت الایمان، ص:۹۹) اور مزید برآں قرآن مجید کی مقدس آیت **''قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ''** بھی بطور دلیل پیش کریں گے۔ لیکن جب اپنے گروہ کے سیاسی ملا اور دیگر پیشواؤں کا معاملہ آئے گا تو تمام دلیلیں اور اصول **نسیاً منسیاً** کر جائیں گے۔

مرثیۂ گنگوہی کے زیر بحث شعر میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی کی دلیری اور بے باکی ملاحظہ ہو کہ کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور رب تبارک وتعالیٰ کے درمیان راز و نیاز کا جو معاملہ ہوا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کلام ربانی سے محظوظ ہو کر دیدار الٰہی کی آرزو اور تمنا میں اپنے رب سے ''اَرِنی'' عرض کیا تھا۔ اسی واقعہ کا اعادۂ خیالی جناب گنگوہی صاحب کی ''سمادھی'' پر کر رہے ہیں۔ اور توحید کے اصولوں کی بر سر عام دھجیاں بکھیر رہے ہیں۔ اپنی سراسر خلاف توحید اس مذموم حرکت کو مناسب ثابت کرنے کے لیے شعر کے آخر میں کہتے ہیں کہ ''میری دیکھی بھی نادانی''، یعنی میں جناب گنگوہی صاحب کی قبر کو کوہ طور سے تشبیہ دے کر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی طرح "اَرِنِیْ" ...... "اَرِنِیْ" ...... "اَرِنِیْ" ...... پکار رہا ہوں، یہ میری نادانی ہے۔
لفظ "نادانی" کے معنی لغت میں جہالت، بے وقوفی، ناسمجھی، وغیرہ وارد ہیں۔ (دیکھو:- فیروز اللغات، ص:۱۳۳۶)۔ لہٰذا شعر کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے جہالت، بے وقوفی اور ناسمجھی کے عالم میں جناب گنگوہی صاحب کی قبر کو کوہِ طور سمجھ کر اور جناب گنگوہی صاحب کو خدا اور اپنے آپ کو حضرت موسیٰ تصور کر کے "اَرِنِیْ" یعنی "مجھے اپنا دیدار دکھا" کہا ہے۔ یعنی جناب محمود حسن صاحب دیوبندی اپنے خلاف توحید ارتکاب پر کسی قسم کا مواخذہ اور گرفت نہ ہونے کے لیے "اپنی نادانی" کا بہانہ بطورِ سپر پیش کر کے اپنا دفاع کرنے کا مکروفریب کر رہے ہیں۔

ایک بات خاص طور سے قابلِ غور و توجہ ہے کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا معاملہ ہوتا ہے، تب دورِ حاضرہ کے منافقین ضرورت سے زیادہ دانا، سیانا، ہوشیار، اور سمجھ دار بنتے ہوئے توہین و تنقیصِ رسالت کی غرضِ فاسدہ سے آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ کریمہ کے دلائل اپنے اعتقاد کی تائید و موافقت میں ثابت کرنے کے لیے غلط تراجم، من گھڑت تفاسیر، من چاہے مطالب، دروغ گوئی اور کذب بیانی کا آسرا لیتے ہیں لیکن اپنے مقتداء و پیشوا کی خلافِ توحید اور غلو و مبالغہ پر مشتمل تعریف کرتے وقت قرآن و حدیث کے دلائل کے بجائے "دیوانہ" اور "نادان" بن کر بھی نہ کہنے کا سب کچھ کہہ دیتے ہیں۔ اوراقِ سابقہ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور سیاسی مُلّا جناب حسین احمد ٹانڈوی صاحب کو "خدا کا جلوہ" اور "کملی پوش مجازی خدا" ثابت کرنے کے لیے مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی صاحب نے اپنی خلافِ توحید بات کو مناسب ٹھہرانے کے لیے "محبت کا معاملہ ہے" کا بہانہ پیش کر دیا اور یہاں جناب گنگوہی صاحب کو "اَرِنِیْ" کہہ کر پکارنے کو مناسب ٹھہرانے کے لیے مولوی محمود الحسن دیوبندی اپنی "نادانی" کا عذر آگے دھرتے ہیں۔ ایسے دیوانوں اور نادانوں نے بے شمار لوگوں کے ایمان کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اپنے پیشواؤں کی اندھی عقیدت میں "دیوانہ" اور "نادان" بن کر اپنی خود ساختہ توحید کے پردے کو بھی تار تار کر ڈالا ہے۔

⊙ ایک اہم نکتہ کی طرف بھی معزز قارئینِ کرام کی توجہات مرکوز کرنا ضروری ہے کہ دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین جناب مولوی محمود الحسن دیوبندی کا مرتب کردہ

"مرثیہ گنگوہی" ۱۳۲۳ھ میں جناب گنگوہی صاحب کی موت واقع ہونے کے بعد مرتب کیا گیا ہے۔ اور گنگوہی صاحب کے انتقال کے بعد مرثیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ "تمہاری تربت انور کو" یعنی گنگوہی صاحب کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اے گنگوہی جی! تمہاری محبت میں میں ایسا نادان ہو گیا ہوں کہ تمہاری قبر کو طور کے پہاڑ سے تشبیہ دے کر "اَرِنِیْ" کہہ کر تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اپنا دیدار کراؤ۔ "اور تم کو" "اَرِنِی" کہہ کر پکارنے میں میری جو دیوانگی اور نادانی ظاہر ہو رہی ہے، اس کو تم نے دیکھا؟ مرثیے کے اس شعر میں گنگوہی صاحب سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ تو کیا انتقال کے بعد بھی اپنے ایک اندھے عاشق اور احمق دیوانے کے دلی جذبات کی پکار سننے کا گنگوہی صاحب کو تصرف ہے؟ کیا گنگوہی صاحب کو اپنی تاریک اور اندھیری قبر کی چار دیواری میں محبوس ہونے کے باوجود مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی کا "اَرِنِی" سننے کا اختیار ہے اور کون "اَرِنِی" کہہ رہا ہے؟ وہ جان لینے کا علم رکھتے ہیں؟ حالانکہ دور حاضر کے منافقین کے اعتقاد میں انبیائے کرام کو پکارنا شرک ہے۔ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

> "جو بعض لوگ اگلے بزرگوں کو دور دور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت پوری کر دے اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کوئی شرک نہیں کیا۔ اس واسطے کہ ان سے حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کروائی ہے۔ یہ بات غلط ہے۔ اس لیے کہ اس کے مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا لیکن پکارنے کی رو سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھا کہ دور سے اور نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں۔"

حوالہ:- تقویت الایمان۔

از:- مولوی اسمٰعیل دہلوی۔

ناشر:- دار السلفیہ بمبئی ۸، تاریخ اشاعت، اپریل ۱۹۷۷ء، ص: نمبر ۴۴

تقویت الایمان کی مندرجہ بالا عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی کو دُور یا نزدیک سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ دُور سے اور نزدیک سے وہ برابر سن لیتے ہیں، شرک ہے۔ یعنی کسی بزرگ کو کہ جنہوں نے دنیا سے پردہ فرمالیا ہے۔ دُور سے پکارو یا نزدیک سے پکارو، ہر حال میں شرک ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین مولوی محمود الحسن دیوبندی صاحب نے اپنے پیشوا گنگوہی صاحب کو اپنے مرثیہ گنگوہی میں "اَدِیـــنِیْ" کہہ کر پکارا ہے۔ ان کا یہ پکارنا چاہے دارالعلوم دیوبند کی عمارت میں بیٹھ کر یعنی دُور سے ہو یا چاہے بمقام گنگوہ گنگوہی جی کی "سمادھی" پر حاضر ہو کر انھوں نے گنگوہی صاحب کو "اَدِیْنِیْ" کہہ کر پکارا ہو۔ امام المنافقین مولوی اسمٰعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ کتاب "تقویت الایمان" کے فتوے کی رُو سے کسی کو دُور یا نزدیک سے پکارنا شرک ہے۔ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جو کام انبیائے کرام اور اولیائے عظام کے ساتھ کرنا دورِ حاضر کے منافقین کے اعتقاد میں شرک، ناجائز اور حرام ہیں، وہی کام انھوں نے اپنے پیشواؤں کے حق میں جائز قرار دے کر اور اپنے پیشواؤں کی طرفداری کر کے کھلم کھلا "سیاں بھیے کو توال، اب ڈر کاہے کا" والی مثل پر عمل کر کے اپنے متضاد رویہ سے قوم و ملت کی رہبری کر رہے ہیں یا رہزنی کر رہے ہیں؟

خدائے تعالیٰ سے بڑھ کر تھانوی صاحب کا ڈر؟

اس عنوان کی سرخی دیکھ کر ہمارے معزز قارئین کرام شاید حیرت و تعجب سے چونک اٹھے ہوں گے۔ لیکن بحمد للہ تعالیٰ ہم نے پوری کتاب میں کامل دیانتداری سے کام لیتے ہوئے غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ الزام تراشی اور افترا پردازی سے پرے ہو کر ہم نے دلائل و شواہد کے دائرے میں رہ کر، بہت ہی احتیاط سے اصل کتاب سے حوالہ نقل کیا ہے۔ وہابی تبلیغی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے ملفوظات کا مجموعہ "الفصل للوصل" مؤلف:- مولوی ابرار الحق، ناشر:- مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون، یوپی، جز اول ص: ۹ کی ایک عبارت ذیل میں پیش ہے:

"تیسری حالت یہ ہے کہ حضرت والا کا خوف اتنا ہے کہ گویا حق تعالیٰ کا خوف اتنا اپنے اندر نہیں پاتا۔ اگر حضرت والا کے مزاج کے خلاف کوئی کام ہو جاوے، تو اتنی خشیت ہوتی ہے کہ زمین پھٹ جاوے اور اس میں سما جاؤں اور امر حق کی مخالفت سے اتنا خوف نہیں ہوتا۔ اس سے ڈرتا ہوں کہ گناہ تو نہیں؟

جواب:- نہیں۔ کیونکہ یہ غیر اختیاری ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غائب کا خوف عقلی ہے اور حاضر کا طبعی اور تفاوت خاصیتوں کا ہے۔"

مندرجہ بالا عبارت کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس کا پس منظر ملاحظہ ہو:-

"مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے انتقال سے پانچ سال پہلے یعنی ۱۳۵۷ھ میں لاہور کا سفر کیا تھا۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ۲۹ صفر المظفر ۱۳۵۷ھ بمطابق ۳۰ اپریل ۱۹۳۸ء بروز سنیچر اپنے گاؤں تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر، یو۔ پی) سے بذریعہ ٹرین لاہور جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ تھانہ بھون سے لاہور بذریعہ ٹرین (ریل) جانے کے لیے براہ (via) سہارنپور اور امرتسر ہی جانا پڑتا تھا۔ تھانوی صاحب نے اپنے لاہور کے سفر کی اطلاع اپنے متعلقین و محبین کو پہلے ہی سے بذریعہ خط دے رکھی تھی لہٰذا جب تھانوی صاحب کی ٹرین امرتسر ریلوے اسٹیشن پہونچی، تو امرتسر کے ریلوے اسٹیشن پر تھانوی صاحب کے "مرید خاص" مولوی فقیر محمد صاحب امرتسری موجود تھے۔ مولوی فقیر محمد صاحب کو کچھ ذہنی اُلجھنیں اور قلبی اشکال گھیرے ہوئے تھے اور ان کو طرح طرح کے وسوسے آیا کرتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے اپنے وساوس اور اشکال کا حل حاصل کرنے کی غرض سے تھانوی صاحب کے ساتھ لاہور کا سفر کرنا طے کیا تھا تا کہ اثنائے راہ ٹرین میں اور دوران سفر وہ موقع پا کر تھانوی صاحب کو اپنی الجھنیں سنا کر اس کا شافی حل حاصل کر سکیں۔

الغرض! مولوی فقیر محمد صاحب امرتسر سے تھانوی صاحب کے ہم سفر بنے اور لاہور تک کا سفر کیا۔ اس سفر کی تفصیل مولوی ابرار الحق نے تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ "الفصل للوصل" کتاب کے صفحہ نمبر ۵۱ تا ۶۸ میں ارقام کیا ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۵۹ کی عبارت ہم نے ابتداء میں نقل کی ہے۔

مولوی فقیر محمد صاحب نے دوران سفر موقع پاکر اپنے چند اشکال تھانوی صاحب کے سامنے پیش کیے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ:۔

''میں خدا سے بھی زیادہ آپ کا ڈر محسوس کرتا ہوں۔ اگر خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے تو اتنا ڈر وخوف نہیں ہوتا، جتنا ڈر اور خوف آپ کے مزاج کے خلاف کوئی کام کرنے پر ہوتا ہے۔ آپ کے خوف کا تو یہ عالم ہے کہ اگر آپ کے مزاج کے خلاف مجھ سے کوئی کام ہو جاتا ہے، تب اتنا خوف لاحق ہوتا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ زمین پھٹ جائے اور میں زمین میں سما جاؤں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی کام ہو جاتا ہے تب اتنا ڈر نہیں لگتا۔ کیا اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟''

مولوی فقیر محمد صاحب کے مندرجہ بالا معروضے پر لگتا ہے کہ تھانوی صاحب پھولے نہیں سمائے ہوں گے۔ تیرے صدقے جاؤں! تیرے منہ میں گھی شکر! کیا عجیب بات سنائی۔ واہ! واہ! تمہاری محبت وعقیدت قابلِ داد ہے! ارے! کیا کہا؟ خدا سے بھی زیادہ مجھ سے ڈرتے ہو؟ میرے مزاج کے خلاف کسی کام کے ارتکاب پر خوف وندامت سے زندہ درگور ہو جانے کی خواہش کرتے ہو؟ اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی پر کوئی خوف محسوس نہیں کرتے ہو؟ شاباش! کیا خوب کہی۔ اس احساس پر ڈر گئے ہو کہ گناہ ہوتا ہے یا نہیں؟ ارے گھبراتے کیوں ہو۔ ہمارا جواب سنو!

مولوی فقیر محمد صاحب کو تھانوی صاحب نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ:۔

''**الجواب**:۔ نہیں! کیونکہ یہ غیر اختیاری ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غائب کا خوف عقلی ہے اور حاضر کا طبعی اور تفاوت خاصیتوں کا ہے۔'' یعنی تم کو خدا سے زیادہ میرا ڈر محسوس ہوتا ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہ احساس غیر اختیاری ہے یعنی تمہارے اختیار سے باہر ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غائب کا خوف عقلی یعنی عقل سے منسوب ہے اور حاضر کا خوف طبعی یعنی طبیعت سے منسوب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا ... لہٰذا ... ہے اور میں حاضر ہوں لہٰذا میرا

خوف زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ یعنی میں تمہارے سامنے موجود ہوں اور خدا تمہارے سامنے سے غائب ہے لہٰذا تمہیں خدا سے زیادہ میرا خوف محسوس ہوتا ہے۔

قارئین کرام! انصاف فرمائیں! تھانوی صاحب اپنی اہمیت جتانے کے لیے خدا کے خوف سے اپنے خوف کے احساس کو مناسب قرار دینے کے لیے "غائب" اور "حاضر" کی بے تکی منطق بگھار رہے ہیں۔ اس وقت انبیائے کرام کی عظمت واہمیت کا معاملہ نہیں، اس وقت ملت اسلامیہ کے کروڑوں صحیح العقیدہ مسلمانوں کے اعتقاد کا معاملہ نہیں بلکہ خود اپنی اہمیت وشان جتانے کا معاملہ ہے۔ اپنے عاشق زار اور عقیدت میں اندھے خاص الخاص مرید کے اعتقاد کا معاملہ ہے، لہٰذا شرک، ناجائز اور حرام کا فتویٰ دینا تو در کنار بلکہ اپنے مرید کے خلاف توحید تصورات وتخیلات فاسدہ کو مناسب ٹھہرانے کی سعی بلیغ کی جارہی ہے۔ اپنے مرید کے خیالات فاسدہ کا دفاع کرنے کے لیے معاذ اللہ خدا کو "غائب" اور خود کو "حاضر" سے مَعْنُوْنْ کیا۔

اگر تھانوی صاحب میں غیرت ایمانی کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہوتا، تو ایسے خلاف توحید خیالات پر تلملا اٹھتے کیونکہ سوال پوچھنے والا کوئی دیہاتی جاہل نہ تھا کہ جس کو اچھے بُرے کی تمیز نہ ہو۔ بلکہ سوال پوچھنے والا ایک ذمہ دار مولوی تھا۔ حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ جس خلاف توحید شبہہ کے ازالے کے لیے مولوی فقیر محمد نے تھانوی صاحب کی طرف رجوع کیا، اس شبہہ کا ازالہ کرنے کے بجائے تھانوی صاحب نے اضافہ کر دیا یعنی معاملہ سلجھانے کے بجائے مزید الجھا دیا بلکہ الجھانا آسان سلجھانا مشکل والے مقولے پر عمل کر دکھایا۔ یعنی مولوی فقیر محمد صاحب کے دل میں خلاف توحید جو وسوسہ تھا، اس وسوسے کو دور کرنے کے بجائے اس وسوسے کی مَضَرَّتْ کو مَنْفَعَتْ قرار دیا یعنی جو وسوسہ مہلک اور نقصان دہ تھا اس کو مناسب بتایا۔ جو وسوسہ ایمان کے لیے سم قاتل تھا، اس میں "غائب" اور "حاضر" کی منطق کا قاتل زہر ملایا اور خود کے بھی ایمان کے لالے پڑ گئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو "غائب" یعنی غیر موجود کہنا سراسر خلاف توحید اور خلاف آیات قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ... "شہید" یعنی گواہ

یعنی موجود ہونا ہے۔اس سلسلہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقدس کلام قرآن مجید کی چند آیات کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کریں:-

✪ **آیت نمبر ۱:- "اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدًا"**

(پارہ: ۵ ،سورۃ النساء، آیت ۳۳)

ترجمہ:- ''بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔'' (کنزالایمان)

✪ **آیت نمبر ۲:- "هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا"**

(پارہ: ۲۸ ،سورۃ المجادلہ، آیت: ۷)

ترجمہ:- ''وہ ان کے ساتھ ہے جہاں کہیں ہوں'' (کنزالایمان)

✪ **آیت نمبر ۳:- "وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ"**

(پارہ:۲،سورۃ البقرہ، آیت:۱۸۶)

ترجمہ:- ''اور اے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں۔'' (کنزالایمان)

✪ **آیت نمبر ۴ اور ۵:- "وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ"**

(۱) پارہ:۲۸ ،سورۃ المجادلہ، آیت:۶
(۲) پارہ: ۳۰، سورۃ البروج، آیت:۹)

ترجمہ:- ''اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔'' (کنزالایمان)

✪ **آیت نمبر:-۶:- "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ"**

(پارہ:۲۶ ،سورۃ قٓ، آیت:۱۶)

ترجمہ:- ''اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے۔اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔''
(کنزالایمان)

✪ **آیت نمبر ۷:- "اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ"**

(پارہ:۳۰،سورۃ الفجر، آیت:۱۴)

ترجمہ:- ”بے شک تمہارے رب کی نظر سے کچھ غائب نہیں۔“ (کنزالایمان)

✪ آیت نمبر ۸ اور ۹ :- ”اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ“

(۱) پارہ: ۴، سورۂ آل عمران، آیت: ۱۱۹

(۲) پارہ: ۶، سورۃ المائدہ، آیت: ۷)

ترجمہ:- ”اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات“ (کنزالایمان)

✪ آیت نمبر ۱۰ :- ”وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ“

(پارہ: ۲۸، سورۃ التغابن، آیت: ۲)

ترجمہ:- ”اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔“ (کنزالایمان)

✪ آیت نمبر ۱۱:- ”يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ“

(پارہ: ۲۴، سورۃ المؤمن، آیت: ۱۹)

ترجمہ:- ”اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔“ (کنزالایمان)

✪ آیت نمبر ۱۲:- ”وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ“

(پارہ: ۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت: ۱۱)

ترجمہ:- ”اور وہی سنتا دیکھتا ہے۔“ (کنزالایمان)

✪ آیت نمبر ۱۳ :- ”وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ“

(پارہ: ۴، سورۂ آل عمران، آیت: ۱۵۳)

ترجمہ:- ”اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔“ (کنزالایمان)

ایسی تو سینکڑوں آیات قرآنیہ پیش کی جاسکتی ہیں، جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ”شَهِيْدٌ“، ”بَصِيْرٌ“، ”سَمِيْعٌ“، ”عَلِيْمٌ“ اور ”خَبِيْرٌ“ کا بیان ہے، مندرجہ بالا کل تیرہ (۱۳) آیات شریفہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ:-

⊙ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز کا گواہ ہے۔ دیکھو آیت: ۱، اور ۴، اور ۵، اور گواہ کبھی بھی غائب نہیں ہوتا۔ غائب کی گواہی شرعاً، قانوناً اور عقلاً معتبر و مسموع نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ”شہید“ ہونا اس بات کی ... ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز غائب

یعنی غیر موجود، غیر حاضر اور پوشیدہ نہیں۔

- بندہ جہاں کہیں بھی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے، دیکھو آیت نمبر ۲، اور جو ساتھ ہوتا ہے وہ غائب نہیں ہوتا بلکہ موجود ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی تجلیات وکبریائی کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے لہٰذا وہ ہرگز غائب نہیں ہے بلکہ موجود و قریب ہے۔
- اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے نزدیک ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۳، اور نزدیک وہی ہوتا ہے جو غائب نہیں ہوتا۔ غائب میں نزدیک وقریب ہونے کی صفت وصلاحیت نہیں ہوتی بلکہ جو غائب ہوتا ہے وہ بعید اور دوُر ہوتا ہے۔ اتنا دوُر ہوتا ہے کہ پوشیدہ ہوتا ہے۔
- اللہ تبارک وتعالیٰ بندے کے دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک اور قریب ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۶، جب اللہ تعالیٰ بندے کے دل کی رگ سے بھی "اَقْــرَبُ" یعنی زیادہ نزدیک ہے، تو یقیناً ماننا اور کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز غائب نہیں۔
- اللہ تعالیٰ کی نظر سے کچھ بھی غائب نہیں، دیکھو آیت نمبر ۷، جب اللہ تعالیٰ کی نظر سے کچھ بھی غائب نہیں تو سب کچھ سے اللہ تعالیٰ بھی غائب نہیں۔ اس کی قدرت اور نظر کائنات کی ہر چیز کو محیط یعنی گھیرے ہوئے ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا غائب ہونا محال اور ناممکن ہے۔
- اللہ تعالیٰ دلوں کی بات اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے، وہ خوب جانتا ہے، دیکھو آیت نمبر ۸، ۹، اور ۱۱، اور جو غائب ہوتا ہے وہ جان نہیں سکتا لہٰذا لامحالہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز غائب نہیں ہے۔
- اللہ تعالیٰ بندوں کے کام دیکھ رہا ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۰، اور دیکھنے کے لیے دیکھنے والے کا موجود ہونا لازمی ہے کیونکہ جو غیر موجود یعنی غائب ہوتا ہے وہ دیکھ نہیں سکتا۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام کام دیکھ رہا ہے۔ تو اس کا صاف اور صریح مطلب یہی ہوا کہ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ غائب نہیں بلکہ موجود ہے اور بندوں کے

اعمال ملاحظہ فرمارہا ہے۔

⊙ اللہ تعالیٰ "سمیع" اور "بصیر" ہے یعنی سنتا دیکھتا ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۲، اور سننا اور دیکھنا اسی کے لیے ہی ممکن ہے جو غائب نہ ہو بلکہ موجود ہو۔ جب اللہ تعالیٰ سنتا اور دیکھتا ہے تو ثابت ہوا کہ بے شک اللہ تعالیٰ موجود ہے اور غائب نہیں۔

⊙ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے تمام کاموں کی خبر ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۳، اور خبر ہونا یعنی اطلاع و معلوم ہونا اسی کے لیے ممکن ہے جس نے کاموں کا مشاہدہ کیا ہو اور مشاہدہ کرنے کے لیے موجود ہونا ضروری ہے۔ غائب کے لیے مشاہدہ کرنا ممکن نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کو بندوں کے تمام کاموں کی خبر ہے۔ تو لازمی ہے کہ بندوں کے تمام کام اللہ تبارک وتعالیٰ کے احاطۂ مشاہدہ میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ موجود ہے اور غائب نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی مندرجہ بالا مذکورہ صفات سے اللہ تعالیٰ کا غائب نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک لمحہ کے لیے بھی غائب نہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جتنی بھی صفات ہیں وہ دائمی ہیں، عارضی نہیں۔ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ⊙ ازلی ⊙ ابدی ⊙ سرمدی ⊙ قدیم ⊙ واجب الوجود ⊙ غیر مخلوق ⊙ غیر حادث ہے اسی طرح اللہ کی تمام صفات بھی ازلی، ابدی، سرمدی، قدیم، واجب الوجود، غیر مخلوق اور غیر حادث ہیں۔

⊙ **ازلی اور قدیم**:- یعنی ہمیشہ سے ہیں۔ جس طرح خدا کی ذات ہمیشہ سے ہے اسی طرح اس کی تمام صفات بھی ہمیشہ سے ہیں۔ ایسا نہیں کہ پہلے صرف خدائے تعالیٰ کی ذات ہی تھی اور بعد میں اس کی صفات ظہور پذیر ہوئیں بلکہ خدا کی ذات کے ساتھ ساتھ ہی اس کی صفات ہمیشہ سے ہیں۔

⊙ **سرمدی اور ابدی**:- یعنی ہمیشہ رہیں گی جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہمیشہ رہے گی اسی طرح اس کی تمام صفات بھی ہمیشہ رہیں گی۔ ایسا ہونا غیر ممکن ہے کہ خدا کی ذات تو ہمیشہ رہے گی اور اس کی صفات ہمیشہ نہ رہیں۔ بلکہ جس طرح خدا کی ذات ہمیشہ رہے گی اس کی تمام صفات بھی اس کی ذات کے ساتھ ساتھ

باقی رہیں گی۔

⊙ **واجب الوجود** :- یعنی اس کا وجود لازمی اور ضروری ہے۔ خدائے تعالیٰ کی تمام صفات اس کی ذات کے ساتھ ہمیشہ موجود ہیں۔ ایک لمحے کے لیے بھی خدائے تعالیٰ کی صفات اس کی ذات سے الگ و جدا نہیں۔

⊙ **غیر مخلوق** :- یعنی پیدا کی ہوئی نہیں۔ بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کسی کے پیدا کرنے سے وجود میں نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بفرمان قرآن "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ" (پارہ: ۳۰ سورۂ اخلاص، آیت: ۳، ترجمہ:- نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے۔" (کنز الایمان) کے مطابق اس کا وجود بذات خود ہمیشہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات تولد یعنی پیدا ہونے سے پاک ہے اسی طرح اس کی تمام صفات بھی پیدا ہونے سے پاک اور کسی کے بنانے سے پاک یعنی غیر مخلوق ہیں۔

⊙ **غیر حادث** :- یعنی کبھی بھی زائل اور فنا نہیں ہوں گی، بلکہ ہمیشہ باقی رہیں گی، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات فنا اور زائل ہونے سے پاک اور منزہ ہے، اس کی تمام صفات بھی فنا اور زائل ہونے سے بری اور مبرا ہیں۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی ذات ⊙ غیر محدود ⊙ محیط ⊙ حقیقی اور ⊙ غیر متناہی ہے۔ اسی طرح اس کی تمام صفات بھی ان خوبیوں کی حامل ہیں۔

الحاصل! اللہ تعالیٰ کو "غائب" کہنا، اس کی صفت ⊙ شہید ⊙ قریب ⊙ علیم ⊙ سمیع ⊙ بصیر اور خبیر میں نقص لگانا ہے اور شانِ الوہیت کی تنقیص ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات اتنی ارفع و اعلیٰ ہے کہ جس لفظ میں یا جس وصف میں بارگاہ الوہیت کی تنقیص و توہین کا ہلکا سا شائبہ بھی ہو، ایسے لفظ یا وصف کو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات کے لیے استعمال کرنا، یا منسوب کرنا، یا اضافت کرنا، اپنے کو دائرۂ ایمان و اسلام سے خارج کرنے کے مترادف ہے۔ بلکہ ایسے وصف سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو متصف کرنا کہ جو حقیقت پر مبنی ہونے کے باوجود غیر مہذب ہو، حرام ہے۔

آیات قرآنیہ سے اس مسئلے کی وضاحت:-

اللہ تعالیٰ تمام جہان کا مالک ورب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی پوری کائنات کو پیدا فرمایا ہے۔ کائنات کی ہر چیز کا اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی تمام انسان، فرشتے، جنات، چرندو پرند، حیوانات و بہائم بلکہ اس کائنات میں جتنے ذی روح ہیں، ان تمام کو پیدا فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:-

آیت نمبر ا: "ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ" (پارہ: ۷، سورۃ الانعام، آیت: ۱۰۲)

ترجمہ:- "یہ ہے اللہ تمہارا رب اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ ہر چیز کا بنانے والا، تو اُسے پوجو۔" (کنز الایمان)

آیت نمبر ۲: "قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ"

(پارہ: ۱۳، سورۃ الرعد، آیت: ۱۶)

ترجمہ:- تم فرماؤ، اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے۔" (کنز الایمان)

آیت نمبر ۳: "صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ"

(پارہ: ۲۰، سورۃ النمل، آیت: ۸۸)

ترجمہ:- "یہ کام اللہ کا ہے جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز" (کنز الایمان)

آیت نمبر ۴: "وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا" (پارہ: ۱۴، سورۃ النحل، آیت: ۵)

ترجمہ:- "اور چوپائے پیدا کیے۔" (کنز الایمان)

مندرجہ بالا آیات مقدسہ سے ثابت ہوا کہ کائنات کی ہر چیز کا خالق یعنی بنانے والا اور پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ علاوہ ازیں آیت نمبر ۴: میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چوپائے یعنی چار پاؤں والے جانور پیدا فرمائے۔ یعنی تمام جانوروں کو پیدا فرمایا۔ تمام جانوروں میں شیر، ہاتھی، بھیڑیا، گھوڑا، اونٹ، بیل گائے، بکری، خنزیر، وغیرہ سب آ گئے۔ یہ مسلم حقیقت ہے کہ تمام جانوروں کا خالق اللہ تعالیٰ [illegible] خنزیر یعنی سور کو بھی

اسی نے پیدا فرمایا ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کو خنزیر کا خالق کہنا جائز نہیں۔ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:۔

✪ ''خدائے تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن اس کو "خالق الخنزیر" کہنا جائز نہیں۔ شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس ص:۱۷۳ میں ہے کہ "اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ وَیَلْزِمُہٗ اَنْ یَّکُوْنَ خَالِقُ الْخَنَازِیْرِ مَعَ اَنَّہٗ یَجُوْزُ الْاِطْلَاقُ الْمَلْزُوْمِ لَا اللَّازِمِ" (حوالہ:- عجائب الفقہ، ص:۷۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ خنزیر (Pig) کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی تمام جانوروں کو پیدا فرمایا ہے۔ تو خنزیر بھی تمام جانوروں میں شامل ہے لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کو "خالق الخنزیر" کہنا جائز نہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ خنزیر ایک لائق نفرت اور قابل قباحت جانور ہے۔ خنزیر ایک ایسا ناپاک اور حرام جانور ہے کہ اس کی حرمت اور نجاست پر قرآن مجید کی آیات اور متعدد احادیث کریمہ وارد ہیں۔ خنزیر کی حرمت، نجاست اور قباحت کی وجہ سے اس کی تخلیق کی مخصوص اضافت اللہ تعالیٰ سے کرنا خلاف شانِ الوہیت ہے۔

اگر کسی نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو "رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" یا "خَالِقُ الْکَائِنَاتِ" یا "رَبُّ مُحَمَّدٍ" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا "رَبُّ الْکَعْبَۃِ" یا "خَالِقُ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتِ" کہا، تو اس نے عین قرآن کے مطابق اور مناسب ہی کہا۔ لیکن اگر کسی نے مندرجہ بالا اوصاف کے بجائے اللہ تعالیٰ کو "رَبُّ الْخِنْزِیْرِ" یا "خَالِقُ الْخِنْزِیْرِ" کہا، تو اس نے اس حقیقت کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو پیدا فرمایا ہے اور تمام جانوروں میں خنزیر بھی شامل ہے لہٰذا خنزیر کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے، اس حقیقت کے باوجود بھی اس نے ناجائز اور غیر مناسب کہا ہے۔ کیونکہ خالق الخنزیر کہنے میں اللہ تعالیٰ کی شانِ عظمت بیان نہیں ہوتی۔ اگر کسی نے بارگاہ خداوندی میں توہین اور گستاخی کرنے کی نیت سے اللہ تعالیٰ کو ''خالقِ خنزیر'' کہا، تو کافر ہو جائے گا۔

اس کائنات میں سب سے زیادہ عزت، عظمت، تعظیم، ادب، تعریف، توصیف، مدح

وثنا، بزرگی، برتری، سراہنا اور خوبی بیان کرنے کے لائق اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق وکائنات کا خالق اور رب ہے۔ خالق کائنات رب تبارک وتعالیٰ کے بعد تمام مخلوق میں سب سے زیادہ ارفع واعلیٰ، اعظم وبالا شان اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم واکرم، محبوب رب العالمین، رحمۃ للعٰلمین، نبی کریم، رؤف ورحیم، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم کی تعظیم وتکریم کا حکم فرمایا ہے:۔

"اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ"

(پارہ:۲۶، سورۃ الفتح، آیت نمبر:۸اور۹)

ترجمہ:۔ "بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔"

(کنزالایمان)

تفسیر:۔ اس آیت میں وارد لفظ "شاہد" یعنی حاضر وناظر کی تفسیر میں وارد ہے کہ:۔

"یعنی اپنی امت کے اعمال واحوال کا تاکہ روز قیامت ان کی گواہی دو اور مومنین مقربین کو جنت کی خوشخبری اور اور نافرمانوں کو عذاب دوزخ کا ڈرسناتا۔" (تفسیر خزائن العرفان، ص:۹۲۰)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم واکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم واکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار رسالت کے آداب اور سماجی زندگی میں اپنے محبوب کے ساتھ کس طرح کا تعظیم کا برتاؤ کرنا چاہیے، اس کی تعلیم فرمائی ہے۔ اس سلسلہ

کی چند آیات قرآنیہ تلاوت کرنے کا شرف حاصل کریں:۔

✪ آیت نمبر ۱:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

(پارہ:-۱، سورۃ البقرہ، آیت:۱۰۴)

ترجمہ:- ''اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(کنزالایمان)

تفسیر:- (شانِ نزول):-

(۱) ''جب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کو کچھ تعلیم و تلقین فرماتے تو صحابۂ کرام کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے کہ "**رَاعِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ**" اس کے معنی یہ تھے کہ یا رسول اللہ! ہمارے حال کی رعایت فرمایئے یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجیے۔ یہودیوں کی لغت میں ''راعنا'' کا کلمہ بے ادبی کے معنی رکھتا تھا۔ انہوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہودیوں کی اصطلاح سے واقف تھے۔ آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا: اے دشمنانِ خدا! تم پر اللہ کی لعنت۔ اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا تو اس کی گردن مار دوں گا۔ یہودیوں نے کہا، اے سعد! تم ہم پر تو خفا ہوتے ہو، لیکن مسلمان بھی تو یہی کلمہ کہتے ہیں۔ یہودیوں کی اس بات پر آپ رنجیدہ ہو کر خدمتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی، جس میں "**رَاعِنَا**" کہنے کی ممانعت فرمادی گئی تھی اور اس معنی کا دوسرا لفظ "**اُنْظُرْنَا**" کہنے کا حکم نازل ہوا۔" (مسئلہ) ''اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام کی تعظیم و توقیر اور ان کی جناب میں کلماتِ ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمہ میں ترکِ ادب کا شائبہ بھی ہو، وہ زبان پر لانا ممنوع ہے۔''

(۲) "وَاسْمَعُوْا" کی تفسیر میں ہے کہ "اور ہمہ تن گوش ہو جاؤ تا کہ یہ عرض کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے کہ حضور توجہ فرمائیں کیونکہ دربار نبوت کا یہی ادب ہے۔ (مسئلہ) "دربار انبیاء میں آدمی کو ادب کے اعلیٰ مراتب کا لحاظ لازم ہے۔"

(۳) "لِلْكٰفِرِيْنَ" میں اشارہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جناب میں بے ادبی کفر ہے۔" (حوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص:۲۹)

نوٹ:- صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بارگاہ رسالت میں کمال ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے ہی "رَاعِنَا" عرض کرتے تھے لیکن اس لفظ کی آڑ میں بارگاہ رسالت کے گستاخوں کو بے ادبی اور توہین کرنے کا موقعہ ملتا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے صالحین بندوں یعنی صحابہ کرام کو بھی اس لفظ کے استعمال کی ممانعت فرمادی تا کہ دشمنوں کو بارگاہ محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بے ادبی اور گستاخی کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

- آیت نمبر ۲:-

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ"

(پارہ:۲۶، سورۃ الحجرات، آیت:۲)

ترجمہ:- "اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔" (کنزالایمان)

- آیت نمبر ۳:-

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ"

(پارہ:۵،سورۃ النساء،آیت:۶۵)

ترجمہ:-"تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم! وہ مسلمان نہ ہوں گے، جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔" (کنزالایمان)

- آیت نمبر ۴:-

"فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

(پارہ:۹،سورۃ الاعراف،آیت:۱۵۷)

ترجمہ:-"تو وہ جو اس پر (محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر) ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی بامراد ہوئے۔" (کنزالایمان)

- آیت نمبر ۵:-

"وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ"

(پارہ:۶،سورۃ المائدہ،آیت:۱۲)

ترجمہ:-"اور اللہ نے فرمایا بے شک میں ضرور تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو۔"

(کنزالایمان)

- آیت نمبر ۶:-

"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا"

(پارہ:۱۸،سورۃ النور،آیت:۶۳)

ترجمہ:-"رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔" (کنزالایمان)

اس سلسلہ کی چند دیگر آیات:-

یہاں تک ہم نے صرف چھ آیات مقدسہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔ ان میں سے صرف آیت نمبر ا کے ضمن میں بہت ہی مختصر تفسیر پیش کی ہے، بقیہ پانچ آیات کے صرف تراجم ہی ارقام کیئے ہیں۔ طول تحریر کے خوف کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان آیات کی تفسیر اور شان نزول کی تفصیل نہ لکھنے کی کوتاہی پر ہم اپنے معزز اور کرم فرما قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ مزید برآں اسی سلسلہ کی چند دیگر آیات کی بھی نشاندہی کیے دیتے ہیں:-

(۷) ⊙ "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ" (الخ) (پارہ:۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت:۵۳)

(۸) ⊙ "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰكُمْ صَدَقَةً" (پارہ:۲۸، سورۃ المجادلہ، آیت:۱۲)

(۹) ⊙ "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ"

(پارہ:۲۶، سورۃ الفتح، آیت:۱۰)

(۱۰) ⊙ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"

(پارہ:۲۶، سورۃ الحجرات، آیت:۱)

(۱۱) ⊙ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ"

(پارہ:۹، سورۃ الانفال، آیت:۲۴)

(۱۲) ⊙ "اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ"

(پارہ:۲۶، سورۃ الحجرات، آیت:۳)

(۱۳) ⊙ "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا"

(پارہ:۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت:۳۶)

(۱۴) ⊙ "وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ"

(پارہ:۱۰، سورۃ التوبہ، آیت:۶۱)

(۱۵) ⊙ "وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ"

(پارہ:۱۱، سورۃ التوبہ، آیت:۱۰۳)

(۱۶) ⊙ "اِنَّ الَّذِيۡنَ يُنَادُوۡنَكَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ" (پارہ:۲۶، سورۃ الحجرات، آیت:۴)

(۱۷) ⊙ "اَلنَّبِىُّ اَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ"

(پارہ:۲۱، سورۃ الاحزاب، آیت:۶)

(۱۸) ⊙ "قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ"

(پارہ:۱۰، سورۃ التوبہ، آیت:۶۵)

مندرجہ بالا کل بارہ آیات قرآنیہ کے علاوہ کئی آیات پیش کی جاسکتی ہیں۔ جن تمام کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم واکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کا حکم فرمایا ہے۔ اپنے محبوب کی تعظیم وتوقیر کرنے والوں کو انعام واکرام سے نوازا ہے اور عظیم بشارتوں کے وعدے فرمائے ہیں اور شانِ اقدس میں توہین وتنقیص کرنے والوں کی سخت تعزیر وسرزنش فرما کر عذاب عظیم کی وعید سے ڈرایا ہے۔ مثلاً:-

- میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایسے لفظ کا بھی استعمال نہ کرو کہ دشمنوں کو اس لفظ کی آڑ میں توہین کرنے کا موقعہ ملے۔ دیکھو آیت نمبر ۱،
- میرے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز بلند مت کرو اور ان کے سامنے چیخ کر یا چلا کر بات مت کرو، جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ اگر تم نے دربار رسالت کا ادب ملحوظ نہ رکھا اور میرے حبیب اکرم کے ساتھ عام انسانوں کی طرح گفتگو کی تو تمہارے عمل تباہ وبرباد ہو جائیں گے۔ دیکھو آیت نمبر ۲۔
- اپنے ذاتی معاملات کا فیصلہ میرے محبوب کے سپرد کر دو۔ میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا "حکم" یعنی دل سے تسلیم کر کے ان کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر کے، تمہارے تنازعات کر جھگڑوں کے متعلق جو کچھ بھی حکم صادر

فرمائیں، اس میں ذرہ برابر بھی چوں وچرامت کرو۔ ان کے اٹل فیصلے پر تم نے اف کیا یا کسی قسم کا تردد وتامل کیا تو تم مؤمن کہلانے کے لائق نہیں۔ دیکھو آیت نمبر ۳۔

- جو لوگ میرے رسول اعظم واکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم ونصرت واطاعت کی، وہی لوگ بامراد ہیں۔ دیکھو آیت نمبر ۴۔
- جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان لائے، رسولوں کی تعظیم وتوقیر بجالائے اور فریضۂ نماز وزکوٰۃ کو ادا کیا، ان لوگوں پر اپنے انعام واکرام کی نوازش فرماتے ہوئے رب تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ان کے ساتھ ہوں۔ دیکھو آیت نمبر ۵۔
اور جس کو اللہ کا ساتھ مل گیا، وہ یقیناً اللہ والا ہو گیا۔
- جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، اس طرح میرے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مت پکارو۔ دیکھو آیت نمبر ۶۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں۔
- میرے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس میں بغیر اجازت داخل ہونے کی جرأت مت کرو۔ ہاں وہ اگر کھانے کے لیے بلائیں تو حاضر ہو جاؤ اور کھانا کھانے کے بعد وہاں بیٹھ کر گفتگو میں مشغول مت ہو جاؤ، بلکہ روانہ ہو جاؤ۔ تمہارا بیٹھا رہنا مکان کی تنگی کی وجہ سے میرے محبوب کے اہل خانہ کے لیے تکلیف ومشقت کا باعث ہوتا ہے لیکن میرا محبوب حسن اخلاق کا پیکر جمیل ہونے کی وجہ سے تمہیں کچھ نہیں کہتا۔ لیکن محبوب اعظم کی اس تکلیف پر میں تمہیں متنبہ فرماتا ہوں کہ اب سے اس طرح بیٹھے رہ کر میرے محبوب کو تکلیف ومشقت مت پہونچاؤ۔ دیکھو آیت نمبر ۷۔
- اے میرے ایمان والے بندو! اگر تم میرے محبوب کی بارگاہ عالی میں کچھ عرض ومعروض کرنا چاہتے ہو تو اپنے معروضات پیش کرنے سے پہلے کچھ صدقہ (خیرات) کرو۔ دیکھو آیت نمبر ۸۔
- جو لوگ میرے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ [illegible] کرتے ہیں گویا کہ وہ مجھ

سے ہی بیعت کرتے ہیں۔ دیکھو آیت نمبر ۹۔ اسی طرح جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں، درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی بیان کرتے ہیں۔

- اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو۔ دیکھو آیت نمبر ۱۰۔
- اے اللہ کے مؤمن بندو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ۔ رسول تمہیں کسی امر کی طرف بلائیں یعنی ایمان، جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کی طرف بلاتے ہیں تو ان کا یہ بلانا تمہیں دائمی حیات بخشنے کے لیے ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۱۔
- جو لوگ بارگاہ رسالت کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں پست کرتے ہیں اور بلند آواز سے گفتگو کرنے سے اجتناب کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور پرہیز گاری کے لیے چن لیے ہیں۔ ان لوگوں کے لیئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۲۔
- کسی بھی مسلمان مرد یا عورت کے معاملہ میں جب اللہ و رسول کوئی حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار نہیں رہتا۔ دیکھو آیت نمبر ۱۳۔ یعنی اللہ و رسول کا حکم ان کے لیئے حرف آخر کی طرح نافذ ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلہ میں کوئی بھی شخص اپنے نفس کا بھی خود مختار نہیں۔
- جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب یعنی دوزخ کا سخت عذاب ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۴۔
- میرے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دُعا تمہارے دلوں کا چین ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۱۵۔
- میرے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو لوگ حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ دیکھو آیت نمبر ۱۶۔ یعنی انہیں اپنی بے عقلی کی وجہ سے

بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب واحترام ملحوظ رکھنے کا شعور نہیں۔

- اے مسلمانو! اچھی طرح جان لو! تمہارے جسموں میں جو جان ہے اس جان کے مالک بھی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ دیکھو آیت نمبر ۱۷۔

- حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ عالی میں گستاخی کا کلمہ بول کر پھر یہ عذر کرنا کہ ہم نے توہین کی نیت سے ایسا نہیں کہا بلکہ یونہی ہنسی کھیل اور دل لگی کے طور پر ایسا کہا ہے۔ یہ عذر ہرگز قابل قبول نہیں بلکہ اللہ فرماتا ہے کہ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو؟ بہانے نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے ایمان لانے کے بعد۔ دیکھو آیت نمبر ۱۸۔

الحاصل:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ محبت، ادب واحترام، اور تعظیم وتوقیر کا برتاؤ کرنا اللہ تعالیٰ کو نہایت پسند ہے، اللہ ان لوگوں سے ہمیشہ راضی رہتا ہے جو لوگ اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت وتعظیم اور ادب وتوقیر بجالانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور ادب واحترام در حقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت وتعظیم ہر مؤمن پر لازم ہے بلکہ ایمان کی جان ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ:۔

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ" (مشکوٰۃ شریف، باب الایمان)۔

ترجمہ:- ''تم میں کا کوئی بھی مومن ہو نہیں سکتا، جب تک اس کے نزدیک میں اس کی اولاد سے، والدین سے اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔''

اس حدیث پر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کامل طور پر عمل کیا اور ''رضائے الٰہی'' کے حقدار بنے۔ صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چل کر تابعین عظام، تبع تابعین کرام، ائمہ دین، صالحین، اولیاء کاملین، علمائے ملت اسلامیہ وغیرہ نے اپنے اقوال و کردار کے ذریعہ عالم دنیا کو ''عشقِ نبی'' اور ''تعظیم رسول'' کا پیغام حق دیا اور لوگوں کے ایمان کو پختہ و مجلا بنایا۔ تحفظ ناموسِ رسالت کے لیے اپنا سب کچھ نثار کرنے کا جذبہ قوم مسلم میں زندہ رکھا اور ملت اسلامیہ کو ایمان کی حلاوت اور شیرینی سے روشناس کرایا۔

لیکن:

افسوس! صد افسوس! اس دور میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو بظاہر تو **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھتے ہیں اور ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ''روح ایمان'' یعنی محبت و عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محروم ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر سے ایسے بھاگتے ہیں کہ گویا انہیں سانپ نے سونگھ لیا ہو۔ لوگوں کو عظمت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روکتے ہیں۔ جب کبھی بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا معاملہ درپیش ہوتا ہے تب فوراً توحید کا جھنڈا بلند کر کے ''شرک'' اور ''بدعت'' کے فتاویٰ کی بوچھار شروع کر دیتے ہیں۔ بارگاہ رسالت میں توہین و تنقیص کرنے کی غرض فاسد سے قرآن مجید کی آیات کے غلط تراجم و مطالب اور خود ساختہ توضیح پیش کرتے ہوئے بھی نہیں جھجکتے۔ البتہ! جب اپنے پیشواؤں کا معاملہ سامنے آتا ہے تب اپنے خود ساختہ توحید کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً:-

منافقین زمانہ کے اعتقاد اور نظریات

(۲) اپنے پیشواؤں کے متعلق	(۱) حضور اقدس کے متعلق
⊙ "مولوی رشید احمد گنگوہی کا درجہ انسانیت سے بالا ہے۔ وہ ایک فرشتۂ مقرب تھے، جو انسانوں میں ظاہر کیے گئے" (حوالہ:- حکایت اولیا، ص:۲۵۹، حکایت نمبر ۲۳۲، اور سوانح قاسمی، جلد:۱، ص:۱۳۰	⊙ "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نفس بشریت میں جملہ بنی آدم کی طرح ہیں" (حوالہ:- براہین قاطعہ، ص:۷) نوٹ:- جملہ بنی آدم میں مؤمن، کافر، مشرک، مجوسی وغیرہ ہر انسان شامل ہیں۔
⊙ "مولوی حسین احمد ٹانڈوی صدر المدرسین دار العلوم دیو بند عالم نور میں رہتے ہیں، ان کی آنکھوں میں، ان کے داہنے، ان کے بائیں اور ان کے چاروں طرف نور ہی نور ہے اور وہ خود نور ہوگئے ہیں۔" (حوالہ:- الجمیعت دہلی کا شیخ الاسلام نمبر، ص:۱۲)	⊙ "تمام انبیاء و اولیاء سب انسان ہی ہیں اور عاجز بندے ہیں۔" (حوالہ:- تقویت الایمان، ص:۹۹) نوٹ:- تمام انبیاء میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی آگئے۔

⊙ ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے بھائی ہیں۔ اللہ نے ان کو بڑائی دی، وہ بڑے ہوئے۔ ہم ان کے چھوٹے ہیں۔ ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے۔'' (حوالہ:- تقویت الایمان، ص:۹۹)	⊙ ''مولوی حسین احمد ٹانڈوی جو کھدر کا لباس پہن کر گلی کوچوں میں گھومتے تھے، وہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا جلوہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کبریائی پر پردہ ڈال رکھا ہے اور گزی گاڑے میں ملفوف جس ٹانڈوی صاحب کو ہماری آنکھوں نے دیکھا ہے۔ وہ اللہ بزرگ و برتر کا جلوہ اس سرزمین پر دیکھا ہے۔ (حوالہ:- شیخ الاسلام نمبر، ص:۵۹)
⊙ 'جس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے، وہ کسی چیز کا مختار نہیں، (حوالہ:- تقویت الایمان، ص:۷۰) ⊙ ''عمل کے معاملہ میں امتی بسا اوقات بظاہر اپنے نبی کے برابر ہو جاتا ہے بلکہ بڑھ بھی جاتا ہے۔ (حوالہ:- تحذیر الناس، ص:۵)	⊙ ''مولوی حسین احمد ٹانڈوی کا دل شریعت کا حامل اور ان کا عمل شریعت کی تفسیر تھا۔ ان کے فضائل و کمالات کی صحیح اطلاع یا تو اللہ تعالیٰ کو ہے یا ان اولیاء و علماء کو ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے چشم بصیرت عطا فرمائی ہے۔ ہم جیسے کور چشم مولوی حسین احمد ٹانڈوی کی ذات کو نہیں پہچان سکتے۔ (شیخ الاسلام نمبر، ص:۶۷) نوٹ:- جب پہچان نہیں سکتے تو ان کے درجہ تک بھی نہیں پہونچ سکتے۔

(۱) اعتقاد منافقین متعلق حضورِ اقدس	(۲) اعتقاد منافقین متعلق اپنے پیشوا
⊙ "بزرگانِ دین کو دور اور نزدیک سے پکارنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ دور سے اور نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں، شرک ہے۔" (حوالہ:- تقویۃ الایمان، ص:۴۴)	⊙ دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی محمود حسن دیوبندی نے مولوی رشید احمد گنگوہی کو ان کے انتقال کے بعد "اَرِنیْ" "یعنی" "مجھے اپنا دیدار دکھا" کہہ کر پکارا۔ (حوالہ:- مرثیہ گنگوہی، ص:۱۲)
⊙ "حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ کو قبر شریف کے نزدیک یا دور سے یارسول اللہ کہہ کر پکارنا کفر ہے۔ اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ علم غیب کے سبب سے دور سے سنتے ہیں، کفر ہے۔" (حوالہ:- فتاویٰ رشیدیہ، ص:۶۳)	⊙ "مولوی محمود حسن دیوبندی نے دیوبند میں بیٹھ کر گنگوہ نامی مقام میں مدفون مولوی رشید احمد گنگوہی کو مخاطب کر کے "اَرِنِیْ" یعنی مجھے اپنا دیدار دکھا" کہہ کر پکارا۔" (حوالہ:- مرثیہ گنگوہی، ص:۱۲)

منافقین زمانہ کی کتابوں سے ایسے سیکڑوں متضاد اعتقاد و نظریات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ جو عقیدہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق رکھنا ان کے نزدیک شرک ہے، وہی عقیدہ اپنے پیشواؤں کے متعلق جائز قرار دیتے ہیں۔ جب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، تب انہیں "توحید خالص" کے اصول یاد آتے ہیں اور جب اپنے پیشواؤں کی عظمت کا معاملہ ہوتا ہے، تب اپنی خود ساختہ توحید کے تمام اصول فراموش کردیتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

⊙ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:-

"وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ
يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا"

(پارہ:۸، سورۃ الانعام، آیت:۱۱۲)

ترجمہ:- "اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کیے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں کا ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکے کو۔" (کنزالایمان)

تفسیر:- یعنی دھوکے اور فریب کی بات اغوا کرنے کے لیے۔"

(تفسیر خزائن العرفان، ص: ۲۵۵)

اس آیت میں صاف ارشاد ہے کہ ہر نبی کے دشمن ہر زمانہ میں ہوئے ہیں اور وہ دشمن آدمی شیطان اور جنات شیطان ہیں۔ اور انبیائے کرام کے جو دشمن ہوتے ہیں ان میں آپس میں یہ گٹھ بندھن ہوتا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے خلاف متحد ہو کر خفیہ سازش کرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ اور فریب دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی مذکورہ آیت کے مطابق جب ہر نبی کے دشمن پیدا ہوئے ہیں، تو لامحالہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھی دشمن پیدا ہوئے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کی تعداد دیگر انبیائے کرام کے دشمنوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ کے زمانہ اقدس سے لے کر اب تک تقریباً چودہ سو سال کے عرصۂ دراز میں کافی تعداد میں دشمنانِ رسول پیدا ہوئے ہیں اور آج کے بعد سے قیامت تک دشمنانِ رسول بکثرت پیدا ہوں گے۔

تمام دشمنانِ رسول کا آئین اور مقصد یکساں ہی ہے۔ بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توہین و تنقیص کرنا، آیات متشابہات کا سہارا لے کر اور ان آیات کے من مانے تراجم اور من گھڑت تفسیر کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اور عظمت گھٹانے کی کوشش کرنا، حضور اقدس کو اپنے جیسے بشر ثابت کرنے کے لیے "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیت پیش کر کے لوگوں کو گمراہ کرنا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کفار و مشرکین عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھٹانے کے لیے لوگوں کو اس طرح بہکاتے تھے کہ:-

"[illegible] ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ

کیوں نہ اتارا گیا کہ ان کے ساتھ رہ کر ہم کو ڈرسناتا یا غیب سے انہیں کوئی خزانہ کیوں نہ مل گیا یا ان کو کوئی باغ ہوتا، جس میں سے وہ کھاتے۔ ظالموں نے بالآخر قوم سے یہاں تک کہا کہ:-

"اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا" (پارہ:۱۸، سورۃ الفرقان، آیت:۸)

ترجمہ:- "تم تو پیروی نہیں کرتے مگر ایک ایسے مرد کی جس پر جادو ہوا۔"

(کنزالایمان) (تفسیر بحوالہ:- تفسیر خزائن العرفان، ص:۶۴۸ اور ۵۱۵)

دشمنانِ رسول ﷺ کی مندرجہ بولی کا قرآنِ مجید میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور بارگاہ رسالت کے دشمنوں کا یہ مقولہ نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

"اُنۡظُرۡ كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا"

حوالہ:- (۱) پارہ:۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت:۴۸)

(۲) پارہ:۱۸، سورۃ الفرقان، آیت:۹)

ترجمہ:- "دیکھو انہوں نے تمہیں کیسی تشبیہیں دیں، تو گمراہ ہوئے کہ راہ نہیں پاسکتے۔" (کنزالایمان)

اس آیت میں صاف لفظوں میں ارشاد ہے کہ کفار قریش نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت گھٹانے کے لیے حضور کا کھانا تناول فرمانا اور بازار میں چلنا بطور مثال پیش کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "عام انسان" ثابت کرنے کی کوشش کی تھی جس کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ "اُنۡظُرۡ كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ" یعنی "اے محبوب! دیکھو! انہوں نے یعنی کفار قریش نے تمہارے لیے کیسی مثالیں دی ہیں۔ یعنی تمہارا کھانا پینا اور بازار میں چلنا پھرنا، بطور سند پیش کر کے تمہیں عام انسان ثابت کرنے کی کوشش کر کے تمہاری عظمت گھٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ تمہاری عظمت گھٹانے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ لیکن:- کیونکہ

"وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ" (پارہ:۳۰، سورۃ الم نشرح، آیت:۴)

ترجمہ:۔ ''اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔'' (کنز الایمان)

پوری دنیا کے تمام کفار، مشرکین، یہود، نصاریٰ، منافقین، مرتدین اور ادیان باطل کے متبعین جمع ہو کر بھی اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کی بلندی اور مراتب و درجات کی رفعت نہیں گھٹا سکتے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ بلند فرمائے اس کو کون نیچا کر سکتا ہے؟ البتہ عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھٹانے کی کوشش کرنے والا اپنے ایمان سے ضرور ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد رب تعالیٰ ہے کہ **"فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا"** یعنی ''تو گمراہ ہوئے کہ اب کوئی راہ نہیں پاتے۔''

حضور اقدس، رحمت عالم، جانِ ایمان ﷺ کو اپنے جیسا بشر کہنے والے بحکم قرآن گمراہ ہیں۔

خوب یاد رکھو کہ:۔

- سب سے پہلے نبی کو بشر کہہ کر کافر ہونے والا ابلیس لعین تھا۔ شیطان کے نقش قدم پر چل کر ہر زمانہ کے کافروں، مشرکوں، یہودیوں، عیسائیوں اور منافقوں نے ہی انبیائے کرام کو ''اپنے جیسا بشر'' کہا ہے اور جنہوں نے انبیائے کرام کو بطور توہین ''بشر'' یا ''اپنے جیسا بشر'' کہا ہے، وہ ایمان و ہدایت سے ہاتھ دھو چکے ہیں اور گمراہ و بے دین ہیں۔
- کسی بھی نبی کے کسی بھی مؤمن اُمتی نے اپنے نبی کو ''اپنے جیسا بشر'' نہیں کہا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر نہیں کہتے تھے۔ صرف کفار، مشرکین اور منافقین ہی حضور اکرم کو اپنے جیسا بشر کہتے تھے۔

لہٰذا

- اس زمانہ میں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''اپنے جیسا بشر'' کہتے ہیں وہ کفار و مشرکین کے طریقہ پر ہیں اور جو لوگ حضور اقدس کو بے مثل و مثال نوری بشر کہتے ہیں، وہ صحابۂ کرام کے نقش قدم پر ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی تعظیم وتوقیر کا سلیقہ عنایت فرمائے اور مذہب حق اہل سنت وجماعت پر استقامت عطا فرمائے اور اعمال صالحہ کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

فقط والسلام

خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ

اور

خانقاہ رضویہ بریلی

کا ادنیٰ سوالی

عبدالستار ہمدانی،

"مصروف"

(برکاتی۔نوری)

مورخہ:۔ ۱۴ ربیع الآخر ۱۴۲۰ھ

مطابق ۲۷ جولائی ۲۰۰۰ء

یوم دوشنبہ

خاص جیل۔ پوربندر (گجرات)

مآخذ اور مراجع

نمبر	اسماء کتب	اسماء مصنفین، مؤلفین وغیرہ
(۱)	قرآن مجید	کلام اللہ
(۲)	کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن	امام احمد رضا محدث بریلی
(۳)	معجم صغیر	ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی
(۴)	تفسیر خزائن العرفان	صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی
(۵)	تفسیر روح البیان	علامہ شیخ اسمٰعیل حقی بروسوی (متوفی ۱۱۳۷ھ)
(۶)	عجائب القرآن	علامہ عبدالمصطفےٰ اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
(۷)	تفسیر جمل علی الجلالین	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل
(۸)	مدارج النبوۃ	شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی (التوفی ۱۰۵۲ھ)
(۹)	المواہب اللدینۃ علی الشمائل المحمدیہ	علامہ احمد بن محمد المصری القسطلانی شافعی
(۱۰)	دلائل النبوۃ	حضرت ابونعیم بن عبداللہ اصفہانی (التوفی ۴۳۰ھ)
(۱۱)	شواہد النبوۃ	علامہ نورالدین عبدالرحمٰن جامی بن احمد بن محمد
(۱۲)	خصائص کبریٰ	امام جلال الدین سیوطی
(۱۳)	الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ	قاضی ابوالفضل عیاض بن عمر واندلسی (متوفی ۵۴۴ھ)
(۱۴)	علم النحو	مولوی مشتاق احمد چھترالوی (وہابی)
(۱۵)	فیروز اللغات	مولوی فیروز الدین
(۱۶)	دی ٹیوریل پرشین انگلش ڈکشنری	ایس تی پال
(۱۷)	قرآنی علوم	مفتی عبدالواجد قادری
(۱۸)	تفسیر نعیمی جلد ۳۰	مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۹)	جامع اللغات	مفتی غلام سرور لاہوری

(۲۰)	مختصر سیرت نبویہ	عبدالشکور کاکوروی (وہابی)
(۲۱)	فتوح الشام	امام العدل علامہ محمد بن عمرو الواقدی
(۲۲)	حرز	امام جلال الدین السیوطی
(۲۳)	المنجد	
(۲۴)	تفسیر خازن	علاء الدین علی بن محمد بغدادی (م-۷۲۵ھ)
(۲۵)	مسلم شریف	امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری
(۲۶)	درمختار شرح تنویر الابصار	امام محمد بن علی دمشقی حصکفی (متوفی ۱۰۸۸ھ)
(۲۷)	ردالمحتار (فتاویٰ شامی)	علامہ محقق امین الدین محمد بن عابدین شامی
(۲۸)	تقویۃ الایمان	مولوی اسمٰعیل دہلوی (وہابی) المتوفی ۱۲۴۶ھ)
(۲۹)	اطیب البیان ردتقویۃ الایمان	صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مرادآبادی
(۳۰)	تفسیر عزیزی (تفسیر فتح العزیز)	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
(۳۱)	طبقات المفسرین	امام جلال الدین سیوطی
(۳۲)	ترجمۂ قرآن	محمود الحسن دیوبندی (وہابی)
(۳۳)	ترجمۂ قرآن	مولوی اشرف علی تھانوی (وہابی)
(۳۴)	ترجمۂ قرآن	عاشق الٰہی میرٹھی (وہابی)
(۳۵)	صلات الصفاء فی نور المصطفیٰ	(اعلیٰ حضرت) امام احمد رضا محدث بریلوی
(۳۶)	دلائل النبوۃ	امام ابوبکر بن حسین بیہقی شافعی (متوفی ۴۵۸ھ)
(۳۷)	افضل القریٰ	امام ابن حجر عسقلانی
(۳۸)	شرح المواہب اللدنیہ	علامہ الشمس محمد بن عبدالباقی الزرقانی مالکی
(۳۹)	الخمیس فی احوال النفس نفیس	علامہ حسین بن محمد بن حسن دریابکری
(۴۰)	مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات	علامہ امام محمد مہدی بن احمد فاسی (المتوفی ۱۰۲۳ھ)
(۴۱)	جواہر البحار	علامہ امام عبدالکریم الجیلی
(۴۲)	موضوعات کبیر	ملاعلی بن سلطان محمد قاری مکی حنفی

(۴۳) تفسیر کبیر (تفسیر رازی) مفاتیح الغیب امام فخر الدین محمد بن عمر بن عمر رازی شافعی (م۔۶۰۶ھ)

(۴۴) حجۃ اللہ علی العلمین فی معجزات سید المرسلین علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی (المتوفی ۱۳۵۰ھ)

(۴۵) اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (فارسی) شیخ محقق شاہ محمد عبد الحق بن سیف الدین سعد)

(۴۶) الامن والعلیٰ امام احمد رضا محدث بریلوی (اعلیٰ حضرت)

(۴۷) ارشاد الساری شرح صحیح بخاری امام احمد بن محمد المصری القسطلانی

(۴۸) نوادر الاصول امام محمد بن عیسیٰ ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ)

(۴۹) جمع الوسائل ملا علی بن سلطان محمد ہروی قاری مکی حنفی

(۵۰) تفسیر مدارک التنزیل امام اجل علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن محمود نسفی (م۔۷۱۰ھ)

(۵۱) نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض علامہ امام احمد شہاب الدین خفاجی مصری

(۵۲) مکتوبات امام ربانی (تین دفاتر میں) تصوف امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی

(۵۳) سبیل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد علامہ محمد بن یوسف شامی

(۵۴) دارمی ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن فضل بن البہرام (م۔۲۵۰ھ)

(۵۵) معجم صغیر ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی (م۔۳۶۰ھ)

تمت بالخیر

- کیا حضور اقدس ﷺ عام انسانوں کی طرح بشر تھے؟
- حضور اقدس ﷺ کو اپنے جیسا بشر کہنے والے کون تھے؟ اور کون ہیں؟
- کفار، مشرکین اور منافقین کا انبیائے کرام کی بشریت کے متعلق کیا نظریہ تھا اور ہے؟
- مؤمنین اور خصوصا صحابہ کرام کا انبیائے کرام کی نوری بشریت کے تعلق سے کیا عقیدہ تھا؟
- حضور اقدس ﷺ کی بے مثال نوری بشریت کے عنوان پر اپنے موضوع کی منفرد کتاب بلکہ حرف آخر کی حیثیت رکھنے والی نادر ونایاب تصنیف لطیف۔
- اس کتاب کو پڑھ کر بہت سے ناواقف اور گمراہیت کے دلدل میں پھنسے ہوئے لوگ اپنے نظریات فاسدہ اور افکار باطلہ سے توبہ کر کے راہ راست پر آ گئے۔

خیر بشر کی نوری بشریت

: مصنف :

مناظر اہل سنت، ماہر رضویات، علامہ عبدالستار ہمدانی "مصروف" (برکاتی، نوری)
پوربندر۔ گجرات

حیاتِ اعلیٰ حضرت

(اوّل)

مُصنّف

ملک العلما حضرت علامہ مولانا محمد ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ

ترتیب جدید

مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

کشمیر انٹرنیشنل پبلشرز
رحمٰن مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم یتلوا علیهم اٰیٰته و یزکیهم و یعلمهم الکتب و الحکمة

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی تقریباً تین سو تصانیف سے ماخوذ (۳۶۶۳) احادیث و آثار
اور (۵۵۵) افادات رضویہ پر مشتمل علوم و معارف کا گنج گرانمایہ

المختارات الرضویة من الاحادیث النبویة والاٰثار المرویة

المعروف بہ

جامع الاحادیث

مع افادات

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ

جلد دوم

تقدیم، ترتیب، تخریج، ترجمہ

مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی
صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

ناشر
شبیر برادرز
40 اردو بازار لاہور 7246006

قصص الانبیاء علیہم السلام

شیخ الاسلام الامام الحافظ عماد الدین محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ

المعروف

امام ابنِ کثیر

مترجم

علامہ الحاج الحافظ السید محمد اللہ شاہ مدظلہ

فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ - لاہور



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

مجموعہ

فتاویٰ بریلی شریف

مصدقہ

تاج الشریعہ حضرۃ العلامۃ الحاج

الشاہ المفتی

محمد اختر رضا

قادری ازہری

دام ظلہ علینا



مصدقہ

استاذ الفقہاء عمدۃ المحققین

حضرت علامہ مفتی قاضی

محمد عبد الرحیم

صاحب بستوی

مدظلہ العالی

مرتبین:

محمد عبد الرحیم المعروف بہ نشتر فاروقی ؛ محمد یونس رضا اویسی

مرکزی دار الافتاء سوداگران بریلی شریف

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں

فتاویٰ حامدیہ

تصنیف

حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ

جمع و ترتیب

مولانا محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی مرکزی دارالافتاء بریلی شریف

ناشر

شبیر برادرز ۴۰۔ اردو بازار لاہور

فتاویٰ بریلی شریف









شبیر برادرز لاہور